سیریز ۲

دس (۱۰) خطبات کا مجموعہ

خطباتِ شیخ الاسلام

خطیب

رئیس المحققین مفسر قرآن حضرت شیخ الاسلام والمسلمین

سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ

حسب فرمائش

غازئ دوراں حضرت سید قاسم اشرف اشرفی جیلانی مدظلہ العالی

مرتبہ نعیم الدین اشرفی

ناشر

محدث اعظم مشن واگرا

تعلقہ ضلع بھروچ، گجرات، انڈیا

خطباتِ شیخ الاسلام

سیریز ۲

خطیب: شیخ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ ابوالحمزہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کچھوچھوی، مدظلہ العالی

حسبِ فرمائش

غازی دوراں حضرت علامہ الشاہ سید محمد قاسم اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی

مرتب

نعیم الدین اشرفی

(سکریٹری مدنی فاؤنڈیشن ہبلی، کرناٹک)

ناشر

محدث اعظم مشن، واگرا، ضلع بھروچ، گجرات، انڈیا

کل الحقوق محفوظۃ

نام کتاب : خطباتِ شیخ الاسلام (سیریز دوم)
خطیب : حضور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی
مرتب : مولانا نعیم الدین اشرفی، سکریٹری مدنی فاؤنڈیشن ہبلی۔
سن اشاعت : بموقعۂ جشن سید۔ 2016
تعداد : ۱۰۰۰
ناشر : محدث اعظم مشن واگر، ضلع بھروچ گجرات، انڈیا۔
کمپوزنگ : اسٹاف ممبران مدنی میاں کمپیوٹر ایجوکیشن اینڈ اسٹڈی سنٹر، ہبلی، کرناٹک
قیمت : 150 روپیے
تخریج ونظر ثانی: جناب نعیم احمد برکاتی، کپٹھال۔ برکاتیہ کتب خانہ قول پیٹھ، ہبلی، کرناٹک
تصحیح : حضرت مولانا نثار احمد مصباحی صاحب، صدرالمدرسین مدنی میاں عربک کالج ہبلی
صفحہ سازی : **محمد زبیر قادری**، مدیر سہ ماہی مسلک، بمبئی (رابطہ:9867934085)

(جملہ حقوق بحق شیخ الاسلام ٹرسٹ احمد آباد، گجرات محفوظ ہیں)

ملنے کے پتے :

☜ مکتبہ شیخ الاسلام احمد آباد، گجرات۔ فون نمبر 9624221212
☜ مدنی فاؤنڈیشن ہبلی، کرناٹک۔ فون نمبر 9886019710
☜ محدث اعظم مشن بلگام، کرناٹک۔ فون نمبر 9844281299
☜ اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن، حیدرآباد۔ فون نمبر 9502314649
☜ سنّی پبلشرز، دہلی۔ فون نمبر 9867934085

فہرس

عناوین		صفحہ
احوالِ واقعی	حضرت سید قاسم اشرف صاحب اشرفی جیلانی	4
اظہارِ مسرت	نعیم الدین اشرفی	8
منقبت درشانِ شیخ الاسلام	مرحوم انوررائے پوری	11
خطبہ اول	مقصدِ اسلام	12
خطبہ دوم	حقیقتِ ایمان	37
خطبہ سوم	ذکرِ خدا جل جلالہ	61
خطبہ چہارم	اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم	98
خطبہ پنجم	شانِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم	118
خطبہ ششم	سچوں کا ساتھ	137
خطبہ ہفتم	صحبتِ صالحین	157
خطبہ ہشتم	تخلیقِ انسان کا مقصد	187
خطبہ نہم	نفس وروح کی حقیقت	224
خطبہ دہم	فلسفۂ موت وحیات	243

* * *

احوالِ واقعی

باسمہ تعالیٰ وبحمدہ

غازی دوراں حضرت علامہ الشاہ سید محمد قاسم اشرف اشرفی جیلانی

پرنواسۂ حضور محدث اعظم ہند کچھوچھہ شریف، یوپی

خطبات کو جب سے قیدِ تحریر میں لانے کا سلسلہ شروع ہوا ہے ان کی افادیت بھی کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ قدیم زمانوں میں پیدا ہونے والے مشکلات اور ان کے سامع وناقل وکاتب کے درمیان کوئی آلۂ واسطہ نہ ہوتا تھا۔ لیکن سائنس وتکنالوجی کے اس دور میں آواز والفاظ کو محفوظ کرنے کے نئے آلات ایجاد ہوچکے ہیں اوران میں بھی عہد بہ عہد ترقی ہوتی جارہی ہے۔ مگر یہ ہمارے لیے غیر معمولی مفید ہیں بشرطیکہ ان کا استعمال مثبت اور دینی یا دنیوی جائز امور کے لیے ہو، اس طرح ہم اپنے ماضی کے خطابی و علمی خزانوں کو بھی جدید آلات میں محفوظ کرکے پھرانھیں قیدِ تحریر میں لاکر اپنی نسلوں کے لیے راہ نما خطوط بنا سکتے ہیں۔

جماعتِ اہلِ سنت کے لیے یہ بات باعث مسرت ہوگی کہ اس سلسلے کی ایک کڑی کو ہم نے آگے بڑھانے کا کام تیزی سے شروع کردیا ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام، رئیس المحققین، حضرت علامہ ابوالحمزہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی دامت برکاتہم القدسیہ کے وہ خطبات جوایک طویل عرصے سے کیسٹوں میں محفوظ تھے انہیں صفحۂ قرطاس میں منتقل کرکے زیورطبع سے آراستہ کرنے کا پروگرام بنایا۔ اِس گلدستے میں دس طرح کے رنگارنگ پھول ہیں۔ جوکچھ اس طرح ہیں (۱) مقصدِ اسلام (۲) حقیقتِ ایمان (۳) ذکرِ خدا (۴) اتباعِ نبوی (۵) شانِ اہلِ بیت (۶) سچوں کا ساتھ (۷) صحبتِ صالحین (۸) تخلیقِ انسان

کا مقصد (۹) نفس وروح کی حقیقت (۱۰) فلسفۂ موت وحیات۔

حضرت شیخ الاسلام کے خطبات، تحریری شکل میں بنام ''خطبات برطانیہ''، سب سے پہلے ملکِ برطانیہ کے خطبات، تقریباً چھتیس (۳۶) سال پہلے منظر عام پر آ گئے، جس سے تحریر وخطاب کی دنیا میں ایک نئے باب کا نہ صرف اضافہ ہوا، بلکہ نئے دور کا آغاز ہوا، اور خطاب کو نقل ودرایت، دونوں اعتبار سے ایسا 'اعتبار' عطا کیا کہ اس کی مثال دور دور تک نظر نہیں آتی۔ خصوصیت کے ساتھ علم ومعرفت، عشق رسول اور عقائدِ اہلِ سنت ومعمولاتِ اہلِ سنت پر ایسی ایمان افروز، بصیرت افروز گفتگو کی گئی ہے کہ عوام وخواص اور طبقۂ اہلِ علم سب اس سے مستفیض ومستنیر ہو رہے ہیں، یہ حضرت شیخ الاسلام کے خطاب کی خلوص وللّٰہیت سے پُر ہونے کی دلیل ہے۔ پھر یکے بعد دیگرے کئی مجموعۂ خطبات منظر عام پر آئے۔ پہلا شیخ الاسلام اکیڈمی حیدرآباد، دوسرا مکتبہ انوارالمصطفٰے حیدرآباد، تیسرا اعجاز بکڈپو کلکتہ، چوتھا اشرفیہ اسلامک فاؤنڈیشن حیدرآباد، پانچواں محدث اعظم مشن بیلگام، کرناٹک اور چھٹا مجموعہ محدث اعظم مشن واگرا برانچ، ضلع بھروچ گجرات کی جانب سے شائع ہو رہا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام کے خطبات مختلف ناموں سے مثلاً خطباتِ حیدرآباد، خطباتِ مدنی، خطباتِ شہادتِ امام حسین، خطباتِ شیخ الاسلام وغیرہ شائع ہوتے رہے۔ ان کے علاوہ حضرت شیخ الاسلام کے چھوٹے یا مختصر خطبات بھی شائع ہوتے رہے، جن کی تعداد کم وبیش پچاس کے قریب ہے۔ محدث اعظم مشن واگرا برانچ کی جانب سے شائع کردہ یہ مجموعہ اپنی ظاہری وباطنی خوبیوں سے آراستہ ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی دینی وعلمی خدمات کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا حق بجانب ہے کہ وہ ایک فرد نہیں عظیم انجمن ہیں، تحریر وتقریر دونوں میدان کے نہ صرف عالم و عارف ہیں بلکہ وہ دونوں کے شہسوار ہیں، اسلوبِ تحریر ونگارش کی انفرادیت دیکھنی ہو تو ان کے کتب ورسائل پڑھیے۔ اور ایک ممتاز وبے مثال خطیب ومبلغ اسلام کی حیثیت سے دیکھنا ہو تو ایشیا، افریقہ، امریکہ اور یوروپ میں ان کے دیے ہوئے خطبات کو سنیں اور ان کی دینی وملی طویل خدمات کا جائزہ لیں۔ وہ بیک وقت عظیم مفتی، محدث، محقق اور مصنف ہیں، ایک عظیم مفسر قرآن بھی ہیں، جس کا اندازہ ان کی ''اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی'' سے لگایا جا سکتا ہے۔

اربابِ علم وفضل نے اس تفسیر کو ایک تحقیقی تفسیر اور معتبر تفاسیر کا خلاصہ اور نچوڑ قرار دیا ہے، فقیہِ اہلِ سنت مفتی آلِ مصطفٰے مصباحی خلیفۂ حضرت شیخ الاسلام نے تفسیر اشرفی پر مدلل تبصرہ کرتے ہوئے ۲۲ ستمبر ۲۰۰۸ء کو ہونے والی محدث اعظم ہند کانفرنس بورسد گجرات میں کہا تھا، تفسیر اشرفی کے مقام ومرتبہ سے لوگوں کو مختصر اور جامع الفاظ میں یوں آگاہ کیا تھا، ''اشرف التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی کا اردو تفاسیرِ قرآن میں وہی مقام ہے جو عربی زبان کی تفاسیرِ قرآن میں جلالین شریف کا ہے'' (مقدمہ تفسیر اشرفی جلد دوم ص ۲۲، ۲۳)

حضرت شیخ الاسلام پر تصوف وروحانیت کا خاصا غلبہ ہو چکا ہے اور انھوں نے تقریر وخطاب کا سلسلہ بند کر کے اپنی توجہ علمی اور تحریری کاموں نیز بحرِ تصوف سے آب دار موتی کے استخراج میں لگا رکھی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی گراں قدر عمر میں برکتیں عطا فرمائے۔ ان کا سایہ دراز فرمائے اور ان کے علمی افادات سے ہمیں بھی مستفیض ہونے کا موقع عطا فرمائے۔ آمین۔

سالِ گذشتہ عزیز القدر مولانا اصغر علی اشرفی کی ترتیب اور صدر و اراکین محدث اعظم مشن بلگام کے تعاون سے خطبات شیخ الاسلام سیریز اول (1) کی اشاعت ہوئی۔ اُسی طرز پر خطبات شیخ الاسلام سیریز دوم (2) بھی دس خطبات پر مشتمل ہے جو حضرت شیخ الاسلام صاحب قبلہ کی متعدد موضوعات پر کی گئی تقریروں کا مجموعہ ہے جسے سی ڈی کیسٹس

سے جناب ذکی اللہ شریف اشرفی عرف اکرم میسور، کرناٹک اور مولانا سید علی مصباحی اشرفی واگرا گجرات نے بڑی محنت سے سطحِ قرطاس پر منتقل کیا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے۔ عزیز القدر مولانا نعیم الدین اشرفی فاضل مدنی میاں عربک کالج ہبلی کرناٹک نے اس کی ترتیب دی اور پروف ریڈینگ کی ہے اور مولانا نثار احمد مصباحی صدر المدرسین مدنی میاں عربک کالج ہبلی اور جناب نعیم احمد برکاتی نے اس کی تصحیح وتخریج کی ہے۔

پرانی کیسٹوں سے یہ تقریریں نقل کی گئی ہیں اس لیے اگر کہیں کچھ خامی نظر آئے تو ہماری نقل کی غلطی سمجھیں اور ہمیں مطلع فرمائیں۔ یہ دس تقریروں کا مجموعہ ہے جو قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ ہمارے اس علمی سفر میں جن لوگوں نے بھی تعاون کیا ہے بالخصوص جناب ذاکر پٹیل صاحب اشرفی اور ان کے رفقاء وذمہ داران محدث اعظم مشن واگرا ضلع بھروچ، گجرات جنہوں نے طباعت کا بیڑا اٹھایا۔ اور ان شاء المولیٰ تعالیٰ عنقریب تیسری سیریز بھی ان ہی کے تعاون سے جلد ہی منظر عام پر آ جائے گی۔ ان تمام کا ہم دل کی گہرائیوں سے شکر گذار ہیں اور دعا گو ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔ آمین بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خدا کرے یہ خطبات عوام کے اعتقاد کی مضبوطی اور اصلاحِ اعمال کا ذریعہ بنیں، ان کی اشاعت بھی اسی مقصد اور جذبے سے ہو رہی ہے۔ انما الاعمال بالنیّات وانما لکل امريء مانوی۔

فقیر اشرفی وگدائے جیلانی

سید قاسم اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی

نواسۂ مجذوبِ الٰہی حضرت سید محامد اشرف، خلف اکبر محدث اعظم ہند ابوالمحامد سید محمد کچھوچھوی (علیہما الرحمہ)

۱۷ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ نزیل حال: کاشانۂ اشرف، لکھنو، یوپی

اظہارِ مرتب

باسمہ وبفضلہ تعالیٰ وبکرم رسولہ الاعلیٰ ﷺ

زیر نظر کتاب ’خطبات شیخ الاسلام سیریز دوم‘ مرشدی حضرت شیخ الاسلام علامہ الشاہ ابوالحمزہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی کچھوچھوی مدظلہ العالی کے دس ایمان افروز خطبات کا حسین گلدستہ ہے۔ اس سے قبل حضرت کے کئی خطبات منظر عام پر آ چکے ہیں لیکن گذشتہ سال 2015 سے، غازیِ دوراں حضرت علامہ سید محمد قاسم اشرف اشرفی جیلانی کچھوچھوی صاحب قبلہ نے باضابطہ حضرت شیخ الاسلام کے دس، دس خطبات کا مجموعہ شائع کرنے کا ارداہ فرمایا، جس کا یہ دوسرا سلسلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس کام کے لیے حضرت غازیِ دوراں نے بذاتِ خود اہلِ علم وصاحبِ ثروت افراد کو منتخب فرمایا۔ چنانچہ کیسٹ، سی ڈی، ویڈیو سے صفحۂ قرطاس پر حضرت کے خطبات قلم بند کرنے کے لیے مولانا سید علی مصباحی واگرا، گجرات، مولانا اصغر علی اشرفی بیلگام، کرناٹک، جناب ذکی اللہ شریف عرف اکرم صاحب میسور، کرناٹک کا انتخاب فرمایا۔ اور پروف ریڈنگ، نشر واشاعت کا کام دیگر افراد وتنظیم کے ذمے سونپا۔ اس طرح یہ علمی و اشاعتی سلسلہ شروع ہوا۔ اس بار دوسری سیریز کی ترتیب وتخریج اور پروف ریڈنگ کی ذمے داری حضرت غازیِ دوراں نے اس فقیر کے سپرد فرمائی۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کے خطبات عالمانہ، عارفانہ، صوفیانہ، حکیمانہ وادیبانہ چاشنی سے لبریز ہیں۔ مجھ حقیر کی کیا بساط کہ میں حضرت کی خطابت کے بارے میں کچھ تبصرہ کروں، بس اس بات پر اکتفا کرتا ہوں کہ حضرت شیخ الاسلام کی خطابت کے مداح آج کے علما و دانشمند حضرات تو ہیں ہی، ماضی قریب میں شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مفتی اعظم ہند، حضور سرکار کلاں سید مختار اشرف اشرفی جیلانی (علیہما

الرحمہ) جیسی مقتدر شخصیات آپ کی خطابت کے مداح تھے۔

اور ایسا کیوں نہ ہو! کہ آپ کی خطابت کا انداز ہی نرالا ہے۔ آپ نے خطابت کو پیشہ نہیں بلکہ تبلیغِ دین کا ذریعہ بنا کر جماعتِ اہل سنت کے عقائد و معمولات کے تحفظ کا علمی اسلحہ عطا فرمایا۔

حضور غازیِ ملت حضرت سید ہاشمی میاں اشرفی جیلانی صاحب قبلہ جنہیں دنیائے خطابت کا شہنشاہ مانا جاتا ہے، وہ حضرت شیخ الاسلام کی خطابت کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، چند جملے ملاحظہ کیجیے:

’’حضرت شیخ الاسلام ایسے خطیب ہیں جن کا مجموعۂ خطابت، ’خطباتِ برطانیہ‘ پڑھ پڑھ کر لوگ مقرر ہو گئے۔ رائے پور چھتیس گڑھ میں، محرم کے 10 روز مسلسل 25 سال تک تقریر کیے, 25 سال تک شہادتِ امام حسین کو بتاتے رہے۔‘‘

حضرت کے کئی مجموعۂ خطبات مختلف حضرات نے ترتیب دیئے ہیں، جن میں چند نمایاں نام یہ ہے: مولانا یحیٰی انصاری اشرفی حیدرآبادی، مولانا ڈاکٹر فرحت علی صدیقی اشرفی حیدر آبادی، جناب بشارت علی صدیقی حیدرآبادی، مولانا سیف خالد اشرفی بھاگلپوری، مولانا اصغر علی اشرفی وغیرہم۔

یہ کتاب، خطباتِ شیخ الاسلام سیریز دوم کی چند خصوصیات یہ ہیں:

☆ حضرت شیخ الاسلام نے اپنے خطاب میں جن آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ذکر فرمایا ہے، اس کا حوالہ پیش کیا گیا ہے اور تخریج کی گئی ہے۔

☆ کتاب میں جہاں جہاں قوسین، یہ () ﴿ ﴾ نشانات ہیں، یہ مرتب کا اضافہ ہے۔

☆ عنوان اور ذیلی عنوان کے الفاظ بھی مرتب کے ترتیب کردہ ہیں۔

یہ بات اس لیے نشاندہی کی گئی ہے کہ اس ترتیب میں کوئی کمی یا خامی ہو تو اسے مرتب کے تقاضۂ بشری پر محمول کیا جائے۔

☆ خطبہ اور اس کے ماقبل و مابعد فاتحہ اور تین مرتبہ درود شریف کا جو طریقہ حضرت کا ہے، اسے ہر خطاب میں ایک ہی طرح تحریر کیا گیا ہے۔

☆ باقی جو الفاظ ہیں وہ من وعن حضرت کا خطاب ہے۔

اس ترتیب و تخریج کے کام میں جن حضرات نے میرا تعاون فرمایا ہے، خصوصاً غازیِ دوراں حضرت سید قاسم اشرف اشرفی جیلانی صاحب قبلہ، جناب نعیم احمد برکاتی صاحب ہبلی، والدِ محترم حضرت مولانا نثار احمد مصباحی صاحب قبلہ ان تمامی حضرات کا بصمیمِ قلب مشکور و ممنون ہوں۔ اسی طرح جناب ذکی اللہ شریف اشرفی میسور، مولانا سید علی مصباحی واگرا گجرات کا بھی شکر گزار ہوں، جنھوں نے حضرت کے خطابات کو آڈیو کیسٹس، سی ڈی، ویڈیو سے، بڑی محنت کے ساتھ تقریری آواز کو تحریری الفاظ میں منتقل کیا۔

ساتھ ہی ساتھ جناب زبیر قادری صاحب دہلی کا بھی شکریہ جنھوں نے صفحہ سازی اور سرورق کی تزئین کاری کا کام انجام دیا۔ اور محترم بشارت علی صدیقی حیدرآبادی، مولانا نثار احمد چھگن اشرفی، حافظ شارق احمد اشرفی پٹیل، حافظ دادا پیر شیخ ان سب کا بھی شکریہ جنھوں نے اپنے مشوروں سے نوازا۔ آخر میں محدث اعظم مشن واگرا، ضلع بھروچ گجرات کا بھی شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔

آخر میں اپنے قارئین کرام سے التماس ہے کہ ان تمامی حضرات کے لیے دعا فرمائیں اور کہیں خامی یا غلطی ہو تو مطلع فرمائیں نوازش ہوگی۔ مولیٰ تعالیٰ ہمیں حضور شیخ الاسلام کے فیضان سے مستفیض فرمائے اور مرشدِ گرامی کے سایۂ عاطفت اور سچی وفاداری میں رکھے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

احقر العباد

نعیم الدین اشرفی، ہبلی۔ یکم محرم الحرام ۱۴۳۸ھ

منقبت در شان حضور شیخ الاسلام

کہوں جب حضرتِ مدنی، زباں خوشبو دے
جو ان کے بارے میں سوچوں تو دھیان خوشبو دے

خطیب ایسے کہ جس کی کوئی مثال نہیں
خطابت ایسی کہ اک اک بیان خوشبو دے

بتا دیا ہے یہ احمد رضا نے دنیا کو
رسولِ پاک کا گُل خاندان خوشبو دے

ہیں گلستانِ نبی کے وہ پھول مدنی میاں
یہ جس پہ رکھ دیں قدم وہ مکان خوشبو دے

انورؔ رائے پوری اشرفی مرحوم

خطبہ اوّل

عنوان: مقصدِ اسلام

بمقام: ہبلی، کرناٹک، انڈیا

مورخہ 26، 27 دسمبر 1989ء کو ہبلی، کرناٹک میں منعقدہ دوروزہ آل کرناٹک محدث اعظم کانفرنس کے دوسری شب کی تقریر

اَلْفَاتِحَہ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمْ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیْمْ۔
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا
عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِھَا
وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَصَحْبِہٖ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنْ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنْ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ
کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ
اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمُ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمُ
وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْہُ اِنْ کَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔
(سورۂ توبہ۔ آیت نمبر 62)
صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشّٰاھِدِیْنَ وَالشّٰاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمُ۔
وَنَفَعْنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمُ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ مُبَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے   مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہے آفاق

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا   نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی   کہ خدا کے عارفوں کا مقام ہے بادشاہی

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ انکو   ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
(ڈاکٹر اقبال)

غوث کو یا غوث کہتے کہتے ہو جاتے ہیں غوث
خواجگی ملجاتی ہے تو خواجہ کا دم بھر کے دیکھ
نمو دِشان ِربانی ظہورِ نو رِ یزدانی
خدا کا دوسرا کوئی نہ کو ئی آپ کا ثانی
ہمارے دین کی حقانیت کے دونوں شاہد ہیں
معین الدین اجمیری محی الدین جیلانی
(محدث اعظم ہند سید کچھوچھوی)

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود
(اصغر گونڈوی)

بارگاہ رسالت اور آل رسالت میں درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ایک بار اور ہدیۂ صلوٰۃ پیش فرمائیں۔

صلی الله علی النبی الامی و آله صلی الله علیه وسلم صلوة وسلاما علیك یا رسول الله

ایک بار اور نذرانۂ درود پیش فرمائیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

کل سے آپ اطمینان وسکون کے ساتھ علمائے ملت اسلامیہ کے بیانات سماعت فرمارہے تھے۔ جو باتیں آپ کے سامنے پیش کرنے کے لائق تھیں وہ سب پیش کی جاچکی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اب اپنی کچھ سنانے کے بجائے آپ کی کچھ سنوں۔ ایک بہت چھوٹا سا سوال اور میں اس کا جواب آپ سے چاہتا ہوں۔ مگر اس سوال کو پیش کرنے سے پہلے تمہیدی طور پر یہ واضح کردوں۔

﴿ہر کام کا مقصد ہوتا ہے﴾

یہ بات ہر ایک پر ظاہر ہے کہ دنیا کا کوئی چھوٹا کام ہو یا بڑا اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ انتہا کی بات عرض کروں آپ پانی پیتے ہیں اس کا بھی کوئی مقصد ہے، آپ کھانا کھاتے ہیں اس کا بھی کوئی مقصد ہے، کم سے کم یہی کہ پیاس بجھ جائے، بھوک مٹ جائے اور جس مقصد سے آپ کام کرتے ہیں اگر وہ حاصل نہ ہو تو آپ کو وہ کام بیکار نظر آئے گا۔ پانی پینے سے آپ کی پیاس نہ بجھے تو آپ کبھی پانی پینے کو تیار نہیں، کھانا کھانے سے جب آپ کی بھوک نہ مٹے تو آپ اس کے لیے بھی اپنی طبیعت کو راغب نہ کرسکیں گے، مقصد پر نظر ہوگی۔ یہ بات صحیح ہے کہ مقصد کا وجود ذہن میں تو پہلے سے ہوتا ہے مگر خارج میں سب سے آخر میں آتا ہے۔ تصور پہلے اور وجود سب سے آخر میں۔ کسی چیز کا مقصد آپ بنالیں ایک چھوٹا سا بیج آپ نے زمین میں گاڑ دیا، ربوبیت کاملہ نے اس کی پرورش فرمائی اور ایک پودے کی شکل میں وہ نمودار ہوا، بڑھتا گیا۔۔۔ بڑھتا گیا، آپ خوش ہوئے۔ اس لیے خوش ہوئے کہ آپ کا مقصد مل گیا بلکہ آپ مقصد کے قریب ہوتے جارہے ہیں اور اس کے بعد پھر یہی پودا درخت ہوا۔ جب اس میں پھول لگے تو آپ اور بھی خوش ہوگئے کہ اب اس کے بعد وہ آنے والا ہے جس کے لیے یہ درخت لگایا گیا تھا۔ اور مقصد کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کے بعد کوئی نہیں آتا۔ اس کے بعد کوئی نئے آنے والے کا انتظار نہیں ہوتا۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوا ہے پورا درخت تیار ہوجائے اور پھل نہ لگے۔ تو یہ درخت کی ٹہنیاں آپ کو خوش نہ کرسکیں گی، آپ مایوس ہوجائیں گے۔ اس لیے کہ جس کام کے لیے آپ نے محنت کی تھی، رات ودن جد وجہد کی تھی وہ چیز آپ کو حاصل نہ ہوئی۔ مگر ہم یہ بھی مزاج دیکھتے ہیں، آپ سوچتے ہیں کہ یہی زمین تو سب کو پھل دیتی ہے، اسی زمین سے ہم غلے پیدا کرتے ہیں، اگر ہماری کھیتی میں خوشے نہیں لگے تو اس میں زمین کا قصور نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے ہماری طرف سے کوتاہی ہوگئی ہو۔ یہ ایک سوچنے کا انداز ہے۔ انتہا کی بات یہ ہے کہ چھوٹا کام کریں یا بڑا اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ بے مقصد کام صرف ایک دیوانا ہی کرسکتا ہے۔ اِدھر پتھر ماردیا، کسی کو دھکے دے دیا، کوئی مقصد ہی نہیں۔ مگر ہوش وحواس رکھتے ہوئے انسان جب کوئی کام کرے گا اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ اب میں اپنے سوال کی طرف آپ کے ذہن کو لے چلوں کہ آپ نے جس اسلام کو اپنا دین مان لیا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ آپ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں، اسلام کو اپنا دین بنالیا کوئی مقصد نہیں؟ بغیر مقصد کے؟ اور دوسرا سوال میرا یہ ہوگا کہ کیا آپ کو وہ مقصد مل گیا جس کے لیے آپ نے اسلام قبول کیا؟ کیا وہ مقصد آپ کو مل گیا؟ اور پھر تیسرا سوال میرا یہ ہوگا۔ اگر وہ مقصد آپ کو نہیں ملا تو یہ اسلام کا قصور ہے یا آپ کا؟ ظاہر ہے اس کا جواب آپ ہی دے سکیں گے۔ میں کیا بتاؤں آپ نے کس لیے اسلام کو قبول کیا؟ ہر شخص جیسا تصور رکھے گا اسی حساب سے وہ جواب دے گا۔ کیا آپ نے اسی لیے اسلام کو قبول کیا کہ آپ وقت کے رئیس اعظم ہوجائیں، کیا آپ نے اس لیے اسلام کو قبول کیا کہ آپ بہت بڑے تاجر ہوجائیں، کیا اس لیے آپ نے اسلام کو قبول کیا کہ آپ بے گھر ہیں گھر والے ہوجائیں، آپ بھوکے اور پیاسے ہیں کھانے اور پینے والے ہوجائیں، اگر دولت وحکومت کے لیے آپ نے اسلام قبول کیا تو اس کے لیے اسلام کو قبول کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ آپ کو تو فرعون بننا چاہیے تھا، نمرود وشداد بننا چاہیے تھا، آج کی دولت وسرمایہ غیر مسلمین کے پاس زیادہ ہے تو اس کے لیے مسلمان ہونے کی کیا

ضرورت؟ دوستو! آپ کس مقصد سے اسلام قبول کیے ہوئے ہیں یہ تو آپ جانیں۔

مگر کچھ ایسے بھی اسلام قبول کرنے والے تھے جنہوں نے حکومت کے لیے اسلام کو قبول نہیں کیا، اسلام کے لیے حکومت چھوڑ دی، قبیلے کے لیے اسلام کو قبول نہیں کیا، اسلام کے لیے قبیلے کو چھوڑ دیا، خاندان کے لیے اسلام کو قبول نہیں کیا، اسلام کے لیے خاندان چھوڑ دیا، اِمارت (حکومت، امیری، سرداری) کے لیے اسلام کو نہیں قبول کیا، اسلام کے لیے اِمارت پر ٹھوکر لگا دی۔ تو ان کا کوئی اور مقصد رہا ہوگا اور بہت ہی بڑا مقصد رہا ہوگا کہ دنیا کی کوئی دولت اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہرتی۔ یقیناً وہ بہت ہی عظیم مقصد رہا ہوگا، میں یہ نہیں جانتا کہ خود آپ کا مقصد کیا ہے؟ مجھے تو یہ سمجھنا ہے کہ آپ نے اسلام کو کیوں قبول کیا؟ اور اگر وہ چیز آپ کو حاصل ہوگئی تو بڑی خوبی کی بات ہے اور اگر نہیں حاصل ہوئی تو اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ سوال کا جواب آپ کو سوچنا ہے، خود ہی جواب دینا ہے، ایسا جواب دیجیے گا جس سے آپ کے ایمان کا ضمیر مطمئن ہو۔

جواب آپ سوچتے چلے جائیے کہ کس لیے آپ نے اسلام کو قبول کیا؟ ہوسکتا ہے یہ کہیں کہ ہم نے اسلام کو اس لیے قبول کیا ہے کہ ہمیں دین و دنیا کی فلاح وصلاح چاہیے، ہمیں آخرت کی نجات چاہیے، ہمیں مغفرت چاہیے، ہمیں دین ودنیا کی کامیابی چاہیے، ہمیں برتری چاہیے، ہمیں بہتری چاہیے، ہمیں شرافت چاہیے، ہمیں عظمت چاہیے۔ اور اسلام کا یہ دعویٰ ہے وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (سورۂ آل عمران آیت نمبر 139) بلندی تمہارے لیے ہے، سرفرازی تمہارے لیے ہے، فیروز مندی تمہارے لیے ہے، فیروز بختی تمہارے لیے ہے، شرافت تمہارے لیے ہے، کرامت تمہارے لیے ہے، عظمت تمہارے لیے ہے اگر تم مومن ہوجاؤ، اگر تم ایمان والے ہوجاؤ۔ جو ایمان والا ہوگا وہ کرامت والا، فضیلت والا، عظمت والا، شرافت والا، دین ودنیا کی کامیابی والا۔ تو کیا یہ ساری کامیابی تمہیں ملی؟ اسلام جو کچھ دینے کے لیے آیا تھا کیا وہ تمہیں ملا؟ اور

اگر نہیں ملا تو کیوں نہیں ملا؟

﴿عزت ملتی ہے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی سے﴾

اسلام تو سب کو کامیاب کیا تھا ناں، کیسے کیسوں کو عزت والا بنا دیا۔ واقعی دوستو! اسلام نے سب کو عزت والا بنا دیا۔ آج کا عجیب حال ہے! بڑی افسوسناک حقیقت ہے، اس وقت ساری دنیا میں کلمہ پڑھنے والوں کے جتنی تعداد ہے اتنی تعداد کبھی نہیں تھی، اس وقت ساری دنیا میں کلمہ پڑھنے والوں کے ہاتھوں میں جتنی حکومتیں ہیں اتنی حکومتیں کبھی نہیں تھی، اس وقت کلمہ پڑھنے والوں کے پاس جتنی دولت ہے اتنی دولت کبھی نہیں تھی اس کے باوجود کلمہ پڑھنے والے جتنا ذلیل ہیں اتنا ذلیل بھی کبھی نہیں تھے۔ تو اگر عزت ملتی دولت سے تو ہم عزت والے ہوتے، اگر عزت ملتی حکومت سے تو ہم عزت والے ہوتے، اگر عزت ملتی امارت سے تو ہم امارت والے ہوتے۔ عزت کسی اور بات سے ملتی ہے۔ ”عزت ملتی ہے محمد عربی کی غلامی سے“۔ اسی لیے جو غلام تھے وہ عزت والے تھے۔ ان غلاموں کو میں نہیں کہتا بڑے کھانے والے تھے، بڑے پینے والے تھے، بڑے گھر والے تھے، بڑی تجارت والے تھے، ہم تو یہ کہتے ہیں عزت والے تھے، بھوکے تھے مگر عزت والے تھے، پیاسے تھے مگر عزت والے تھے، بے گھر تھے مگر عزت والے تھے، وطن سے دور تھے مگر عزت والے تھے، رسول کے دامن سے وابستہ تھے۔ ”خدا جسے عزت دینا چاہتا ہے اپنے محبوب کے قریب کر دیتا ہے اور جسے ذلیل کر دینا چاہتا ہے اسے محبوب سے دور کر دیتا ہے“۔ کیا یہ بات سوچنے کی نہیں ہے کہ اونٹوں کی لگام پکڑ کر چلنے والے، کملی لپیٹ کے چلنے والے، مادی ساز وسامان سے دور رہ کر چلنے والے، چلے تو چلتے ہی چلے گئے، اونٹ کی لگام پکڑ کر ریگستان کے گرم گرم تھپیڑے کھانے والے، چلے تو چلتے چلے گئے، کسریٰ کے سر سے گذر گئے، قیصر کو روند ڈالا، قسطنطنیہ میں پرچم لہرا دیا، بیت المقدس میں علم گاڑ دیا۔

دی اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں　　کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے　　بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

تو اونٹوں کی لگام پکڑ کر چلنے والوں کا قدم کوئی روک نہ سکا۔۔۔وہ چلے تو چلتے ہی چلے گئے۔۔۔اور آج ہم ایرکنڈیشن (Air-Condition) کاروں میں چلتے ہیں، آج ہم ٹینک (Tank) اور میزائل (Missile) کی صفوں میں چلتے ہیں آج ہم بہترین امپورٹیڈ (Imported) کاروں میں چلتے ہیں۔ اپنی سرحد کراس نہیں ہو رہی ہے۔۔۔

﴿بے مثل و بے مثال نبی ﷺ﴾

ذرا سا غور کرو! کلمہ پڑھنے والے تم کروڑوں ہو۔ کروڑوں کی تعداد۔ تقریباً ہندوستان میں اٹھارہ کروڑ، اٹھارہ کروڑ تو ہندوستان ہی میں، بنگلہ دیش اور پاکستان وہ بھی اٹھارہ کروڑ، چھتیس کروڑ تو یہیں ہو گئے۔ کروڑوں کی بات۔ مگر اللہ کے رسول نے کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار مسلمان چھوڑا۔ صرف ایک لاکھ چوبیس ہزار۔ تو بتاؤ اسلام کے لیے بہتر وہ دور تھا یا اب کا؟ ارے! آج تو کروڑوں ہو۔ اُس دور میں صرف ایک لاکھ یا سوا لاکھ کی بات۔۔۔ تو بہتر یہ دور ہونا چاہیے۔ مگر ہم اس حقیقت کو کیسے فراموش کر دیں کے اِن کروڑوں مسلمانوں میں اگر کوئی صدیق اکبر ہو تو نکالو۔۔۔ ان کروڑوں مسلمانوں میں دولت مندوں کی کمی نہیں ہے مگر کوئی عثمان غنی ہو تو بتاؤ۔۔۔ ان کروڑوں مسلمانوں میں تلوار چلانے والوں کی کمی نہیں ہے مگر کوئی علی مرتضی ہو تو بتاؤ۔۔۔ کوئی حیدر کرار ہو تو بتاؤ۔۔۔ ان کروڑوں مسلمانوں میں اذان دینے والوں کی کمی نہیں ہے مگر کوئی بلال حبشی ہو تو بتاؤ۔۔۔

ارے تم کروڑوں مل کر کے رسول کے بلال نہ ہو سکے۔۔۔ تم کروڑوں مل کر کے صہیب رومی نہ بن سکے۔۔۔ تم کروڑوں مل کر کے سلمان فارسی نہ بن سکے۔۔۔ تم کروڑوں مل کر رسول نے جو بنا کے پیش کیا تھا تم ان میں ایک کی بھی مثال نہ بن سکے تو اس

کے آقا کی مثال کیسے بن گئے!

اللّٰھم صل علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیہ۔

صلوۃ و سلاما علیک یا رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ و سلم

ہمیں سوچنا ہے، سمجھنا ہے، یہ کیا بات تھی؟ دیکھو! عزت کا معاملہ دیکھو۔ حضرت بلال کو جب عزت دی تو یہ نہیں کہ دو چار بلڈنگ والا بنایا، حضرت بلال کو جب عزت دی تو کہیں کا سلطان و امیر نہیں بنایا، حضرت بلال کو جب عزت دی تو بڑا تاجر نہیں بنایا، ''حضرت بلال کو جب عزت دی تو رسول کے قدموں تک پہنچا دیا''۔ اور ایسی عزت دی، ایسی عزت دی کہ حبشہ کے غلام کو قریش کا فاروق اپنا سردار کہہ رہا ہے۔ عزت ملتی ہے تو ان کے قدموں سے ملتی ہے۔۔۔

﴿صرف اسلام کی تعریف نہیں عمل بھی ضروری﴾

ذرا سا دیکھو۔۔۔ دوستو! سیدھی سی بات ہے۔ اسلام کی تعریف تو تم خوب کرتے ہو اور کرتے کرتے تمہاری زبان بھی خشک ہو جاتی ہے مگر ایک بات بتاؤ کیا تعریف کرنے سے ہی کام پورا ہو جائے گا؟ ہمارے پاس اگر تمام دواؤں کا پورا ڈبہ ساتھ ہو اور میں ایک سیرپ (syrup) آپ کو دکھاؤں اور کہوں یہ سیرپ ہے اس کو پینے سے آنکھ کی روشنی بڑھتی ہے، اس سیرپ کا کام کیا ہے؟ روشنی بڑھانا۔ کان کی سماعت بڑھتی ہے، قوت گویائی بڑھتی ہے، قوتِ فراست بڑھتی ہے، پیروں میں بھی طاقت آتی ہے، ہاتھوں کا زور بڑھتا ہے، معدہ بھی صحیح ہوتا ہے۔۔۔ دن بھر میں اس کی تعریف کرتا رہوں اور پیوں نہ تو!!! دوا کی منقبت لکھتا رہوں اور اس کے فضائل و مناقب بیان کرتا رہوں اور استعمال نہ کروں تو!!! زندگی بھر تم اسلام کی تعریف کرو اور عمل نہ کرو تو!!! اسلام کی تعریف کرنے سے تم معیاری مسلمان نہیں بن سکتے۔ اسلام میں کچھ چیزیں ہیں جسے ماننا ضروری اور کچھ چیزیں ہیں جسے

کرنا ضروری۔ تو ماننے والی چیزوں کو مانو اور جو کرنے کے لائق ہیں کرو۔ ابھی ایک عظیم خطیب آپ سے خطاب کر رہے تھے اور اس میں یہ کہا تھا تم غوث وخواجہ کی یادگار رہو۔۔۔ جانتے ہو یادگار کسے کہتے ہیں؟ جسے دیکھو تو غوث وخواجہ یاد آئیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا تو کیسی یادگار ہے!!! یادگار تو نہیں ہے۔۔ یادگار تجھے بننا ہے۔۔۔ ایسا بنو۔

غوث وخواجہ کا کردار نہیں اپناؤ گے تو یادگار کیا بنو گے! غوث وخواجہ کا انداز اختیار نہیں کرو گے، ان کی پیروی نہیں کرو گے تو تمہیں دیکھ کر کے غوث وخواجہ کیسے یاد آئیں گے!

دل ونظر کو مسلمان بناؤ

اور اگر آج کل کے لوگوں کو دیکھ کر کے اگر کوئی اسلام سمجھنا چاہے، دیکھو پہلے اسلام پھیلتا تھا بہت تیزی کے ساتھ۔۔ بہت۔۔ فوج در فوج، قریہ کا قریہ، شہر کا شہر مسلمان ہوتا تھا۔۔۔ اور آج رکاوٹ ہوگئی۔۔ اب وہ تیزی نہیں۔۔۔ بات کیا ہے؟ بات یہ ہے کہ آج اسلام کو سمجھا رہے ہیں اور پہلے کے لوگ اسلام کو دکھا رہے تھے۔ دیکھیے ہم سمجھا رہے ہیں تو سمجھ والے کم ہوتے ہیں۔ جتنا سمجھیں گے وہی تو مانیں گے۔۔ اور وہ دکھا رہے تھے آنکھ والے تو سبھی ہوتے ہیں وہ چلتے تھے تو اسلام چلتا تھا۔۔ وہ بولتے تھے تو اسلام بولتا تھا۔۔ وہ اُٹھتے تھے تو اسلام اٹھتا تھا۔۔ ان کے کردار میں اسلام تھا۔۔ ان کی زندگی میں اسلام تھا۔۔ ان کی خلوت میں اسلام تھا۔۔ ان کی جلوت میں اسلام تھا۔۔ جب وہ چلتے تھے تو اسلام کی تفسیر بن کر کے چلتے تھے۔۔ اسی لیے جو دیکھتا تھا وہ اسلام کو قبول کرتا تھا۔۔ ان کی نظر بھی مسلمان۔۔ ان کے کان بھی مسلمان۔۔ ان کی زبان بھی مسلمان۔۔ ان کا دماغ بھی مسلمان۔۔ ان کا ہاتھ بھی مسلمان۔۔۔ ان کا پیر بھی مسلمان۔ سر سے پیر تک وہ مسلمان تھے۔ تو نے کلمے کی تصدیق کر کے اپنے دل کو تو مسلمان بنالیا ہے اب اپنی نظر کو بھی مسلمان بنالے۔۔ اپنی زبان کو بھی مسلمان بنالے۔۔ اپنے کان کو بھی مسلمان بنالے۔۔

اور ایک مثال بتاؤں جو نظر مسلمان ہوگی کیا حرام چیزوں کو دیکھنا پسند کرے گی؟ جو کان مسلمان ہوں گے کیا حرام نغمات سننا پسند کریں گے؟ جو زبان مسلمان ہوگی کیا وہ حرام لقمہ قبول کرے گی؟ جو ہاتھ مسلمان ہوگا کیا وہ سود ورشوت اور ظلم کے انداز اختیار کر سکے گا؟ جو پیر مسلمان ہوگا کیا وہ بری جگہوں میں جانا پسند کرے گا؟ اور جو عقل مسلمان ہوگی، جو دماغ مسلمان ہوگا کیا وہ اپنے رسول کو اپنے جیسا سمجھ سکے گا۔۔ اپنے دماغ کو بھی مسلمان کرلو۔۔ اپنے دل کو بھی مسلمان کرلو۔۔ سر سے پیر تک مسلمان کرو۔ پھر تم دیکھو گے اسلام لانے کا مقصد کیا ہوتا ہے۔ اچھی طرح سے سمجھ لو۔۔ جو مسلمان ہوتا ہے۔۔ جو واقعی سر سے پیر تک مسلمان ہوتا ہے وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس کی وابستگی ہو تو تمہیں اسلام کے جوہر ملتے ہیں۔

پیر ومُرشِد کی ضرورت

ایک بات میں پوچھتا ہوں۔ کوئی ایسی لڑائی آپ نے سنی ہے تاریخ میں جس میں جنگ ہو اور اس کا سپہ سالار نہ ہو؟ کمانڈر ان چیف (Commander-In-Chief) نہ ہو۔۔ ایسی کوئی لڑائی دنیا کی تاریخ میں کبھی آپ نے سنی؟ اور اسلامی جنگیں بتاؤ کبھی کوئی ایسی جنگ جہاں کوئی سپہ سالار نہ ہو؟ تو کیا سمجھے؟ کہ جہاد کے لیے امیر کا ہونا ضروری، سپہ سالار (Commander-In-Chief) کا ہونا ضروری۔ میں جس جہاد کی بات کر رہا ہوں اس کو زبانِ رسالت مآب نے جہاد اصغر کہا۔ جس جہاد کی بات کر رہا ہوں وہ جہاد اصغر ہے۔ یہ تلواروں سے لڑی جاتی ہے، شمشیر والی جہاد۔ یہ کیا ہے؟ جہاد اصغر ہے۔ نبی نے جب ایک غزوہ سے واپسی فرمائی تو فرمایا تھا: **رجعنا من ا لجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر** (بیہقی۔ کتاب الزہد) چھوٹے جہاد سے ہم پلٹ رہے ہیں بڑے جہاد کی طرف۔ چھوٹا جہاد۔ ”دشمنوں سے لڑنا یہ چھوٹا جہاد ہے اور نفس سے لڑنا یہ بڑا جہاد ہے“۔۔ تو چھوٹے جہاد کے لیے سپہ سالار اور امیر کی ضرورت۔ اور بڑے جہاد کے لیے؟“ جب چھوٹا جہاد

بغیر امیر کے نہیں ہوسکتا تو بڑا جہاد بھی بغیر امیر کے نہیں ہوسکتا اور اسی بڑے جہاد کے امیر کا نام مرشد ہے"۔

مومن کی کامیابی کا راستہ

ولی بتاتا ہے۔ ولی رضائے مصطفےٰ کے راستے پہ لگاتا ہے ولی وہاں پہنچاتا ہے، کامیابی دلانے والا ہے۔ اور واقعی نفس سے جنگ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔۔ نفس سے لڑنا یہ کچھ آسان کام نہیں۔۔ اچھی طرح سے سمجھو۔۔ اب آپ پھر آیئے۔ غور کیجیے۔۔ اور سوچیے کہ اگر ہم کو وہ کامیابی جو اسلام دیتا ہے وہ نہیں ملی تو اس کا اصل سبب کیا؟ میں تو ایک بہت معمولی سوال کر رہا ہوں۔۔ بہت معمولی اور بہت سامنے کا سوال۔ آپ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہیں کیا کسی نے زبردستی کہلوایا ہے؟ آپ تو اسلام سے راضی ہیں نا۔ الحمد للہ۔ سب راضی ہیں۔ خوشی سے اپنے کو مسلمان کہتے ہیں نا۔ تو میں اسی کو بولتا ہوں: آپ جو کہتے ہو اپنے کو وہ نظر آؤ۔ جو آپ خود اپنے کو کہتے ہو وہ نظر آؤ۔ ورنہ تو منافقت کی تصویر نظر آؤ گے۔ دوستو! اگر تم سرفرازی چاہتے ہو تو ساری دنیا کو راضی کرنے سے فائدہ کیا! اور دوسروں کی رضا کے پیچھے چلنے سے فائدہ کیا!" ایک مومن اگر کامیابی چاہتا ہے تو اس کے لیے ایک ہی راستہ ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُولُه، اَحَقُّ اَن يُّرضُوهُ اِن كَانُوا مُؤْمِنِين۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرلو"۔

نبی کی رضا رب کی رضا ہے

یہاں پر ایک باریک مسئلہ بتادوں۔ وقت تو بہت ہی سخت ہے۔ باریک مسائل کو سمجھانا ذرا مشکل ہے۔ مگر میں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ کچھ الفاظ ہوتے ہیں اس کو "ضمیر" بولتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ گرامر (Grammar) کا لفظ کم سے کم زبان پہ آئے۔ "هُوَ" وہ ایک۔ "هُمَا" وہ دو۔ "هُم" وہ سب۔ جب کسی ایک کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو "هُوَ" یا هُو۔ اور جب دو کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو "هُمَا" وہ دو۔۔ اور جب دو سے زیادہ کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو "هُم"۔ جب دو کا ذکر ہو پھر اس طرح کی ضمیر لاتے ہیں تو "هُمَا"۔ ایک کا ذکر ہو تو هُوَ۔ اور بہتوں کا ذکر ہو تو هُم۔ یہاں وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ۔ اللہ اور اس کا رسول۔ دو کا ذکر ہوا کہ نہیں؟ اور ضمیر ہے اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوه۔ زیادہ مستحق یہ ہے کہ ایک کو راضی کیا جائے۔ ذات دو اور ضمیر ایک! ویسے جب خدا اور رسول دونوں کو راضی کرنا تھا۔۔۔ ضمیر سے یہ پتہ چلتا ہے کسی ایک کو راضی کرو۔ ضمیر سے یہ پتہ چلتا ہے ایک کو راضی کرنا۔ اور کلام کا منشا ہے دونوں کو راضی کرنا۔ اگر یوں ہوتا وَاللّٰهُ وَرَسُولُه، اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوهُمَا، اللہ اور رسول مستحق ہیں کہ دونوں کو راضی کیا جائے۔ مگر ضمیر ایک۔ اشارہ ایک۔ ایسا لگتا ہے کہ کسی ایک کو راضی کرنا ہے۔ تو جب ایک کو راضی کرنا تھا تو دو کا ذکر کیوں؟ اور قانون یہ بتاتا ہے کہ ضمیر جب لوٹتی ہے تو اپنے قریب کی طرف لوٹتی ہے۔ اپنے قریب کی طرف۔ ضمیر کے قریب رسوله ہے۔ تو اللہ کا ذکر ہے اور رسول کی رضا کی بات ہے۔ اللہ کا ذکر ہے رسول کی رضا کی بات ہے۔ یہ کلام بھی اس لیے اختیار کیا گیا ہے کہ ذات دو ہیں مگر دونوں کی رضا ایک ہے۔ ذات دو ہیں مگر دونوں کی اطاعت ایک ہے۔۔ ذات دو ہیں مگر دونوں کی نافرمانی ایک ہے۔ ذات دو ہیں مگر دونوں کا ذکر ایک ہے۔ ذات دو ہیں مگر دونوں کی ہدایت ایک ہے۔ ذات دو ہیں مگر دونوں کی نافرمانی ایک ہے۔ ذات دو ہیں مگر دونوں کی دعوت ایک ہے۔ ذات دو ہیں مگر دونوں کی محبت ایک ہے۔

رضائے خدا کا ذریعہ رسول ہیں

اور کچھ ہمارے لیے بھی ایک بات ہے۔ یہی انداز وہاں بھی اختیار کیا گیا ہے يَآاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُولِ اِذَا دَعَاكُمْ (سورۂ انفال آیت نمبر 24) وہاں بھی ایک (ضمیر)۔ اللہ اور رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ جب بلائیں۔ تو پتہ یہ چلا کہ دونوں کی دعوت پر۔ خدا کی دعوت پر حاضر ہو جاؤ اور رسول کی بھی دعوت پر حاضر

ہو جاؤ۔ مگر ضمیر یہاں بھی واحد۔ یہاں بھی بتانا یہ مقصود ہے کہ دونوں کی دعوت ایک۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ خدا جب بلائے تو حاضر ہو جاؤ۔ تو تم خدا کی بولی سنو گے کیسے؟ اور خدا کو راضی کرنے کے لیے، تمہیں کیسے پتہ چلے گا کہ خدا راضی ہے؟ اس لیے کہ راضی ہم اسی کو سمجھیں گے جس کو ہم دیکھیں گے اور سمجھیں گے تبھی تو پتہ چلے گا راضی ہے کہ ناراض۔ تو راضی کرنے چلو گے خدا کی تلاش میں تو کدھر جاؤ گے؟ اسی لیے جنہوں نے رسول کو چھوڑ کر خدا کو راضی کرنا چاہا وہ راضی نہیں کر سکے۔ خدا کی رضا سمجھنے کا ذریعہ بھی رسول ہی ہیں۔ آپ بتا سکتے ہیں میں کس بات سے راضی ہوں؟ نہیں بتا سکتے مجھے۔ تو خدا کس بات سے راضی یہ کون بتا سکے گا؟ خدا کی پسند اور ناپسند کا سمجھنا کچھ آسان کام ہے؟ یہی غلطی ہو گئی دوسرے دین والوں کی۔ ہر دین والا خدا کو راضی کرنا چاہتا ہے مگر اپنے بنائے ہوئے اصولوں سے۔۔ اور اسلام راضی کرنا چاہتا ہے خود خدا ہی سے پوچھ کے کہ تو کس سے راضی ہے؟ تو یہ سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ اسی لیے میں اکثر کہہ دیتا ہوں کہ نبی تمہیں کھانے پینے سکھانے نہیں آئے۔۔ نبی تمہیں تجارت وزراعت کا طریقہ بتانے نہیں آئے۔۔ نبی تمہیں سونے جاگنے کا ڈھنگ بتانے نہیں آئے۔۔ نبی تمہیں زندگی گذارنے کا انداز سکھانے نہیں آئے۔۔ اور ان سب کاموں کے لیے ہمیں نبی کی ضرورت بھی نہیں۔ اس لیے کہ آسائشِ حیات کی جتنی شاہ راہیں ہیں وہ ہمارے سامنے کھلی ہوئی ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کھایا کیسے جائے گا، پیا کیسے جائے گا، سونا جاگنا، کھانا پینا، تجارت وزراعت سکھانے کے لیے ہمیں کسی کی ضرورت بھی نہیں۔۔ اور نبی اس لیے آیا بھی نہیں کہ تمہیں کھانا سکھائے، تمہیں پینا سکھائے، تمہیں اٹھنا بیٹھنا سکھائے، تمہیں سونا جاگنا سکھائے۔۔ زراعت و تجارت کے اطوار سکھائے۔ نبی اس لیے نہیں آیا۔۔ نبی تو صرف یہ بتانے آیا ہے کہ کونسا کھانا خدا کو پسند ہے کونسا کھانا ناپسند ہے۔ کونسی تجارت پسند ہے کونسی تجارت ناپسند ہے۔ کونسی زراعت پسند ہے کونسی زراعت ناپسند ہے۔ کونسی طرزِ زندگی پسند ہے کونسی طرزِ زندگی ناپسند ہے۔۔ تو نبی تو خدا کی پسند و ناپسند بتانے آیا ہے۔

﴿نبی کا کام غیب بتانا﴾

یہ بات آپ پر واضح ہو چکی ہے کہ کسی کی پسند و ناپسند یہ خود ایک غیب ہے اور یہ ایسا غیب ہے جس کو نہ تمہاری نظر بتا سکتی ہے، نہ کان نہ زبان، نہ قوت ذائقہ۔۔ کچھ بھی نہیں۔ آپ میری پسند کو سمجھ لیں یا میری ناپسند کو سمجھ لیں، ہے کوئی ذریعہ؟ تو غیب اسی کو کہتے ہیں جو آنکھوں سے بھی غائب ہو آواز سے بھی غائب۔ تو جب آپ بندے کی پسند سمجھ نہیں پا رہے ہیں تو خدا کی پسند کیا سمجھ پائیں گے؟ یا اس کی ناپسند کیا سمجھ پائیں گے؟ یہ غیب ہے۔۔ اور نبی اسی غیب کو بتانے آیا ہے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں: اگر نبی کا کام غیب بتانا نہ ہو تو نبی کے آنے کی ضرورت بھی نہیں۔ اسی غیب کو ظاہر کرنے کے لیے وہ آیا۔ اگر تم خدا کو راضی کرنا چاہتے ہو تو دیکھو مصطفٰی تم سے راضی ہیں کہ نہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَقُّ اَن یُّرضُوہُ اِنْ کَانُوا مُؤْمِنِیْنَ۔۔۔

﴿محبت آزمائی جاتی ہے﴾

دوستو! بہت مشکل مسئلہ ہو جاتا ہے جب محبتیں آپس میں ٹکراتی ہیں۔ جب محبتیں آپس میں ٹکراتی ہیں تب دیکھا جاتا ہے آپ ترجیح کس کو دیتے ہیں اور جس کو آپ ترجیح دے دیں گے سمجھ میں آجائے گا، آپ کس کو زیادہ چاہتے ہیں۔

گھر میں آگ لگی۔۔ روپیہ پیسہ ایک طرف رکھا ہوا ہے اور ایک طرف بیٹا سو رہا ہے۔ وقت اتنا ہے کہ کسی ایک کو بچائیں۔ تو اب ہم یہ دیکھیں گے کہ آپ کدھر جا رہے ہیں؟ تو بچے کی طرف آپ جائیں گے، بچّے کو بچا کے نکالیں گے۔ روپیہ کے لیے چلّائیں گے ضرور مگر جائیں گے نہیں۔ تو اس سے پتہ چل گیا کہ روپیے سے زیادہ بچے سے محبت ہے۔ مگر کبھی ایسا وقت ہو کہ خود آپ اور بچہ پھنس جائے کہ اس کے بچانے میں ہم ہی نہ جل جائیں۔ آپ سوچیں گے اپنے کو بچا لو۔ تو آپ اپنی بدحواسی میں چلّائیں گے۔۔ چیخیں

گے۔۔ اندر نہیں جائیں گے۔۔ اس سے اندازہ ہوگیا کے آپ کو اپنے سے زیادہ محبت ہے۔ یہاں کی محبتیں یہیں پر رسوا ہوجاتی ہیں۔۔ یہاں پر آپ کو اپنے سے محبت۔ اب ایسے موقع پر اگر اللہ کا رسول تمہیں دعوت دے دے۔۔ کوئی کلام دے دے اب اس کلام کے نتیجے میں تمہاری جان بھی چلی جائے اور تم اسے قبول کرلو تو ہم سمجھیں گے کہ تمہیں رسول سے زیادہ محبت ہے۔ جب کبھی تقابل ہوتا ہے۔ مقابلہ ہوتا ہے۔ تب اندازہ لگتا ہے کے کس کو کس سے کتنی محبت ہے۔ تو محبت کرنے والوں کو سامنے رکھ کے قرآن صاف لفظوں میں کہتا ہے: قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (سورہ توبہ۔ آیت نمبر 24) اے محبوب فرمادو کہ یہ تمہارے باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہارا خاندان، تمہارے جمع کیے ہوئے مال، تمہاری وہ تجارتیں جس کے خسارے کا تمہیں ڈر لگا رہتا ہے، تمہارے پسندیدہ مکانات اگر اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جان دینے سے زیادہ محبوب ہیں۔ فَتَرَبَّصُوْآ۔ انتظار کرو۔ یہاں تک کہ اللہ اپنا امر نازل فرمائے۔ فَتَرَبَّصُوْا۔۔ شیش محل میں ہو تو وہیں انتظار کرو، لال قلعہ میں ہو تو وہیں انتظار کرو، اونچی اونچی بلڈنگوں میں ہو تو وہیں انتظار کرو۔ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَأْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔ خدا اور رسول کی محبت پر کسی کی محبت کا غلبہ نہیں ہونا چاہیے۔۔

﴿اعضائے جسم خدائی جاسوس ہیں﴾

اور تم کیا جانتے ہو؟ جن کو تم اپنا سمجھتے ہو تمہارے ہیں بھی نہیں۔ ارے آپ نے نہیں دیکھا! ہم اپنے ہاتھ کو اپنا سمجھا۔۔ پیروں کو اپنا سمجھا۔۔ آنکھوں کو اپنا سمجھا۔۔ کیسے کیسے کام کرا لیے۔۔ ہم اپنے ہاتھوں کو کہاں کہاں لے گئے۔۔ اپنے پیروں کو اپنا سمجھا۔۔ یہ میرا پیر۔۔ یہ میرا ہاتھ۔۔ یہ میری آنکھ۔۔ یہ میرے کان۔۔ یہ میرا دماغ۔۔ ایسا اپنایا اور ایسا اپنایا کہ گناہوں میں شریک کرلیا۔ یہی ہاتھ پیر جب قیامت کے میدان میں پہنچے تو زبان تو ہماری بند ہوگی اور یہ پیر ہمارے خلاف گواہی دے رہا ہے۔۔ یہ ہاتھ ہمارے خلاف گواہی دے رہا ہے۔۔ یہ ہمارے چھپے ہوئے عیبوں کو نکال رہے ہیں۔ جن کو ہم نے دوست سمجھا تھا دشمن نکلے۔ ارے ہم سمجھ ہی نہیں سکے تھے یہ تو خدائی جاسوس ہیں جو ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ ارے دوستو! جس وقت یہ ہمارے ہاتھ، ہمارے پیر، ہمارے عیبوں کو کھول رہے ہوں گے، کالی کملی والا ہمارے عیبوں کو چھپا رہا ہوگا۔۔۔

﴿اس محبت کو اپنائو جو ہر منزل پر تمہارا ساتھ دے﴾

بتاؤ! یہ ہمارے ہیں یا مدینے والا ہمارا ہے؟ تو محبت اس سے کرو جس کی محبت کام آئے۔۔۔ اس سے بڑھ کر تمہارا کوئی چاہنے والا نہ ہو۔ اس چاہنے والے سے بڑھ کر کوئی چاہنے والا نہ ہو۔ اسی لیے میں بتاؤں؟ تم رسول عربی سے محبت کر کے دیکھو۔۔ ان کو اپنا کے دیکھو۔۔ یہ جب تمہیں مل گئے تو ہر منزل میں ملیں گے۔ کوئی ہے محبت والا جو ہر منزل میں تمہارا ساتھ دے؟ باپ مرتا ہے، بیٹا خوب روتا ہے۔۔ چلا چلا کے روتا ہے۔۔ لوگ سمجھاتے ہیں جب بھی سمجھ نہیں پاتا۔۔ خوب چلاتا ہے۔ مگر چلا بھی رہا ہے اور نہلانے والوں کو بلا بھی رہا ہے۔۔ کفن بھی تیار کررہا ہے۔ رو بھی رہا ہے اور جلدی سے نکالنے کا انتظام بھی کررہا ہے۔۔ اور قبر میں جب اتارا۔ پوچھا چلاتا کیوں ہے؟ تیرا باپ چلا گیا؟ کہا اب تو بھی چلا جا۔ کہا نہیں۔ وہاں نہیں جانا۔ بڈھے نے جو کما کے رکھا ہے کھائے گا کون! کیا سمجھے آپ کا وہی ہے جو آپ استعمال کرسکیں۔ جو چھوڑ کے جائیں گے وہ آپ کا نہیں یہ آپ کی حماقت ہے محنت آپ نے کی فائدہ دوسرا اٹھا رہا ہے۔

آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ بیٹا گیا تھا تب کیا باپ جائے گا اترنے کے لیے؟ وہاں تو تنہا چھوڑ کے چلے آئیں گے نا۔ مگر یقین جانو گنبد خضریٰ والے کو اپنا بنالو۔ وہ مل گئے

تو ہر کٹھن گھڑی میں ملیں گے۔ مرتے وقت سامنے ہوں گے۔۔ قبر کے اندر بھی ملیں گے۔۔ پل صراط پر بھی ملیں گے۔۔ میزان کے پاس بھی ملیں گے۔۔ حوض کوثر پر بھی ملیں گے۔۔ جہنم کے دروازے پر بھی ملیں گے۔۔ جنت کے باہر ملیں گے۔۔ جنت کے اندر بھی ملیں گے۔ تو ملنا ہے تو ایسے سے ملو جو مل جائے تو ملتا ہی چلا جائے۔ ایسے سے مل کے کیا فائدہ جو یہیں چھوڑ دے تو مڑ کے نہ دیکھے۔ اب تو زمانہ خراب ہو گیا ہے کہ باپ کو دفن کر کے آئے پھر سوچیں گے قیامت ہی میں ملاقات ہو گی۔ اسی لیے جو کچھ اپنے لیے کرنا ہے یہیں کر لو۔ بھروسے پہ نہ کرنا، بیٹا کرے گا۔ جو کچھ اپنے لیے کرنا ہے کر لو۔۔۔

﴿آخرت کا سکہ اور بینک﴾

میں پوچھا کرتا ہوں آپ یہاں آئے تو کیا آپ ہمیشہ یہیں رہیں گے؟ جائیں گے نا۔۔ اور کتنے دن کے لیے جائیں گے؟ پھر پلٹنے کا ارادہ تو نہیں ہے! یہاں اگر آپ سو سال رہیں تو وہاں کیے سال رہیں گے؟ کہا کوئی انتہا نہیں۔ تو جہاں کے رہنے کی انتہا ہے وہاں رہنے کا انتظام اور جہاں کے رہنے کی کوئی انتہا نہیں وہاں کے لیے انتظام کیا! ارے دنیا کا طریقہ ہم نے دیکھا ہے جب ایک ملک چھوڑ کر دوسرے ملک میں جانا ہے تو وہاں کا انتظام کر لیتا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے کہ اپنا ملک چھوڑ کے تم دوسرے ملک میں جاؤ کوئی انتظام نہ ہو۔ امریکہ جاؤ۔ جانا چاہتے ہونا۔ تو یہاں کے نوٹ لے کے مت جانا۔ ارے وہ روپیوں کو تم ڈالرس میں بدلوا لو۔ کیوں؟ وہاں ڈالر چلتا ہے یہ نوٹ نہیں چلتی۔ وہاں کے بازار میں جو چیز چلے وہ بدلواؤ۔ نہیں تو تم یہاں کے رئیس رہو گے اور وہاں کے فقیر رہو گے۔ اب آپ کہیں گے کہ کتنے ڈالر بدلوا لیں؟ تو تم کو وہاں کتنے دن رہنا ہے؟ ایک ہفتہ رہنا ہے تو اس حساب سے، ایک مہینہ رہنا ہو تو اس حساب سے، سال دو سال رہنا ہے تو اس حساب سے اور ہمیشہ رہنا ہے تو اس حساب سے۔۔ ہمیشہ رہنا ہے تو کُل بدلوا لو۔

یہ بات صحیح ہے۔ تو جس وقت آپ کہیں جانا چاہتے ہیں۔۔ حاجیوں سے پوچھو تم حج کرنے جاتے ہیں تو ریال میں بدلوا لیتے ہیں کہ نہیں؟ تو جس ملک میں جاؤ وہاں کا جو سکہ چلتا ہے اس میں بدلوا لو۔ تو جب تمہیں آخرت میں جانا ہے تو وہاں یہ سکہ نہیں چلتا۔ تو اس سکہ کو وہاں کے سکہ میں بدلوا لو۔۔ اور تم خود ہی بدلوا لو یہ نہ سمجھنا بیٹا بدلوا کے بھیجے گا۔ منی آرڈر نہیں چلے گا۔۔ خود بدلوا لو۔ تو آخرت کے سکہ کا نام نیکی ہے۔ آپ کہتے ہیں ہم بینکوں میں بدلواتے ہیں۔ بینک میں پیسہ دیتے ہیں اور پھر لیتے ہیں۔ اچھا کچھ بینک والے کبھی زیادہ بھی دیتے ہیں۔ بینک میں آپ جمع کر لیں تو زیادہ دیتے ہیں۔ مگر اتنا زیادہ تو کوئی بینک دے ہی نہیں سکتا جتنا زیادہ آخرت کا بینک دیتا ہے۔ اتنا زیادہ کوئی نہیں دیتا۔ آخرت کے بینک کا آغاز یہ ہے کہ ایک دو گے تو دس دے گا۔ اتنا تو ضروری ہے۔۔ اور فضل کی کوئی انتہا نہیں۔ اتنا تو اپنے ذمہ کرم میں رکھ لیا اور فضل کی کوئی انتہا نہیں۔ تو آخرت کا بینک تو اتنا دیتا ہے۔۔ تو آپ کہیں گے کہ آخرت کے بینک میں جمع کرو۔ یہ جمع کرنا نقصان میں نہیں بدلوا رہے ہیں، نیکیوں میں بدلوا رہے ہیں۔ آپ سوچیں گے کہ آخرت کی بینک کا پتہ ملے تو اچھا ہے نا۔ تا کہ ہم یہیں سے بدلوانا شروع کر دیں۔ تو آخرت کے جتنے بینک ہیں اسی ایک بینک کا نام **"مدنی میاں عربک کالج"** بھی ہے۔

وَاللهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ۔ نیت میں اخلاص ہونا چاہیے۔ اللہ اور رسول کی رضا مقصود ہونا چاہیے۔ اسی لیے ارشاد ربانی ہے محبت کا دعویٰ کرنے سے فرصت نہیں۔ محبت آزمائی جاتی ہے۔ محبت کو آزمایا جائے گا۔ دعویٰ تو سبھی کرتے ہیں۔ دعویٰ کرنا بہت آسان ہے۔۔ اور میں تو سمجھتا ہوں سچّے لوگ سنبھل سنبھل کے دعویٰ کرتے ہیں جھوٹے زیادہ کرتے ہیں۔

مگر یہاں پر یہ ہے۔ **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ** (سورۂ آل عمران۔ آیت نمبر 31) اگر خدا سے محبت کا دعویٰ ہے تو میرے محبوب کی غلامی اختیار کرو۔ تم ان کے امتی و فرمانبردار بن جاؤ۔۔ ان کی پیروی کرو۔۔ اللہ تمہیں محبوب بنائے گا۔

بہت اچھی پیاری بات کہی کہ ایسی پیروی کرنا جس کا نتیجہ خدا کی محبت ہو۔۔ کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔۔ رسول کی اطاعت کا کوئی اور مقصد نہیں ہونا چاہیے۔ ایسا مقصد ہو جس کے نتیجے میں خدا کی محبت ملے۔ لالچ میں رسول کی پیروی مت کرنا، کسی خوف کی وجہ سے رسول کی پیروی نہ کرنا بلکہ پیروی بھی محبت کی وجہ سے کرنا۔ جو محبت والی پیروی ہوتی ہے وہ تمہیں خدا کا محبوب بنا لے گی۔ محبت والی پیروی۔ ارے! لالچ والی پیروی کی عمر ہی کیا ہے؟ لالچ ختم پیروی بھی ختم، خوف والی پیروی؟ کب تک چلے گی؟ خوف ختم پیروی ختم، مگر محبت ختم نہیں ہوتی اسی لیے اطاعت بھی ختم نہیں ہوگی۔۔ اور کہیں آپ سوچنے لگیں گے محبت بھی ختم ہوتی ہے۔ مگر جو میں کہوں محبت کب ختم ہوتی ہے؟ محبت جس کمال سے متعلق ہو جب اس کمال میں زوال ہوتا ہے تب محبت ختم ہوتی ہے۔ آپ کو کسی کی خطابت سے محبت ہے اس میں زوال آیا محبت کم ہوگئی۔۔ حسن و جمال سے محبت ہے حسن ڈھل گیا محبت کم ہوگئی۔۔ علم سے محبت ہے علم میں کمی آگئی محبت ختم ہوگئی۔ جب کمال کے اندر زوال آتا ہے تب جا کے محبت ختم ہوتی ہے یا محبت کم ہوتی ہے۔ مگر میں جس محبوب کی بات کرتا ہوں وہی تو ایسا کمال والا ہے جس کے کمال کو زوال نہیں۔ ؎

خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ كُلِّ عَيبٍ
كَاَنَّكَ قَدْ خُلِقتَ كَما تَشَاءُ

(شاعر دربار رسول، حسّان بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ)

”زوال بھی ایک عیب ہے اور رسول اس عیب سے پاک ہے“۔

ذرا سا آپ خیال کریں۔ رسول ایسے کمال والے ہیں کہ جن کے کمال کے ختم ہونے کا سوال ہی نہیں۔ وہ بڑھے تو بڑھتے ہی چلے گئے۔۔ وہ اٹھے تو اٹھتے ہی چلے گئے۔۔ وہ چمکے تو چمکتے ہی چلے گئے۔۔ وہ ابھرے تو ابھرتے ہی چلے گئے۔ یہاں تک کہ دَنَا فَتَدَلّٰی۔ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ أَدْنٰى۔ (سورۂ نجم۔ آیت نمبر 8،9) اور وہاں کے بعد میں یہ کہا نہیں جا سکتا کہ سفر ختم ہوگیا۔ اس لیے کہ قرآن میں موجود ہے، وَلَلْاٰخِرَ ةُخَيرٌ لَّكَ مِنَ الاُ ولٰی۔ (سورۂ والضحیٰ، آیت نمبر 4) ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔ یہ ایک ایسا کمال ہے جس کو زوال نہیں۔

﴿وقت کی سب سے بڑی ضرورت: ہم اپنے کو بدلیں﴾

رسول کو چاہو تو محبت والی اطاعت کرو۔ اب بتائیے جب آپ کسی کی پیروی محبت سے کریں گے تو اس کی نقل کریں گے کہ نہیں؟ اب بتائیے کتنی نقل آپ نے کی؟ پھر میں اپنے سوال کی طرف پلٹ رہا ہوں کتنی نقل کی؟ اور آپ کے زوال اور پستی کے جو بھی اسباب ہوں اس پر آپ غور کریں! اس میں آپ کا قصور ہے کہ آپ کے دین کا؟ اگر دین پر عمل کرنا نہیں ہے تو صرف ماننے سے تمہیں پورا فائدہ کیسے ملے گا؟ دوستو! یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے کہ ہم اپنے کو بدلیں۔ ہمارا اسٹیج آپ کو پیغام دے رہا ہے۔ اپنے کو بدلو۔ بری رسموں میں آپ جکڑے ہوئے ہو۔ آپ نے ایک نئی شریعت خود ہی بنا رکھی ہے رسم و رواج کے نام پر۔ ذرا سا آپ خیال کریں کہ جب کوئی گھریلو مسئلہ آپ کا سامنے آتا ہے تو آپ یہ نہیں دیکھتے کتاب و سنت کا کیا حکم ہے؟ یہ دیکھیں گے کہ ہمارا خاندان کی رسم کیا ہے؟ اور اِنہیں رسموں نے آپ کو تباہ کر دیا ہے۔ شادی جو نہایت آسان و سادہ چیز۔۔ اگر کسی بچی کی آپ نے شادی کردی تو رسموں نے آپ کو، آپ کی پیٹھ کو اتنا ٹیڑھا کیا کہ قبر سے پہلے سیدھا ہی نہیں ہوتی۔۔ اور آپ کے جنوب کی بھی کچھ رسموں سے بھی میں واقف ہوں۔ شادی سے پہلے ایک رسم ہے ’شکرانہ‘۔ وہ ایک الگ شادی ہی ہوتی ہے۔ نہ جانے کیسے کیسے رسموں میں آپ نے اپنے کو جکڑ لیا۔ اسی لیے آپ پریشاں حال نظر آتے ہیں۔ آپ خیال کریں کوئی مسئلہ شرعی ہوتا ہے تو آپ غیر مسلم عدالتوں میں جاتے ہیں۔۔ اپنا شرعی مسئلہ حل کرانے کے لیے اُس کے پاس جاتے ہیں جو شریعت کی ”ش“ بھی نہیں جانتا۔ اس کے لیے آپ کتاب و سنت کو نہیں دیکھتے۔ اللہ و رسول کی رضا سامنے نہیں۔ لوگ

تجویزیں پاس کرتے ہیں۔ حکومت سے ایک تجویز پاس کرادی حکومت کو منوانے کے لیے۔ میں کہتا ہوں حکومت سے ہماری تجویز پاس کرانے کی کیا ضرورت! حکومت سے یہ منواؤ کہ ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کرے، حکومت اپنی عدالت سے ہماری شریعت کے مطابق فیصلہ کریں۔ حکومت کو منواؤ۔ تجویز پاس کرو۔ میں کہتا ہوں حکومت سے کہنے کی کیا ضرورت! میں مسلمانوں سے کیوں نہ کہوں کہ غیر شرعی عدالت میں مت جاؤ۔ ارے! جب تم جاؤ گے تب وہ فیصلہ کرے گا۔ تم جاتے کیوں ہو؟ وہ جائے جس کے پاس کوئی قانون نہ ہو، وہ جائے جس کے پاس کوئی دستور نہ ہو، وہ جائے جس کے پاس کوئی لاء (Law) نہ ہو۔ ہمارا قانون تو آسمانی قانون ہے۔۔ ہمارا قانون قیامت تک کے لیے ہمیں ہدایت کرتا ہے۔۔ کہ کتاب وسنت کا فیصلہ۔۔ میں کہتا ہوں کتاب وسنت کے فیصلہ سے تم راضی نہیں ہو! تو تمہیں اپنے کو مسلمان کہنے کا شوق کیوں ہو گیا؟

﴿سارے دکھ درد کا علاج اسلام ہے﴾

ذرا سا آپ خیال کرو! آپ کے دکھ درد کا علاج تو آپ کے گھر میں موجود ہے۔ آپ باہر کیوں جاتے ہو؟ اپنے کو بری رسموں میں کیوں جکڑ لیتے ہو؟

﴿غلط رسموں سے بچو!﴾

اور رسموں کے معاملے میں عورتیں بہت آگے ہیں۔ عورتوں کا تو یہ حال ہے کہ ان کے لیے نہ کوئی مدرسہ ہے، نہ کوئی مکتب ہے نہ کوئی اسکول ہے۔ مگر ہر عورت اپنے رسم کی عالم ہے۔ پیدائش کے وقت کی رسمیں یہ ہیں۔۔ عقیقہ کی رسمیں یہ ہیں۔۔ شادی کی رسم یہ ہے۔۔ یہ ہے۔۔ اور ہر رسم کے ساتھ ایک ایک نظریہ بھی وابستہ ہے۔۔ یہ نہیں کرو گے تو یہ ہو جائے گا۔۔ یہ نہیں کرو گے تو یہ ہو جائے گا۔۔

ذرا سا آپ خیال کریں! اس قدر عقیدہ بنا لیا۔۔ اسی لیے کہتے ہیں چار کتابیں تو آسمان سے اتری ہیں اور ایک زمین سے نکلی۔ آسمان سے آنے والی کتاب قرآن، انجیل، زبور، توریت۔۔ اور زمین سے نکلنے والی ''عوریت''۔۔۔ عورتوں کا معاملہ اتنا سخت ہوتا ہے کہ اگر کوئی رسم ان کے دماغ میں بیٹھ جائے تو نکلنا بہت مشکل۔۔

﴿ملّا جیون علیہ الرحمہ کا واقعہ﴾

حضرت ملا جیون (رحمۃ اللہ علیہ) کو تو قربانی دینی پڑ گئی۔ ملا جیون کو قربانی کیا دینی پڑی؟ بڑی منت وسماجت کے بعد، عمر کا بڑا حصہ گذر جانے کے بعد ایک اولاد ہوئی۔ تو ان کی خاتون کو کچھ پتہ نہیں تھا اولاد کے بعد کی رسمیں کیا ہیں! اور پہلی اولاد۔ محلے کی عورتیں جمع ہوگئیں۔ پوچھا کیا کرنے کے لیے؟ بولیں: ''موسل'' پوجنے کے لیے۔ وہ موسل جس سے کوٹ کر چاول کے چھلکے اتارے جاتے ہیں، چاول نکالتے ہیں۔ کیا کہتے ہیں آپ کے علاقے میں؟ ''مُسّل''۔ موسل پوجو اور اگر نہیں پوجو گے تو بچہ مر جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زندگی بھی ان کے اختیار میں اور موت بھی۔ ملا جیون نے جب دیکھا گھر میں یہ حال! تو پوچھا یہ کیا موسل؟ موسل پوجنا؟ حیران ہو گئے۔ خدا کا خوف دلانے لگے۔ مگر عورتوں کے دماغ سے وہ چیز نکلتی نہیں۔ ملا جی فتویٰ باہر دیجیے گا۔ ملا کو جوش آ گیا۔ کہا: اچھا بتاؤ اگر اس پوجنے سے بھی یہ نہ بچے تو؟ پھر توبہ کرو گی ہمیشہ کے لیے؟ ملا جیون نے سجدے میں اپنا سر رکھا اور دعا کی الٰہ العالمین بڑھاپے کی اولاد کی خوشی کو تو خوب جانتا ہے، کس قدر پیار ہوتا ہے۔۔ مگر تیرے محبوب کی شریعت مجھے میری اولاد سے زیادہ پیاری ہے۔ مولیٰ میرے بیٹے کو اُٹھا لے۔۔۔ اور واقعی ایک ولی کی زبان سے بات نکلی اور بچہ انتقال کر گیا۔ سبھوں کو انہوں نے توبہ کرایا اور کفری رسم سے انہیں نجات دلائی۔ تو میں کہتا ہوں عورتوں کے دل و دماغ میں جب کوئی بات بیٹھتی ہے تو اس کو نکالنے کے لیے کتنی بڑی قربانی پیش کرنی پڑی۔

مگر دوستو! جب تک تم اسلام پر پورے کے پورے عمل نہیں کرتے تمہیں کامیابی نہیں مل سکتی۔ تمہارے سارے دکھ درد کا علاج اسلام ہے۔ تمہیں کسی معالج کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔ تمہیں کسی عدالت میں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔۔

﴿ہر جگہ شرعی عدالت قائم کرو﴾

دوستو! یہی ہمارا پیغام ہے اور ''محدث اعظم مشن'' کی یہی کوشش ہے۔ ہر جگہ ایک شرعی عدالت ہو اور اس شرعی عدالت سے تم اپنے شریعت کے فیصلے حاصل کرو اور غیر مسلم عدالت میں نہ جاؤ۔ تو چاہے اس عدالت کے قانون کا ستیاناس ہی کیوں نہ ہو جائے۔ کوئی تکلیف کی بات نہیں۔ تم جب جاؤ گے تو وہ فیصلہ کریں گے، تم جاتے ہی کیوں ہو؟ میں تو سمجھتا ہوں تم اس لیے جاتے ہو کہ تمہیں غیر اسلامی فیصلہ چاہیے؟ تم غیر اسلامی فیصلہ لینے کے لیے جاتے ہو؟ وہاں جاؤ کیوں؟ ہمارا مسلمان وہاں جائے ہی نا اپنے دین کے مسائل لے کر کے۔ تو غلط فیصلے کا سوال ہی کیا! تم کو راضی ہی کرنا ہے تو دنیا کی عدالتوں کو راضی نہ کرو۔ راضی ہی کرنا ہے۔ **وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ**، اللہ اور رسول زیادہ مستحق ہیں ان کو راضی کرو۔ اور واقعی دوستو رسول کے دامن سے کٹ کر کے ہمیں کہاں پناہ ملے گی؟

﴿نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معرفتِ الٰہی کا ذریعہ ہیں﴾

ایک موٹی سی بات بتاؤں: توحید کا عقیدہ ضروری ہے نا۔۔ ضروری ہے کہ نہیں؟ ہے نا۔ ضروری بہت ضروری۔ توحید پر ایمان لانا ضروری مگر کیا ایمان بغیر علم کے ہوسکتا ہے؟ ایمان سے پہلے علم ہونا ضروری اور علم سے پہلے ذریعۂ علم ہونا ضروری۔ علم کا ذریعہ ہی نہ ہوگا تو علم ملے گا کہاں سے؟ تو ایمان کب ملتا ہے جب ذریعۂ علم ملے۔۔ جب علم کا ذریعہ ہی نہیں۔۔ تو بولو ذریعۂ علم کون؟ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ ایک بات مت سوچنا، ذریعہ کی ضرورت کب تک؟ ہمیں ہبلی آنا تھا تو ہم ٹرین سے آئے۔ ٹرین ذریعہ ہے۔ جب ہم ہبلی پہنچ گئے ٹرین کی ضرورت ختم۔ یہاں سے قیام گاہ جانا ہے، کار سے جائیں گے۔ کار ذریعہ ہے۔۔ جب قیام گاہ پہنچ گئے ضرورت ختم۔ تو جب نبی ذریعہ ہیں، تو جب اسلام مل گیا۔۔ خدا کی پہچان ہوگئی۔ تو اب اس نبی کی ضرورت کیا؟

مگر دوستو! یاد رکھو! نبی کی ضرورت کبھی بھی اس لیے ختم نہیں ہوسکتی کہ معرفت الٰہی غیر متناہی۔ معرفت الٰہی کی منزلیں بھی غیر متناہی ہیں۔ تو نبی کی ضرورت بھی غیر متناہی تو ان کی ضرورت بھی غیر متناہی۔ تو اب نبی ہی ذریعہ اور جب نبی ہی ذریعہ ہیں تو نبی کے پیغام ہمیں ملیں گے کہاں؟ اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دینی مدرسے ہمارے لیے کتنا ضروری ہیں۔۔ جہاں سے نبی کی آواز سنائی جاتی ہے۔۔ جہاں سے نبی کا پیغام پہنچایا جاتا ہے۔۔ وہ ہمارے لیے کتنا ضروری ہے۔۔۔

دوستو! کسی زمانے میں دنیوی ضرورت کو دوسرے نمبر پر رکھا جاتا تھا اور دینی ضرورت کو پہلے نمبر پر رکھا جاتا تھا۔ مگر آج معاملہ اُلٹ گیا ہے۔ دنیا کی ضرورت پہلے۔ جب وقت بچے تو دین کے لیے۔ اس طرح سے معاملہ الٹ گیا ہے۔ مگر نہیں۔ ہماری نجات، ہماری فیروز بختی، ہماری سعادت اسی میں ہے ؎

کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

* * *

خطبہ دوم

عنوان: حقیقتِ ایمان

بمقام: میسور، کرناٹک، انڈیا

اَلْفَاتِحَہ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
وَ اٰلِہ وَاَصْحَابِہ اَجْمَعِین۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِی شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیمْ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسلِیمْ۔
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیِّ ط یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا صَلُّوا
عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوبِ وَدَوَائِھَا
وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُورِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا وَعَلٰی اٰلِہٖ
وَصَحْبِہٖ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُونْ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِینْ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینْ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِینْ۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنْ۔

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِینْ۔

اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمْ
لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰہِ وَرَسُولِہٖ وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ وَتُسَبِّحُوہُ بُکْرَۃً
وَّاَصِیلًا۔ (سورۂ فتح۔ آیت نمبر 9)
صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیمْ وَصَدَقَ رَسُولُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیمْ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینْ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیمْ۔
وَنَفَعَنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیمْ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔

ضیائے ماہ نہ خورشید کے جمال میں ہے جو بات میرے نبی آپ کے بلال میں ہے

(حدیث) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا ''سل'' مانگو؟ حضرت ربیعہ عرض کرتے ہیں ''اسئلک مرافقتک فی الجنۃ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' میں جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ کی رفاقت طلب کرتا ہوں، جنت میں آپ کی رفاقت کا سوال کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت مانگتے ہیں۔
(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب فضل السجود، حدیث نمبر 997)

اس حدیث کو ذہن میں رکھیے اور شعر سماعت فرمائیے۔ ؎

جوابِ سل میں طلب کی رفاقتِ جنت کمالِ ہوش ربیعہ ترے سوال میں ہے
خدا بھی جس کو رؤف و رحیم کہتا ہے میرا نبی ہے وہی حشر کس خیال میں ہے

رہی خدا کو بھی منظور اُس کی خوشنودی   نہ پوچھ مجھ سے کہ کیا آمنہ کے لال میں ہے
غلافِ کعبہ کہاں گنبدرسول کہاں   فراق میں ہے کہاں رنگ جو وصال میں ہے
یہ راز آیۂ تطہیر سے کھلا اخترؔ   ردا کے نیچے جو ہے ظل ذوالجلال میں ہے
(شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اخترؔ کچھوچھوی)

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو ترا حسن ہوگیا محدو د
(اصغر گونڈوی)

بارگاہِ رسالت اور آلِ رسالت میں درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما
تحب و ترضی بان تصلی علیه

ایک بار اور ہدیۂ صلوٰۃ پیش فرمائیں۔

صلی اللّٰہ علی النبی الامی و آلہ صلی اللّٰہ علیه و سلم صلوۃ و سلاما علیك
یا رسول الله

ایک بار اور نذرانۂ درود پیش فرمائیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا محمد کما تحب و
ترضی بان تصلی علیه

میں نے قرآن کریم کے جس ارشاد گرامی کو سرنامۂ بیان قرار دیا آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ سلسلہ یہاں سے چلتا ہے۔

اِنَّآ اَرۡسَلۡنَاكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیرًا۔لِّتُؤۡمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيلًا۔

ہم نے تمہیں شاہد و مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا تا کہ اے لوگو تم مان جاؤ اللہ کو اور اس کے رسول کو اور تعظیم وتوقیر کرو رسول کی اور عبادت کرو رب تبارک وتعالیٰ کی صبح وشام۔

﴿ایمان کا معنیٰ﴾

ایمان لاؤ! ایمان کیا چیز ہے؟ ایمان کا جو لفظ ہے وہ امن سے بنا۔ ایمان والے وہ جو امن والے۔ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے لیے بھی ''مومن'' استعمال فرمایا۔ هُوَ الۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلَامُ الۡمُؤۡمِنُ۔ (سورۂ حشر۔ آیت نمبر 23)

وہاں بھی مومن۔ سیدھا ترجمہ، امن والا۔ خدا مومن ہے، وہ حفاظت فرمانے والا، امن دینے والا۔ تو رب نے اپنے لیے مومن لفظ فرمایا تو ہمارے لیے بھی مومن کا لفظ اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ اِخۡوَةٌ' (سورۂ حجرات۔10) ہم امن والے۔ یعنی اچھے عقائد ونظریات کو اختیار کرکے ہم اپنے کو جہنم سے بچانے والے اس حیثیت سے مومن۔ یعنی ہم بھی اپنی حفاظت کررہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اس لفظ کو اور بھی سمجھنے کی ضرورت ہے اور جب میں یہ کہوں تو آپ سنبھل جایئے گا۔ خدا مومن، رسول مومن، ہم سب مومن۔ کہیں جلدی میں یہ نہ کہہ لیجیے گا کہ سب مومن آپس میں بھائی بھائی۔ خدا مومن، رسول مومن، ہم سب مومن۔ مگر خدا مومن پیغامِ امن نازل فرمانے والا۔ ہم مومن پیغامِ امن ماننے والے اور رسول مومن پیغامِ امن لانے والے۔ اور واقعی مومن کی تعریف یہی کی گئی جو امن وسلامتی کا نشان بن جائے وہ مومن۔

﴿مومن کی تعریف﴾

مومن کی مختصر سی تعریف یہ بھی کی گئی ہے کہ ''مومن وہ ہے جس کے پڑوسی اس کے خطرات سے مامون ومحفوظ رہیں''۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الادب، باب من کان یومن باللّٰہ والیوم الآخر)

﴿ساری دنیا میں امن کا نسخہ﴾

اس لیے میں کہا کرتا ہوں اگر اسلام کی کوئی اور بات سمجھ میں نہ آرہی ہو تو صرف

اس ایک بات کو سمجھ لو اور مان لو تو ساری دنیا میں امن ہو سکتا ہے۔ ساری دنیا کے لوگ یہ طے کر لیں ہم اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستائیں گے۔ بس بات ختم ہو گئی۔ ہر انسان کے چار پڑوسی، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے۔ ان پڑوسیوں کے بھی پڑوسی، اُن پڑوسیوں کے بھی پڑوسی۔ اسی طرح سے مختلف گھر مل کر کے ایک محلہ ہوا۔ ایک محلہ دوسرے محلہ کا پڑوسی۔۔ مختلف محلے بن کر کے ایک قریہ ہوا۔ ایک قریہ دوسرے قریہ کا پڑوسی۔ مختلف قریہ بن کر کے ایک تعلقہ ہوا۔ ایک تعلقہ دوسرے تعلقہ کا پڑوسی۔ اسی طرح مختلف تعلقہ بن کر کے ایک ضلع ہو گیا۔ ایک ضلع دوسرے ضلع کا پڑوسی۔ اسی طرح مختلف اضلاع بن کر کے ایک صوبہ ہوا۔ ایک صوبہ دوسرے صوبہ کا پڑوسی۔ ایسے ہی مختلف صوبہ بن کر کے ایک ملک ہو گیا۔ ایک ملک دوسرے ملک کا پڑوسی۔ بہت سارے ملک ملے ایک براعظم ہو گیا۔ ایک براعظم دوسرے براعظم کا پڑوسی۔

بس اتنا ہی طے کر لو ہم اپنے پڑوسی کو نہیں ستائیں گے۔ تو نہ ٹینکوں کی ضرورت ہے نہ جناب والا میزائلوں ں کی ضرورت ہے، نہ ایٹمی تجربات کی ضرورت ہے۔ ضرورت ہے صرف اسلام کی ایک بات کو مان لینے کی۔

﴿بے ایمانوں سے دور رہو!﴾

اسی لیے ہم کہتے ہیں یہ ایمان عجیب چیز ہے۔ ایک چیز اور میں بتاؤں۔ ہر مجسمہ کے اندر کوئی بھی چیز ہو اس کے اندر ایک چیز ہے جس کو ''روح'' کہتے ہیں۔ جسم کے اندر ایک روح ہوتی ہے۔ ہر چیز کی ایک روح ہوتی ہے۔ وہ نکل جائے تو ہر چیز کی قدر و قیمت ختم ہو جاتی ہے۔ جب روح نکل جائے تو دفن کر دینا چاہیے۔ چار سال اور رہے تو حرج کیا ہے؟ کہا نہیں۔ اب روح نہیں تو نکال دو، اس کے اندر روح نہیں ہے، اب یہ جسم رکھنے کے لائق نہیں ہے۔۔۔ یہ بات ضرور ہے کہ اس کے جانے کا ہمیں غم ہے۔ مگر جو رکھنے والی چیز تھی وہ نکل چکی ہے۔ تو اب اس گھر میں گنجائش نہیں ہے۔ جب اس کی روح نکل گئی ہے

نکال دو۔ باپ ہو تو نکال دو۔۔ دادا ہو تو نکال دو۔۔ بیوی ہو تو نکال دو۔۔ ماں ہو تو نکال دو۔۔ عزیز سے عزیز دوست ہو تو نکال دو۔ اب یہ رکھنے کے لائق نہیں۔ اسے فوراً دبا دو۔۔ یہ بے روح ہو گیا ہے۔

''بے روح'' کو اتنی جلدی کر رہے ہو نکالنے میں اور جب کوئی ''بے ایمان'' ہوتا ہے تو اسے جگہ دے رہے ہو۔۔ اسے بیٹھا رہے ہو۔۔ اس کو جگہ دے رہے ہو۔ بے ایمان کو جگہ دے رہے ہو!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ارے دوستو! جس طرح سے روح نکلنے کے بعد اس مجسمہ کی کوئی قدر نہیں ہے۔ اس پیکر کی کوئی قیمت نہیں۔ اچھی طرح سے سوچ لو۔ تو دوستو! جس طرح سے روح نکلتی ہے۔۔ جب روح نکلتی ہے تو تم نکالتے ہو۔۔ گھر سے باہر کر دیتے ہو۔ ہم پوچھتے ہیں کیوں نکالتے ہو؟ کہا ٹھیک ہے یہ ہمارا عزیز تھا۔۔ یہ ہمارا باپ تھا۔۔ یہ ہمارا بیٹا تھا۔۔ یہ ہماری محبوب بیوی تھی۔۔ یہ ہماری بہن تھی۔ مگر روح نکل گئی اب اگر ہم نے اس کو رکھا تو یہ پھوٹے گا۔۔ یہ پھٹے گا۔۔ مادّی فضا خراب ہو گی۔ اب یہ تنہا جا رہا ہے کہیں یہ قافلہ لے کے نہ آ جائے۔ اسے تنہا جانے دو۔ مادّی فضا گھر کی ہم خراب نہیں کرنا چاہتے۔ چاہے کتنا ہی عزیز کیوں نہ ہو نکال دو۔

تو دوستو! ہم بھی یہی کہتے ہیں جس کے پاس ایمان نہ ہو اسے بھی نکال دو۔ باپ ہو تو نکال دو۔۔ بیٹا ہو تو نکال دو۔۔ چچا ہو تو نکال دو۔۔ بھتیجا ہو تو نکال دو۔۔ بہن ہو تو نکال دو۔۔ اس لیے کہ ''بے روح سے مادّی فضا خراب ہوتی ہے اور بے ایمان سے روحانی فضا خراب ہوتی ہے''۔۔ روحانی فضا خراب ہوتی۔ نکال دو۔۔ اور اگر آپ نے یہ سوچا سب وہی ہوں تو کیا کریں؟ ارے ایک ہو تو نکالیں۔ سب وہی ہیں تو کیا کریں؟ کہا کہ وہ کرو جو

صحابہ نے کیا، جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیا، سب وہی ہیں تو تم نکل جاؤ۔

سب وہی ہیں تو تم نکل جاؤ۔

ارے ہجرت کا فلسفہ کیا ہے؟ ہجرت کا فلسفہ یہی ہے سب وہی ہوں تو تم نکل جاؤ۔ اپنے ہوں گے تو آ جائیں گے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ایمان کی قدر و قیمت

دوستو! تم ایمان کی قیمت نہیں سمجھ رہے ہو۔ ایمان کی قدر و قیمت سمجھنا چاہیے۔ میں کہتا ہوں ایمان تمہیں اسی دھرتی کے اوپر ملا ہے مگر جس وقت تم یہاں سے جاؤ گے۔۔ ارے اعمال یہیں رہ جائیں گے۔۔ سارے اعمال یہیں رہ جائیں گے۔ روزہ یہیں۔۔ زکوٰۃ کے اعمال یہیں۔۔ حج کے طریقے یہیں۔۔ ساری چیزیں یہیں رہ جائیں گی۔۔ وہ دارالعمل نہیں ہے کہ عمل ساتھ لے جائیں۔ نماز تمہیں قبر میں نہیں پڑھنی ہے۔۔ روزہ نہیں رکھنا ہے۔۔ حج نہیں کرنا ہے۔۔ سارے عمل یہیں چھوٹ گئے۔ اب اگر وہاں جائے گا تو عمل نہیں جائے گا، اس کا اجر جائے گا۔۔ اس کا ثواب جائے گا۔۔ اس کے ثمرات جائیں گے۔۔ اس کے نتائج جائیں گے۔۔ عمل کیا ہے؟

مگر ایمان کی بھی تو ضد دیکھو۔ اس نے کہا ہم تو میزان پر رہیں گے۔ اس نے ہمیں نہیں چھوڑا تو ہم اس کو کیسے چھوڑ دیں! مصیبت اٹھائی پھر بھی نہیں چھوڑا۔۔ گھر چھوڑ دیا ہمیں نہیں چھوڑا۔۔ سارا خاندان چھوڑ دیا ہمیں نہیں چھوڑا۔۔ باپ کو چھوڑ دیا ہمیں نہیں چھوڑا۔۔ بیٹے کو چھوڑا ہمیں نہیں چھوڑا۔۔ ہم اسے بھی نہیں چھوڑیں گے۔ انتہا کی بات عرض کروں اگر کوئی شامت اعمال سے جہنم میں ڈالا گیا تو ایمان کہے گا ہم بھی جائیں گے۔۔ ایمان کہتا ہے ہم بھی جائیں گے۔ ہم جہنم کے بھی ساتھی ہیں۔۔ ہم تمہارے ساتھ جہنم میں بھی جائیں گے۔ ہم نے ایمان سے پوچھا اے ایمان تو تو جنت کا پھول ہے۔ جنت کی چیز ہے۔ تو جہنم میں کیوں جا رہا ہے؟ کہے گا تو اسے نکالے گا کون؟

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ذرا سا دیکھو۔ ایسا ساتھی تو کوئی نہیں ہے۔ مگر دوستو جس طرح ہر چیز کے اندر ایک روح ہوتی ہے وہ روح نکل جائے تو اس کے اعزازات ختم ہو جاتے ہیں۔

درخت کی مثال

یہی درخت ہے، اس میں شادابی کب تک؟ اس میں سرسبزی کب تک؟ جب تک روح کام کر رہی ہے۔ مگر۔ اگر یہی درخت خشک ہو جائے تو اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔ اور ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ سوکھے ہوئے درخت کو کہیں جلا دیا جاتا ہے، کہیں چیر دیا جاتا ہے، کہیں پھینک دیا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم اس چیز کو چاہتے ہو کہ تمہیں نہ جلایا جائے۔۔ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں نہ چیرا جائے۔۔ تو مرکز کو چھوڑا کیوں؟ کیوں نہیں ہرے بھرے رہے۔۔ کیوں نہیں ہرے بھرے رہے۔۔ اس جڑ سے تعلق کیوں ختم کیا جس درخت نے تمہیں شادابی دی تھی! دوستو! بات یہ ہے کہ وہ بے روح ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی وزن نہیں ہے۔

کرنٹ، بجلی کی مثال

ایسے ہی کرنٹ۔ دیکھو یہ تار۔۔ اس تار کے اندر کرنٹ ہو تو عجیب معاملہ ہے۔۔ یہی چھوٹا سا تار۔۔ اس میں کرنٹ ہو تو بادشاہ بھی ڈرتا ہے گدا بھی اس سے ڈرتا ہے،، فقیر بھی اس سے ڈرتا ہے امیر بھی اس سے ڈرتا ہے۔۔ کوئی بہادر ہو تو آئے ہاتھ لگا دے اس کرنٹ والے تار میں۔۔ آ کے ہاتھ لگا دے۔ ارے کیوں ڈر رہے ہو؟ کہا روح موجود ہے۔۔ اس کی روح موجود ہے۔ اگر تمہارے اندر بھی ایمان کی روح موجود ہے تو بادشاہ بھی

ڈرے گا، فقیر بھی ڈرے گا، امیر بھی ڈرے گا، قیصر بھی ڈرے گا، کسریٰ بھی ڈرے گا۔۔

دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں   کبھی افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں میں
دشت تو دشت ہے دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے   بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے
(ڈاکٹر اقبال)

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿ایمان کی روح﴾

ہمارے اندر جب ایمان کی روح موجود تھی ہم چٹائی پر تھے۔۔ قیصر لرز رہا تھا، کسریٰ کانپ رہا تھا۔۔ ہمارا چرچا تھا۔ معلوم ہوا اگر روح ہی نکل جائے تو اس کا کوئی نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس کے نتائج برآمد بھی نہیں ہوتے۔ تو اب ہمیں دیکھنا ہے **ایمان کی روح کیا ہے؟**

ہر عمل کی کوئی نہ کوئی روح ہے۔ عمل کی روح ایمان ہے۔ اور ایمان کی روح کیا ہے؟ اتنا وقت نہیں کہ میں بہت تفصیل سے آپ کو لے جاؤں۔ میں قرآن کریم کی روشنی میں بات عرض کروں گا۔ **ایمان کی روح ہے اللہ و رسول کو ملانا اور رسول کی تعظیم و توقیر کرنا۔** اسی لیے جو اللہ و رسول کو جدا کرے سمجھ لو ایمان کی روح اُن سے نکل چکی۔ اُن کے اندر ایمان موجود نہیں۔ ایمان کی روح نکل گئی۔ تو جو چیز بے روح ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ و رسول کو ملانا، نبی کا احترام، نبی کی تعظیم ایمان کی روح۔۔۔ اللہ و رسول کو جدا نہ کرنا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ۔ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا۔ کافروں کا ذکر ہو رہا ہے۔ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کیا۔ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُواْ بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ۔ اور انہوں نے اس بات کا ارادہ کیا کہ اللہ و رسول ﷺ کو جدا کر دیں۔ وَيقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہیں مانگیں گے۔

وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلاً۔ (سورۂ نساء۔ آیت نمبر 150، 151) اور کفر و ایمان کے بیچ میں ایک راستہ بنانا چاہتے ہیں۔ قرآن فیصلہ کرتا ہے۔ أُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقّاً بلا شک و شبہ وہ کافر ہیں۔ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَاباً مُّهِيناً۔ اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

یہ ''جدا کرنے والا'' لفظ ذرا سا دیکھو! یہ کافر ہیں۔ قرآن فتویٰ دے رہا ہے یہ کافر ہیں اور ان کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ کیوں کافر ہیں؟ اس لیے کافر ہیں کہ یہ اللہ اور رسول میں تفریق کر رہے ہیں۔ وَيُرِيدُونَ أَن يُفَرِّقُواْ بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِه یہ ارادہ اس بات کا کر رہے ہیں۔ اللہ اور رسول میں تفریق کر رہے ہیں۔ اس لیے قرآن فتویٰ دے رہا ہے یہ کافر ہیں۔ اب قرآن سے جا کر کہو کسی کو کافر نہیں کہنا چاہیے۔ تو انہیں کافر کیوں کہہ رہا ہے! ذرا سا دیکھو۔ أُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقّاً یہ کافر ہیں۔ ان کو رسوا کرنے والا عذاب ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُواْ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ اور وہ لوگ جو مان گئے اللہ کو اور اس کے رسولوں کو وَلَمْ يُفَرِّقُواْ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ اور ان میں تفریق نہیں کی أُوْلَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوراً رَّحِيماً (سورۂ نساء۔ آیت نمبر 152) عنقریب وہ انہیں ان کے اجر عطا فرمائے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

ذرا سا دیکھو ان کی بھی کیا شان ہے جو اللہ کو بھی مان گئے اور رسول کو بھی مان گئے۔ اور اللہ اور رسول کے درمیان انہوں نے کوئی تفریق بھی نہیں کی۔ کفر و ایمان کے درمیان کوئی راستہ بھی نہیں نکالا۔ یہ کون لوگ ہیں؟ یہ ایمان والے لوگ ہیں۔ تفریق نہ کرنے والے۔۔ اور جو تفریق کرنے والے ہیں وہ کفر والے ہیں۔ قرآن فتویٰ دے رہا ہے أُوْلَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقّاً۔

﴿لغوی کفر اور اصطلاحی کفر﴾

دوستو! میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمان انکار کرنا نہیں جانتا۔ ایک ہے لغوی کفر اور ایک

ہے اصطلاحی کفر۔ لغت میں کفر کہتے ہیں انکار کرنا کسی چیز کے انکار کرنے کو۔ اب اصطلاح میں کیا ہے؟ ضروریات دین میں سے کسی ایک کا انکار کر دینا۔ اصطلاح میں کفر۔ تو جہاں تک لغت کے کفر کا سوال ہے لغوی کفر کا سوال ذرا سنبھل کے بولنا پڑتا ہے۔ لغوی کفر کے تعلق کا جہاں تک سوال ہے اس وقت تک کوئی مومن کامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کافر نہ ہو۔ فَمَنۡ یَّکۡفُرۡ بِالطَّاغُوۡتِ۔ (سورۂ بقرہ۔ آیت نمبر 256) یہ طاغوت کے کافر ہیں۔ جب تک مومن کامل ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ کفر نہ کرے۔۔۔

یعنی ہمارا کلمہ پہلے کفر سے شروع ہوتا ہے پھر ایمان والا بنتا ہے۔ پہلے کفر سے شروع ہوتا ہے لآ اِلٰہ سارے معبودوں سے ہم نے انکار کر دیا۔ یہ کفر نہ کرو گے اِلَّا اللّٰہ سے ایمان نہ ملے گا۔ لآ الٰہ اَلَّا اللّٰہ۔ ذرا سا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ ذرا سوچو۔ مسلمان بھی انکار کرتا ہے۔ تم سب سے ملنا چاہتے ہو اور اسلام کہتا ہے بعض سے ملو بعض سے انکار۔ مگر وہ لوگ جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے درمیان تفریق کرتے ہیں ان کو فتویٰ قرآن دے رہا ہے۔ یہ کھلے ہوئے کافر ہیں۔ ان کے کفر میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں۔

﴿اللہ و رسول کو ملانے کا مفہوم﴾

مگر دوستو! میں تمہیں دھوکا نہیں دینا چاہتا۔ کہیں تم دھوکے میں نہ پڑ جاؤ اور یہ سوچنے لگو کہ یہ ملانے کا کیا مطلب ہے؟ ملانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خدا کہہ دو۔ اگر رسول کو خدا کہو گے اور اس طرح سے ملایا تو یہ شرک ہے۔ نہ خدا کو رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ملاؤ نہ رسول کو خدا سے ملاؤ۔ یہ نہیں۔ نہ خدا کو رسول کے درجے پہ لاؤ نہ رسول کو خدا کے مقام تک پہنچاؤ ورنہ یہ کیا ہوگا۔ کچھ لوگ غلطی کرتے ہیں کچھ لوگ شرک سمجھانے کے لیے شرک بتانے کے لیے بڑی غلطی کرتے ہیں۔ کیا کرتے ہیں؟ کہتے کیا ہیں رسول کو خدا سے ملانا جیسے خدا کی شان ہے۔ بات تو یہی کریں گے کہ خدا کی جیسی شان ہے ویسے ہی رسول کے اندر یہ شان ماننا یہ شرک ہے۔ اب جب مثال کی بات آتی ہے تو کیا کہتے ہیں؟

اگر رسول کو ساری کائنات کا عالِم بنایا تو شرک اور مثال دے رہے ہیں قاعدہ تو وہ تھا کہ رسول کو خدا سے ملایا تو شرک۔ مثال کیا دیتے ہیں۔ اور رسول کو ساری کائنات کا عالم بنایا اس کا مطلب یہ ہوا کہ رسول خدا سے مل گئے۔ یہ تم سوچتے ہو اور مجھے تم سے یہ شکایت ہے یہ خیال تمہارا رسول کو عالم کائنات کہنے سے اگر رسول خدا سے ملتے ہیں۔۔ خدا ہو جاتے ہیں۔۔ تو تم نے آج تک خدا کو سمجھا ہی نہیں۔ یہاں تو معاملہ ہی الٹا ہے۔ تم خدا کو رسول سے ملا رہے ہو۔ ہم رسول کو خدا سے نہیں ملا رہے ہیں بلکہ تم اس عقیدہ کو شرک قرار دے کر کے گویا سمجھتے یہ ہو کہ خدا کو صرف کائنات کا علم ہے۔ ہم نے رسول کو نہیں بڑھایا تم نے خدا کو گھٹا دیا۔ ہم نے رسول کو نہیں بڑھایا۔ بھئی کوئی۔۔ چاہے کوئی اٹھا کر کے شرک کرے کوئی گھٹا کر کے شرک کرے۔۔ مشرک دونوں ہیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

تو ہم ملانے کی بات بھی بتا دیں۔ ہم کس ملانے کی بات کرتے ہیں۔ وہ ملاپ جو تم نوٹ کے اوپر مہر لگا دیکھتے ہو نا۔ ایک مہر لگی ہوئی ہوتی ہے کاغذ کے اوپر تو کاغذ اور وہ سرکار کی مہر لگی ہوئی ہے نا۔ اس کاغذ کو سرکاری مہر نے نوٹ بنا دیا کہ بازار میں چلے۔

تو دیکھو! اس کاغذ سے اس مہر کو آپ جدا نہیں کر سکتے۔ حالانکہ مہر اور ہے کاغذ اور۔۔ دونوں کی حقیقت اور ہے۔ مگر کاغذ مہر سے جدا نہیں کر سکتے۔ اور کبھی کرو گے تو کاغذ نوٹ نہیں رہے گا۔ کاغذ رہے گا۔ تو توحید کے کاغذ پر مہر رسالت ایسی لگی ہوئی ہے کہ تم اس کو جدا نہیں کر سکتے۔ کرو گے تو توحید جو ہے وہ ضلالت ہوگی ایمان نہیں ہوگی۔ توحید جو ہوگی وہ بے دینی ہوگی۔ دین نہیں۔ دین اسی وقت بنے گی جب توحید کے کاغذ پر سرکاری مہر لگی ہو۔ میں اس ملانے کی بات کرتا ہوں۔۔

﴿نورِ مصطفٰی کا رنگ﴾

واضح انداز سے میں سمجھاؤں۔ دیکھو! یہ ہر طرف لائیٹ ہے، روشنی ہے۔ یہ پاور ہاؤس سے آتی ہے۔ مختلف رنگوں کے بلب میں مختلف رنگ کی روشنی نکل رہی ہے۔ تو دیکھو! رنگ اور ہے نور اور ہے۔ پاور ہاوس کا نور اور ہے اور بلب کا رنگ اور ہے۔ مگر دونوں چلے تو مل کے چلے۔۔ جب دونوں چلے تو مل کے چلے۔ نور نے یہ کہا جہاں تک ہم جائیں گے اے بلب تجھے لے جائیں گے۔ اور نور نے یہ بھی کہا جو اس بلب کا رنگ لینا چاہے اسی کو میرا نور ملے گا۔ جو اس رنگ ہی سے اختلاف کرے اُس کو نور بھی نہیں مل سکتا۔ اس لیے کہ نور اور رنگ ایسا ملے ہوئے ہیں کہ اِن کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔۔ ان کو الگ نہیں کیا جا سکتا۔

دوستو! گنبد خضرا پاور ہاؤس ہے روشنی وہاں کی ہے، کرن وہاں کی ہے۔ یہ قادری بلب، یہ چشتی بلب ہے، یہ نقشبندی بلب ہے، یہ سہروردی بلب ہے۔ ہر جگہ۔۔ کہیں ہری لائٹ آرہی ہے، کہیں سُرخ لائیٹ آرہی ہے۔ مگر جس بلب کے نیچے تم رہو گے بالکل اسی رنگ والے نظر آؤ گے۔ اس رنگ والے۔۔ یہ قادری رنگ والا ہے، یہ چشتی رنگ والا ہے، یہ نقش بندی رنگ والا ہے، یہ سہروردی رنگ والا ہے۔ معلوم ہوا کہ رنگ ہے بلب کا، نور ہے پاور ہاؤس کا، نور ہے ربوبیتِ کاملہ کا۔۔ بلب ہے رحمتِ مجتبٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا۔۔ بلب ہے رحمت مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا۔۔ ایسا ہو نہیں سکتا کہ خدا کی ربوبیت جہاں ہو مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رحمت وہاں نہ ہو! ایسا نہیں تو اس کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ میں اُس جدائی کی بات کر رہا ہوں۔ جیسے بلب سے روشنی کو جدا نہیں کر سکتے میں اُس جدائی کا ذکر کر رہا ہوں۔ قرآن میں دیکھو۔

﴿نام خدا سے نام نبی کا اتصال﴾

اپنا کلمہ پڑھو! لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہ۔ یہی کلمۂ توحید و رسالت ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا محمد اللہ کے رسول ہیں۔ ہو گیا کلمہ۔ اچھا اگر کلمہ ہم یوں پڑھتے تو کیا حرج تھا؟ محمد رسول اللّٰہ لآ الٰہ الاّ اللّٰہ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں، نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔ یہ جس اللہ کے رسول ہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ کوئی حرج توحید میں؟ کوئی فرق عقیدہ میں؟ کوئی نقص؟ تو کلمہ یوں کیوں نہیں پڑھا محمد رسول اللّٰہ لآ الٰہ الاّ اللّٰہ؟ حالانکہ قیاس کا تقاضہ یہی تھا۔ اس لیے کہ دوستو! اس میں کوئی شک نہیں وجود و ذات کے لحاظ سے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ پہلے محمد رسول اللّٰہ بعد میں۔ معرفت ایمان کے لحاظ سے محمد رسول اللّٰہ پہلے لا الٰہ الا اللّٰہ بعد میں۔ معرفت و ایمان کے لحاظ سے میں بات کر رہا ہوں۔ جیسے میں اکثر کہا کرتا ہوں وجود کے لحاظ سے سورج پہلے روشنی بعد میں، چاند پہلے چاندنی بعد میں، دریا پہلے روانی بعد میں، پھول پہلے مہک بعد میں، موتی پہلے چمک بعد میں۔ مگر پہلے تم بتاؤ پہلے تمہیں چاندنی ملی یا چاند والا؟ پہلے تمہیں روشنی ملی یا سورج سے رابطہ ہوا؟ بات یہ ہے جو اُدھر سے چلے اُن کے لیے سورج پہلے ہے روشنی بعد میں ہے جو اِدھر سے چلے روشنی پہلے ہے سورج بعد میں ہے۔ اب مجھے بتاؤ اُدھر سے آرہے ہو یا اِدھر سے جا رہے ہو! اگر اِدھر سے جا رہے ہو تو محمد رسول اللّٰہ پہلے لا الٰہ الا اللّٰہ بعد میں ہے۔ وہی ترتیب ہونا چاہیے نا۔ اس میں کوئی شرعی قباحت؟ کوئی عقلی استحالہ! (تبدیلی) کیوں نہیں یہ ترتیب رکھی گئی؟ یہ ترتیب اس لیے نہیں رکھی گئی کہ رب تبارک وتعالیٰ لفظوں کی بھی جدائی پسند نہیں فرما رہا ہے۔ لا الٰہ الا اللّٰہ اگر یہاں محمد رسول اللّٰہ لا الٰہ الا اللّٰہ ہو تو لفظ اللّٰہ سے لفظ **محمد** دور ہو گیا۔ لفظ **اللّٰہ** سے لفظ **محمد** دور ہو گیا۔ تو ترتیب یہ بن گئی **لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ**۔ جہاں لفظ **اللّٰہ** ختم ہو وہیں سے لفظ **محمد** شروع ہو۔ تو کلمہ نے کہہ دیا ہم جدائی نہیں کریں گے تو کہاں سے جدائی کرنے لگا!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیہ

کلمہ پڑھو اور صرف یہی بات نہیں۔ چلو دیکھو! جگہ جگہ تم دیکھو گے۔ رب تبارک و

تعالیٰ اپنے محبوب کو ملا رہا ہے۔ ارشاد فرما رہا ہے :اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ (سورۂ نساء۔آیت نمبر 59) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اطاعت میں ملا یا کہ نہیں ملایا؟ وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوۡلَہٗ فَقَدۡ فَازَ فَوۡزًا عَظِیۡمًا (سورۂ احزاب۔آیت نمبر 71) جس نے اللہ و رسول کی اطاعت کی تو بہت ہی کامیابی اس نے حاصل کر لی۔ تو کامیابی حاصل کرنے کے لیے اللہ و رسول دونوں کی اطاعت کو ملایا کہ نہیں ملایا؟

ایک ذرا سا دیکھو! خدا حکم دے اور ہم نافرمانی کریں تو کہا جائے گا یہ خدا کا بھی نافرمان ہے اور رسول کا بھی نافرمان ہے۔ اور اگر رسول حکم دیں ہم اطاعت کریں تو کہا جائے گا کہ یہ رسول کی بھی اطاعت ہے اللہ کی بھی اطاعت ہے۔ تو اطاعت ملی کہ نہیں ملی؟ ملا دیا کہ نہیں؟ اور میں تمہیں آگے لے چلوں۔ اَنۡ اَغۡنٰہُمُ اللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ مِنۡ فَضۡلِہٖ (سورۂ توبہ۔آیت نمبر 74) اللہ اور رسول نے ان کو غنی کر دیا۔ تو غنی کرنے کی نسبت خدا نے اپنی طرف کی اور اپنے رسول کی طرف کی۔ تو غنی کرنے کے معاملے میں ملایا کہ نہیں ملایا۔

ذرا سا آپ سوچتے چلے جاؤ۔ ہر جگہ پر۔۔ اور سنو! وہیں نہیں وَمَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ مُہَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ (سورۂ نساء۔آیت نمبر 100) یعنی جو اپنے گھر سے نکلے ہجرت کرتا ہوا کس طرف؟ اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف۔ گویا جو نکلتا ہے خدا کی طرف، قرآن کہتا ہے وہ خدا کی طرف بھی نکل رہا ہے اور رسول کی طرف بھی نکل رہا ہے۔ اس لیے کہ وہ خدا کا بھی مہاجر ہے اور رسول کا بھی مہاجر ہے۔ تو اس میں ملایا کہ نہیں ملایا؟ اس لیے کہ کوئی ایسی شکل نہیں ہے کہ خدا کا مہاجر ہو اور مصطفیٰ کا مہاجر نہ ہو۔

آپ سوچتے چلے جایئے۔ فَسَیَرَی اللّٰہُ عَمَلَکُمۡ وَرَسُوۡلُہٗ (سورہ توبہ۔آیت نمبر 105) اللہ تمہارے عمل کو دیکھتا ہے اور رسول بھی۔ تو دیکھنے میں ملایا کہ نہیں ملایا۔ آپ سوچتے چلے جائیں کہ رب تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب کے لیے کیسے کیسے انداز اختیار فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ (سورۂ حجرات۔ آیت نمبر 1) ذرا سا دیکھو! اللہ اور رسول سے سبقت نہ کرو۔ حالانکہ آپ سوچو! غور کرو تو عجیب بات ملے گی۔ کیوں؟ اس لیے کہ شانِ نزول میں آپ کیا دیکھیں گے۔ ابھی حضور نے قربانی نہیں فرمائی لوگوں نے قربانی شروع کر دی۔ ابھی حضور نے روزہ نہیں رکھا لوگوں نے روزہ رکھنا شروع کر دیا۔ یہ کوئی برا کام تھا؟ قربانی کرنا کوئی برا کام تھا؟ یا روزہ شروع کر دیا تو برا کام کیا تھا؟ مگر کیا ہوا؟ لَا تُقَدِّمُوۡا بَیۡنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ، اللہ و رسول سے سبقت مت کرو۔ ابھی رسول نے قربانی نہیں کی تم نے کیسے کر دی؟ ابھی رسول نے روزہ نہیں فرمایا تو تم نے کیسے رکھ دیا؟ بات تو رسول کی تھی خدا سے کب سبقت کیا تھا؟ بات تو رسول کی تھی نا؟ ایسا تھوڑی ہی ہے کہ اللہ نے قربانی نہیں کی تو تم نے کیوں کر دیا؟ ابھی خدا نے روزہ ہی نہیں شروع کیا تم کیوں شروع کر دیے؟ مگر سنو! اپنے محبوب کے سبقت کو اللہ رب تبارک و تعالیٰ یہ قرار دے رہا ہے، اُن پر سبقت کرنا گویا مجھ پر سبقت کرنا ہے۔ اور واقعی دوستو! بات بھی صحیح ہے اس لیے کہ میرا محبوب وہی کہتا ہے جو رب کہتا ہے۔ وہی کرتا ہے جو رب کراتا ہے۔ جو اس نے کیا ہی نہیں وہ رب نے کرایا ہی نہیں۔ رب نے حکم ہی نہیں دیا۔ تو تم آگے بڑھے کیسے؟

دیکھو ملایا کہ نہیں ملایا؟ اس حکم کے اندر بھی اللہ و رسول کو ملایا کہ نہیں؟ آپ ہر چیز کو غور کرتے چلے جاؤ۔ ایسے ہی قرآن کریم کی آیات کو تم دیکھتے چلے جاؤ ہر جگہ دیکھو گے کہ ربّ تبارک و تعالیٰ نے بہت سارے احکامات میں اپنے ساتھ اپنے محبوب کو ملایا۔ اعمال ہی کو دیکھ لو۔

سُنّت کی اھمیت

مختصر سے وقت میں تھوڑی سی بات عرض کروں۔ اعمال کو دیکھ لو کہ ملایا کہاں۔ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ۔ نماز قائم کرو۔ نماز کما حقہ ادا کرتے رہو۔ یہ ہم سے کہا گیا۔ فرض ہو گئی ہے کہ نہیں نماز؟ تو میں پوچھتا ہوں نماز تو فرض ہو گئی اب یہاں کہاں رسول کو ملایا؟ ابھی آپ خود ہی بتائیں گے جب میں آپ سے پوچھوں گا کہ عشاء کی نماز کے کئے رکعت پڑھ

آئے؟ کتنی رکعت پڑھی؟ سترہ۔ اس میں فرض کتنے؟ کہا چار اور باقی سنت، چاہے وہ سنت واجبہ ہو چاہے وہ سنت نفلیہ ہو۔ چاہے وہ سنت مئوکدہ ہو چاہے وہ سنت غیر مئوکدہ ہو۔ تو چار تو پڑھی تم نے خدا والی۔ اور تیرہ (۱۳) پڑھی رسول والی۔ تو خدا نے اپنی عبادت میں ایسا ملا دیا اِدھر بھی سنت اُدھر بھی سنت۔ ملا دیا نا؟ رسول کے عمل کو ملا دیا۔ بہت اچھے انداز سے ملا دیا۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں لوگ بڑے فکر میں ہیں۔ رسول کی یاد مٹا دی جائے۔۔ رسول کی سنت مٹا دی جائے۔ مگر عجیب بات ہے خدا والی چار (۴) پڑھ کے آتے ہیں رسول والی تیرہ پڑھ کے آتے ہیں اور کہتے ہیں سنت مٹا دی جائے! سنت مٹا دیا جائے! اور پھر فجر کا وقت ہوگا تو خدا کی طرف سے گیا پہلے رسول والی پڑھ لو پھر میری والی پڑھنا۔ پہلے رسول والی پڑھ لو تا کہ جاگتے ہی پتہ چل جائے تم رسول والے ہو کہ نہیں۔ کہا میرے والے بن رہے ہو؟ پہلے اسی کو پڑھ لو۔۔ اور اس کے بعد جناب والا جب ظہر کا وقت آتا ہے پہلے بھی رسول والی پڑھنا اور بعد میں بھی رسول والی پڑھنا۔ اور جب عصر کا وقت آیا کہا: یہاں بھی پہلے رسول والی پڑھ لو پھر میری والی پڑھنا۔ اور جب مغرب کا وقت آئے تو تین میری والی اور چار رسول والی۔ اس کو پڑھنا۔ سنت سے تم بچ نہیں سکتے۔ مگر کچھ لوگ اس جگہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ سنت چھوٹ جائے تو اچھا ہی ہے۔۔ اور آپ عرب میں جا کر دیکھیں یہ نجدی سنت پڑھتا ہی نہیں۔ فرض پڑھنے آتا ہے۔ اُن کا امام فرض پڑھ کے بھیجتا ہے سلام اور دعا بھی نہیں مانگتا۔ دعا بھی نہیں مانگتا۔ اتنا تیز بھاگتا ہے کہ اسے پکڑ کر لایا گیا تھا۔۔ اتنی جلدی سلام پھیر کے بھاگتا ہے۔ آپ خیال کریں۔ مگر میں آپ کو بتاؤں اور سوچنے کی بات ہے۔ آپ کے سمجھنے کی بات ہے۔ ارے بھئی اس طرح کی کوشش کرنے سے تم سنت چھوڑو گے تو کیا فرض بھی چھوڑ دو گے؟ فرض تو پڑھو گے نا؟ مگر میں آپ سے پوچھوں گا۔۔ مولانا سے پوچھ لینا یہ جو فرض پڑھ رہے ہو، اس فرض میں کتنا فرض ہے؟ تو کہیں گے سات فرض ہیں۔ اب جو فرض ہے سنا دوں میں آپ کو۔ تحریمہ فرض۔ قیام فرض۔ قرأت فرض۔ سورہ فاتحہ فرض نہیں ہے۔ قرأت فرض۔ رکوع فرض۔ سجدہ فرض۔ آخری بیٹھک (قعدۂ اخیرہ) فرض۔ بالقصد نکل جانا (خروج بصنعہ) فرض۔ سلام کے ذریعہ نہیں۔۔ بس نکل جانا یہ فرض ہے۔ سات تو فرض۔ اگر سنت سے بچنا چاہتے ہو تو فرض مت پڑھنا۔ فرض ہی پڑھنا سنت نہ پڑھنا۔ باقی سب سنت۔ ثنا پڑھا تو سنت، سورۂ فاتحہ پڑھا تو سنت، تسبیح پڑھی تو سنت، سبحان ربی الاعلی پڑھا تو سنت، سبحان ربی العظیم کہا تو سنت۔ تو پڑھو فرض والی نماز جس میں سنت نہ ہو! فرض والی نماز پڑھو۔

تو جانتے ہو؟ کہ فرض والی نماز کو کھڑے ہو گئے۔ کھڑے ہوتے ہی تحریمہ کے بعد یا کوئی آیت سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں اور پڑھ کے فوراً رکوع میں اور رکوع میں جاتے ہی چلے گئے سجدہ میں۔۔ اور فوراً جاؤ اور فوراً آؤ۔۔ پتہ بھی نہیں گیا کہ نہیں گیا۔ پڑھنا وڑھنا کچھ ہے ہی نہیں۔ اٹھنا ہے بیٹھنا ہے۔۔ بس فرض ادا ہو رہا ہے۔۔ اور تم تو سمجھ رہے ہو ہم نماز پڑھ رہے ہیں اور باہر والا سمجھ رہا ہے ورزش کر رہا ہے۔ مگر اگر کوئی ضدی اس بات پر آ جائے چلو بھئی ہم یہی نماز پڑھیں گے مگر سنو! چلو یہی نماز پڑھیں گے۔ قیام تو کرو گے نا؟ یہ تو بھئی فرض ہی ہے۔ رکوع کرو گے، سجدہ کرو گے تو یہ رسول نے کیا تھا یا خدا نے؟ یہ سجدہ رسول نے کیا تھا یا خدا نے؟ ارے یہ سب سنت ہے، قیام بھی سنت ہے، رکوع بھی سنت ہے، سجدہ بھی سنت ہے، بیٹھنا بھی سنت ہے۔ تو رسول کی سنت کو خدا اپنا فرض اس لیے بنا دیا کہ اے محبوب تیری اداؤں کو مٹایا نہ جا سکے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیہ

ذرا آپ خیال کرتے چلو! تو سنت کا معاملہ ہم دیکھ رہے ہیں پوری نماز میں۔ ایسا ہی روزہ رکھو گے تو سحری کھایا تو سنت، افطار کیا تو سنت، بھوکے رہو تو سنت، وہاں سنت ہی سنت ایسے فرض سے لگے ہوئے ہیں کہ جدا نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ الگ

نہیں کیا جا سکتا۔۔ اور حج کرو وہاں بھی ہر چیز سنت ہی ہے۔ کعبہ کا طواف سنت، حجرِ اسود کا بوسہ سنت، مقام ابراہیم کو مصلّٰی بنانا سنت، صفا و مروہ پہ چلنا سنت، عرفات میں ٹھہرنا سنت، مزدلفہ میں رات گذارنا سنت۔ سنت ہی سنت۔۔ ساری عبادتوں پر غور کرو۔ اگر اس میں سے سنت نکال دیا جائے تو کچھ رہتا ہی نہیں۔ آپ خیال کریں۔۔ اور پھر اپنی زندگی دیکھو پیدا ہوئے تو کان میں اذان کہی گئی۔ یہ بھی سنت۔۔ آگے بڑھیے۔ عقیقہ سنت۔ ذرا سا دیکھو! ابھی کوئی فرض کا سوال ہی نہیں۔ سنت شروع۔ یہ تو زندگی کی ابتدا ہے۔ اور مرنے کے بعد کفنایا گیا سنت، دفن کا انتظام کیا گیا سنت، قبر میں لٹایا گیا سنت۔ تو اول بھی سنت آخر بھی سنت۔ اس لیے اگر سنت کو چھوڑ دیا جائے تو اول بھی غائب آخر بھی غائب۔ ذرا سا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ اب تم مجھے بتاؤ اس لیے ہم اپنے کو کیا کہتے ہیں ''اہل سنت''۔ ہم پہلے پیدا ہوتے ہی سنت والے ہوجاتے ہیں۔ اور قبر تک سنت والے بن کر رہتے ہیں۔ تو دیکھو اپنی عبادتوں پر بھی غور کرو تو اللہ و رسول کے بیچ میں تمہیں کوئی تفریق نہیں ملے گی۔ اور اللہ کے رسول کی تعظیم کا احترام کا انداز قرآن بتاتا ہے۔ اس کے لیے بہت وقت کی ضرورت ہے۔ اور ان تمام آیتوں کی تلاوت کرنا اور ان کی وضاحت کرنے کے لیے بڑے وقت کی ضرورت ہے۔

مگر صرف ایک بات عرض کروں: سرکارِ عربی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے سامنے صرف آواز ہی تو بلند ہوئی تھی اور جن کی آواز بلند ہوئی تھی وہ ایک حد تک معذور بھی تھے۔ اس لیے کہ وہ کم سنتے تھے اور جو کم سنتا ہے وہ تیز بولتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے سبھی بہرے ہیں تیز بولتا ہے، کم سے کم وہ تو سن لے تب سمجھتا ہے کہ سامنے والے نے بھی سن لیا۔ تو دیکھو ''حضرت قیس'' (رضی اللہ عنہ) مجرم نہیں تھے ایک مجبوری تھی جو آواز بلند ہوجاتی تھی۔ مگر نہیں دوستو! کیا کہا گیا؟

يَا اَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔

(سورۂ حجرات۔ آیت نمبر 2) ارے! نبی کی آواز پر آواز بلند نہ کرو۔ وہ جان بوجھ کر نہیں ایک معذوری کی وجہ سے بلند ہوجاتی تھی۔ کچھ بلند کرنے کا مقصد نہیں تھا۔ انہیں روکا گیا کہ نبی کی آواز پہ آواز بلند ہونے نہ پائے۔ نبی کو ایسا مت بلاؤ جیسے دوسروں کو بلاتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال ختم نہ کر دیئے جائیں۔

﴿دشمنانِ رسول کی سزا﴾

دیکھو اعمال مٹائے جاتے ہیں ہمیشہ کفر کے اوپر۔ کفر کے بغیر عمل نہیں مٹتا۔ تو گویا قرآن یہاں یہ کہتا ہے کہیں تمہارے اعمال مٹا نہ دیے جائیں۔ اچھا اعمال مٹا دیئے جائیں اور سب سے بڑی سزا کیا ہے تمہیں شعور بھی نہ ہو۔ یہ بڑی مشکل بات ہے۔ اگر اعمال مٹتے ہوں اور شعور بھی ہو تب تو بچنے کی صورت نکلے۔ مثال کے طور پر ہمارے پاس اگر تجوری ہو اور مال بھرا ہوا ہو اور ہوجائے چوری۔ اور تمہیں ہوجائے خبر۔۔ تو پھر بھروگے کہ نہیں؟ جب نکل گیا تو وہ خالی۔ مگر اگر چوری ہوگئی تمہیں پتہ بھی نہیں چلا۔ تو تم سمجھوگے بھری کی بھری ہے۔ لہٰذا اس کو بھرنے کی کوشش تو کروگے نہیں۔ جب ضرورت پڑی تو دیکھوگے تم کنگال ہو۔ تمہارے پاس تو کچھ نہیں ہے۔ تو خدا کی شان دیکھو دشمنانِ رسول کے تعلق سے کتنی بڑی زبردست سزا ہے کہ نہیں۔ کہا کہ تمہارے اعمال نہیں ہوں گے۔ اعمال ہوں گے اور اعمال چھین لیے جائیں گے۔ اور تمہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوگا۔ بے ادبوں کے لیے۔۔ تمہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوگا۔ نماز پڑھتے رہوگے پڑھتے رہو۔ سمجھوگے کہ پورا خزانہ بھرا ہوا ہے، روزے سے بھرا ہوا ہے، زکوٰۃ سے بھرا ہوا ہے، حج سے بھرا ہو ہے، اعمال سے بھرا ہوا ہے۔۔ اور جب قیامت میں پہنچوگے تو دیکھوگے ساری تجوری خالی ہے۔ کچھ نہیں ہے اگر یہیں پتہ چل جاتا تو شاید توبہ کرنے پلٹ آتا مگر تمہیں ایسی سزا دی گئی ہے یہ۔۔ تم نمازی اپنے کو سمجھتے ہو، غازی اپنے کو سمجھتے ہو، حاجی اپنے کو تم سمجھتے ہو، تم اپنے کو خیر خیرات دینے والا سمجھتے ہو۔ مگر خدا کی مشیت یہ ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ تم سے اعمال

کرا بھی رہا ہے اور مٹا بھی رہا ہے۔

﴿ایمان کی روح محبت رسول ھے﴾

دیکھا یہ ایمان کی روح ہے، یہ ایمان کی جان ہے اور ایمان کو بچانے کے لیے واقعی دوستو رسول کا احترام، رسول کی محبت ضروری ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوئی تو قرآن میں اتنا واضح ارشاد تمہیں نہ ملتا۔ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَا كِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ (سورۂ توبہ۔ آیت نمبر 24) اے محبوب یہ کہہ دو! تمہارے یہ بیٹے، تمہارے باپ، تمہارے بھائی، تمہارا خاندان، تمہاری بیویاں، تمہارے جمع کیے ہوئے مال، تمہارے پسندیدہ مکانات، تمہاری تجارتیں جس کے خسارے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے یہ سب تمہیں اللہ اور رسول سے زیادہ محبوب ہیں۔ اللہ کی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں، فَتَرَبَّصُوْا انتظار کرو، کہیں بھی رہو تو انتظار کرو، کہیں بھی رہو تو انتظار کرو۔ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ یہاں تک کے اللہ اپنا امر نازل فرمائے۔

آپ خیال کرو اور سوچو! کہ رسول کی محبت ایمان کی جان کیوں نہ ہو! رسول کی محبت۔ اسی لیے رسول نے کہا: لا یؤمن احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین۔ (متفق علیہ) تم میں سے کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ مجھے ساری کائنات سے زیادہ محبوب نہ بنا لے۔ ایک بات بتایئے۔ یہیں پر میں کہا کرتا ہوں ایمان نام ہے رسول کی محبت کا۔ اور حدیث کے اندر حُبّیت کی بات حدیث میں۔ محبت سے آگے بڑھ کر ایک درجہ ہے حُبِّیت لا یؤمن احد کم حتی اکون احب تو یہ محبت کے بعد کی چیز ہے۔ تو مطلب یہ ہے رسول کی محبت ہے ایمان۔ رسول کا چاہنا ہے ایمان۔۔ اور سب سے زیادہ چاہنا ہے کمال ایمان۔ ایمان کا کمال یہ ہے کہ سب سے زیادہ چاہو اور محبتِ نفس محبت جو ہے وہ ایمان ہے۔ یہاں کہیں تم یہ شبہ نہ کرو کہ قرآن کی ایک آیت پڑھو۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ (سورہ بقرہ۔ آیت نمبر 165) وہ لوگ جو ایمان لا چکے وہ اللہ سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ تو کہیں دماغ میں یہ بات نہ آ جائے کہ اللہ کی محبت کا نام ہے ایمان۔ دماغ میں یہ بات آ سکتی ہے۔ مگر نہیں۔ علما اس کو تمہیں سمجھا دیں گے۔

اگر تم الزامی جواب چاہتے ہو تو اس کا انداز اور ہے۔۔ اور تحقیقی جواب چاہتے ہو تو اس کا انداز اور ہے۔ الزامی جواب تو میں یہ دے کر کہہ دوں گا کہ تم رسول اور خدا کی محبت کو جدا کرنے والے کون؟ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا خدا کی اور رسول کی محبت اور ہے؟ ایسی غلطی کوئی کرتا ہے تو اس کا نتیجہ بڑا بُرا ہوتا ہے۔ ایک چیز کو کبھی دومت سمجھنا۔ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت، خدا کی اطاعت رسول کی اطاعت۔ رسول کی نافرمانی خدا کی نافرمانی، خدا کی نافرمانی رسول کی نافرمانی۔ رسول کا ذکر خدا کا ذکر، خدا کا ذکر رسول کا ذکر۔ دومت کرنا۔۔ ورنہ وہ مشہور لطیفہ جو تم کئی بار سن چکے ہو گے وہ سامنے تمہارے آ جائے گا۔

﴿لطیفہ﴾

وہ ایک تھا نا آنکھ دبی ہوئی جو ایک کو دو دیکھتا تھا۔ ایک مرض۔ تم بھی آنکھ دبا کے دیکھ لو تو ایک دو نظر آئے گا تو وہ ایک کو دو دیکھتا تھا۔ یہ اس کی کمزوری تھی۔ بینائی کی کمزوری تھی۔ ایسے ایک کو دو دیکھنے والا ایک ڈاکٹر کے پاس پہنچا۔ ڈاکٹر صاحب مجھ کو ایک دو نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب بھی اپنا چشمہ ہٹاتے ہیں۔ ہٹا کر کے کہتے ہیں۔ ہماری آنکھوں کو بھی یہی شکایت ہے یعنی ان کو ایک کو آٹھ نظر آتا تھا۔ وہ کیا علاج کریں گے۔ جب ڈاکٹر کو ایک کا آٹھ نظر آئے وہ دو والے کا کیا علاج کرے گا! تو یہ دو والے سے اس کے استاد نے کہا بیٹا جاؤ فلاں جگہ آئینہ رکھا ہوا ہے، اُٹھا لاؤ۔ وہ گیا تو دو آئینے نظر آئے۔ ماسٹر صاحب اِدھر والا یا اُدھر والا لاؤں؟ کہا جاؤ ایک کو پتھر سے توڑ دو، جو دوسرا بچے اس کو اٹھا لاؤ۔ جب گیا

اس نے ایک کو توڑا تو دوسرا بھی ٹوٹ گیا۔ آ کر کہتا ہے ماسٹر صاحب! میں نے تو ایک ہی کو توڑا تھا، یہ دوسرا کیسے ٹوٹ گیا؟ مجھے پتہ ہی نہیں۔ کہا نادان! وہ ایک تھا، تو نے دو سمجھا۔ اس لیے ایک توڑا تو، دوسرا بھی ٹوٹ گیا۔

یہی تو حال ہے محبت خدا اور محبت رسول کے آئینہ کی۔ دو سمجھا جا رہا ہے۔ ایک پر پتھراؤ کیا جا رہا ہے۔ مگر یقین جانو گنبد خضرا پہ پتھراؤ کرنے والے! قیامت کے دن یہ ظاہر ہوگا محبت الٰہی کا شیشہ ٹوٹا ہوا ہے۔ تم تو یہ سوچو گے ہم نے گنبد خضرا پر پتھراؤ کیا تھا یہ کعبہ کا غلاف کیسے جل گیا! تم یہ سوچو گے ہم نے شیشۂ محبت رسول کے اوپر پتھر چلایا تھا یہ آئینہ محبتِ الٰہی کیسے ٹوٹ گیا! جواب ملے گا تیری آنکھ ہی دب گئی تھی۔۔ وہ ایک تھا تو نے دو سمجھ لیا۔۔ ترا ضمیر ہی مردہ ہو چکا تھا۔۔ تیرا ایمان ہی بس مردہ ہو گیا تھا۔

یہ تو بات الگ ہوئی۔ مگر میں تحقیقی جواب کی طرف لے چلوں۔ وَالَّذِينَ آمَنُواْ أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ وہ لوگ جو ایمان لا چکے وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ وہ ایمان لا چکے۔ تو کس چیز سے لائے؟ محبت رسول سے ایمان لائے۔۔ اور جب محبت رسول سے وہ ایمان لائے ہوں گے، اب اللہ کو چاہا ہے۔ تو ایمان نام ہے رسول کی محبت کا اور خدا کی محبت اس ایمان کا نتیجہ ہے، اس ایمان کا ثمرہ ہے۔ اسی لیے جس میں رسول کی محبت نہیں ہوگی اس کا ثمرہ بھی نہیں ملے گا، اس کا نتیجہ بھی نہیں ملے گا۔ تو دوستو! محبت میں بھی ملا یا کہ نہیں ملا یا؟ اور آگے تمہیں لے چلوں۔ بس اب اس سلسلے میں صرف ایک مختصر سی بات۔ دعویٰ کرنے میں تو سبھی کرتے ہیں کہ ہم رسول کے چاہنے والے مگر رسول کے چاہنے والوں کی کوئی ایسی مثال، ایسی تعریف جو سب سمجھ لیں اور وہ بھی قرآن کے معیار سے اور قرآن کی روشنی کے مطابق۔ تو بس ایک بات سمجھ لو۔ کسی کے چاہنے کا کم سے کم درجہ۔۔ میں اونچے درجے کی بات نہیں کرتا۔ مگر یہ کہوں کہ رسول کو ایسا چاہو جیسا صدیق اکبر نے چاہا، رسول کو ایسا چاہو جیسا فاروق اعظم نے چاہا، رسول کو ایسا چاہو جیسا بلال حبشی نے چاہا، یہ بات میں کہوں گا

تو آپ سر پکڑ کر بھاگیں گے، سمجھ ہی نہ پائیں گے۔ حالانکہ ایسا چاہا تو پھر کیا مقام؟ کیا اس کی منزل ہے؟ میں تو یہ کہتا ہوں رسول کو ایسا چاہو جس کے نیچے چاہنے کا کوئی درجہ ہی نہیں۔ کم سے کم اتنا تو چاہو، کم سے کم رسول کو اتنا تو چاہو جس کے نیچے چاہنے کا کوئی درجہ ہی نہیں۔ وہ کونسا درجہ ہے؟ چاہنے کا مطلب یہ ہے کہ رسول کے دوستوں کو دوست بنا لو۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ۔ (سورہ مجادلہ۔ آیت نمبر 22) تم کسی ایسی قوم کو پا ہی نہیں سکتے جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لائیں اور محبت کریں ایسوں سے جو اللہ اور رسول کے دشمن ہوں۔ چاہے وہ باپ ہو، چاہے وہ بیٹا ہو، چاہے وہ بھائی ہو، چاہے وہ خاندان ہو۔ اتنی وضاحت قرآن کر رہا ہے۔ ایسا کوئی مومن نہیں مل سکتا جو اللہ اور رسول کے دشمنوں سے دوستی کرے۔ ہاں ان کے دشمنوں کا جب دشمن وہ ہوگا تو سمجھ لو اس کے ایمان کو روح مل گئی۔ أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ اللہ ان کے قلبوں پر ایمان کی مہر لگا دیتا ہے۔ کن پر مہر لگا دیتا ہے؟ جو رسول کے دشمنوں کو دشمن سمجھیں اور رسول کے دوستوں کو دوست سمجھیں۔ وہ ان کے دلوں پر ایمان کی مہر لگا دیتا ہے۔ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا اور ان کو جنت الفردوس میں پہنچا دیتا ہے۔ ذرا سا دیکھو صرف اتنا ہی نہیں۔ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ۔ (سورہ مجادلہ۔ آیت نمبر 22) اللہ ان سے راضی ہو جاتا ہے اور یہ بھی اس کی نوازش ہے، اللہ کی نوازش ہے حالانکہ بندے کی رضا کو دیکھنے کی بات ہی کیا ہے! اس کا کام دیکھو کہتا یہ ہے بندہ بھی راضی ہو جاتا ہے خدا بھی راضی ہو جاتا ہے۔ ؎

محمد کی محبت ہے سند آزاد ہونے کی خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

☪ ☪ ☪ ☪

خطبہ سوم

نوان: ذکرِ خدا

بمقام: حیدر آباد، انڈیا

اَلْفَاتِحَہ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
وَ اٰلِہ وَاَصْحَابِہ اَجْمَعِیْنَ۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمْ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیمْ۔
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِھَا
وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُورِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمْ
فَاذْکُرُوْنِیٓ أَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْن
(سورہ بقرہ، آیت نمبر 152)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیمْ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیمْ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیمْ۔
وَنَفَعْنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیمْ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔

جو بے اثر ہو کے رہ نہ جائے بلند وہ دست التجا کر
دعا سے کب روکتا ہوں تجھ کو مگر سمجھ بوجھ کے دعا کر
نبی سے ہٹ کر کبھی کسی کو خدا ملا ہے نہ مل سکے گا
خدا کے بندے نبی کا ہو کر خدا خدا کر، خدا خدا کر

نہ تخت و تاج نہ سیم وگہر کی بات کرو　　جو خیر چاہو تو خیر البشر کی بات کرو
حجر کے روپ میں یاقوت کو حجر نہ کہو　　بشر کے بھیس میں لا کالبشر کی بات کرو
سمجھ سکے نہ جو اسرار ایکم مثلی　　وہ کم نظر ہیں کسی دیدہ ور کی بات کرو
(شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی اختر کچھوچھوی)

اگر خموش رہوں تو تو ہی سب کچھ ہے　　جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود
(اصغر گونڈوی)

بارگاہِ رسالت اور آلِ رسالت میں درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں:

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیہ

ایک بار اور ہدیۂ صلوٰۃ پیش فرمائیں

صلی اللّٰہ علی النبی الامی و آلہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم
صلوٰۃ و سلاما علیک یارسول اللّٰہ

ایک بار اور نذرانۂ درود پیش فرمائیں

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیہ

فاذکرونی اذکرکم------------تم میرا ذکر کرو! میں تمہارا ذکر کروں گا۔
فاذکرونی اذکرکم-------تم مجھے یاد رکھو! میں تمہیں یاد رکھوں گا۔
فاذکرونی اذکرکم---------تم میرا چرچا کرو! میں تمہارا چرچا کروں گا۔
و اشکروالی ولاتکفرون---تم میرے شکر گذار بندے بنے رہو اور میری نعمتوں کا انکار نہ کرو!

﴿نعمت خداوندی﴾

میں نے جس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، اس میں دعوت دی جا رہی ہے یاد رکھنے کی۔ اس ہستی کو یاد کرنے کی جس نے ہمیں سراپا وجود بخشا، جس نے ہمیں زندگی دی ہے اور زندگی گذارنے کے اسباب فراہم فرمائے، جس نے ہمیں آنکھیں عطا فرمائیں اور آنکھوں کے ایک نقطے کو نور کا سرچشمہ بنایا ہے۔ جس نے ہمیں کان دیے ہیں اور کانوں کے پردوں کو نغمات کا مرکز بنا دیا۔ جس نے ہمیں قوت گویائی دی، جس نے ہمیں دماغ دیا اور دماغ کو سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت دی۔ مختصر یہ ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اسی کا دیا ہوا ہے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں، جدھر نظر اٹھاؤ اُسی کی دنیا ہے۔ زمین کا فرش اُسی نے بچھایا، یہ آسمان کا شامیانہ اُسی نے لگایا ہے، یہ چاند و سورج کے چراغ اُسی نے جلائے، یہ ستاروں کی قندیلیں اُسی نے روشن کئے ہیں، یہ آبشار کے نغمے اُسی نے جاری کیے ہیں، یہ دریا کو رواں دواں اُسی نے کیے ہیں۔ ذرا دیکھو! کسی طرف بھی نظر اٹھا کے دیکھو اُسی کی دنیا اور اگر نظر کو بند کر لو تو نگاہوں کے سامنے جو تاریکی آئی ہے یہ بھی اُسی کی پیدا کی ہوئی۔ نظر بند کرو اُسی کی دنیا، نظر کھولو اُسی کی دنیا، اپنے کو دیکھو اُسی کی دنیا باہر دیکھو تو اُسی کی دنیا۔ کیا ایسے کو فراموش کیا جا سکتا ہے؟ سوال یہ کہ، کیا ایسے کو بھلایا جا سکتا ہے؟ عقل کا تو تقاضا یہی ہے کہ ایسے کو نہیں بھلانا چاہیے۔ مگر تم بھلاتے ضرور ہو۔ اس لیے اگر تم بھلاتے نہیں ہو تو پھر وہ یاد دہانی کیوں کرا رہا ہے! یاد رکھنے کی دعوت کیوں دے رہا ہے! عقل تو یہی ہے، سمجھ کا تقاضا یہی تھا، فراست تو یہی چاہتی ہے کہ ایسے کو فراموش نہ کیا جائے۔

اس لیے میں مثال دوں۔ یہ رمال بہت معمولی سا ہے، اگر میں کسی کو دے دوں تو اس کی زندگی کا کوئی مسئلہ رمال حل نہیں کر سکتا، اگر وہ بھوکا ہے تو اسے اس کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ اگر اسے ستر پوشی کی ضرورت ہے تو اس سے کامل ستر پوشی نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ بیمار ہے تو اس سے علاج نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ پیاسا ہے تو اس سے اُس کی پیاس نہیں بجھ سکتی۔ ایک معمولی بے قیمت سا رمال، میں آپ کو دیدوں، لے لیا آپ نے۔ حالانکہ آپ جانتے ہیں یہ آپ کی کسی ضرورت کے لیے کافی نہیں اور صرف اسی رومال کو آپ لے گئے اور اپنے گھر کی کسی کھونٹی پہ ٹانگ دیا۔ مگر میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں چاہے یہ کتنا ہی بے قیمت کیوں نہ ہو اور کتنا ہی آپ کے لیے غیر ضروری کیوں نہ ہو، مگر جب اس رُمال پر آپ کی نظر پڑے گی فوراً دینے والا یاد آئے گا۔ فلاں نے یہ رومال دیا۔ تو کتنی حیرت کی

بات ہے! ایک چھوٹا سا رُمال دیکھو تو دینے والا یاد آئے اور پوری زمین دیکھ رہے ہیں، خدا یاد نہیں آرہا ہے! پورا آسمان دیکھ رہے ہیں، خدا یاد نہیں آرہا ہے! چاند اور سورج کی روشنی سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، خدا یاد نہیں آرہا ہے! ہواؤں میں سانس لے رہے ہیں، خدا یاد نہیں آرہا ہے! دریاؤں سے پیاس بجھا رہے ہیں، خدا یاد نہیں آرہا ہے! اب بتاؤ وہ فراست جو رُمال کو دیکھ کر مالک کو یاد کراتی تھی وہ کہاں چلی گئی؟ اور یہ خیر۔۔ دینے لینے کی بات آئی۔۔ کبھی کبھی بعض واقعات بھی ہوتے ہیں۔۔۔ یہ آدمی کو یاد رہتے ہیں۔۔۔

﴿لطیفه﴾

وہ آپ نے قصہ سنا ہوگا جب ایک دوست نے اپنے دوست سے انگوٹھی مانگی تھی، یہ انگوٹھی تُو مجھے دیدے۔ تو اُس نے کہا تھا: کیا کرو گے؟ کہا جب میں یہ انگوٹھی کو دیکھوں گا تو تیری یاد آئے گی۔ کہا: اچھا تُو مجھے یاد کرنا چاہتا ہے، جب انگلی خالی دیکھ لینا تم مجھے یاد کر لینا، فلاں سے انگوٹھی مانگی تھی نہیں دیا۔ تو یاد رکھنے کے لیے یہ ضروری نہیں کہ کچھ دیا ہی جائے۔۔۔

﴿دل کو سنوارو!﴾

آپ خیال کریں۔ آپ کہیں گے نہیں صاحب! خدا کو کوئی کیسے فراموش کر سکتا ہے! اگر خدا کو فراموش نہیں کرتے تو خدا کہتا کیوں ہے کہ تم مجھے یاد رکھو! ہونا تو نہیں چاہیے، خدا کو فراموش تو نہیں کرنا چاہیے۔ مگر کرتے ضرور ہو۔ دیکھو جس کو تم دل کہتے ہو، یہ قلب، اس کی حیثیت ایک بادشاہ کی اور اعضا و جوارح اس کی رعایا۔ یہ دل اگر بگڑتا ہے تو سارا بدن بگڑتا ہے اور اگر یہ دل سدھر جاتا ہے تو سارا جسم سدھر جاتا ہے۔ آج چند دکھتی ہوئی رگوں کے اوپر میں ہاتھ رکھنا چاہتا ہوں۔ دل کی بڑی اہمیت ہے، یہ سنور جائے تو پورا جسم سنور جائے اور دل کی جو کیفیت ہوتی ہے وہ اعضاء و جوراح سے ظاہر ہوتی ہے۔ یہ وہ رعایا نہیں ہے جو اپنے حاکم کے حکم کی سرتابی کرے۔ دل میں خیال آئے سارے اعضا و

جوراح تعمیل کے لیے تیار، دل میں کوئی بات آئی اب دماغ اس طرف سوچ رہا ہے، پیر اُس طرف جا رہا ہے، ہاتھ اُسی کام کے لیے اٹھ رہا ہے، نظر اُسی سمت جا رہی ہے، جدھر دل لیے جا رہا ہے، دل جو سننا چاہتا ہے کان سننے کے لیے تیار ہے، دل جو دیکھنا چاہتا ہے نظر دیکھنے کے لیے تیار ہے، دل جو کھانا چاہتا ہے زبان چکھنے کے لیے تیار ہے، دل جہاں جانا چاہتا ہے قدم چلنے کے لیے تیار ہے۔ تو یہ بگڑتا ہے تو سب بگڑتا جاتا ہے۔ یہ بنتا ہے تو سب بن جاتا ہے۔ یہی دل کا معاملہ ہے۔۔

اسی لیے میں تھوڑی سی مثال دوں تو بات سمجھ میں آئے کہ دل کے اندر غصہ ہو تو چہرے پر غصہ کی تمازت (گرمی) ہوتی ہے، چہرا سرخ ہوگا کہ نہیں؟ ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ دل میں غصہ ہو اور چہرے پر اس کا اثر نہ ہو! کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ دل میں ندامت ہو اور چہرے پر شرمندگی کا اثر نہ ہو، کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ دل میں غم ہو اور چہرے پر پژمردگی کا اثر نہ ہو، کیا ایسا ہوسکتا ہے؟ دل میں انبساط ہو اور چہرے پر مسرت کے آثار نہ ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ دل میں خدا کی یاد ہو اعمال سے خدا کی نافرمانی ہو! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿دل کی بات چھپائی نہیں جاسکتی﴾

دل کی بات چھپائی نہیں جاسکتی، دل میں جو چیز ہے چھلک ہی جائے گی۔ دیکھو! یہ اور بات ہے چھلکنے سے پہلے آپ کی حالت کیا تھی، ہوسکتا ہے چھلکنے سے پہلے آپ کو عبادت والا گنا جا رہا ہے، آپ ریاضت والے، آپ مجاہدے والے، آپ عبادت والے۔ مگر دل میں اگر کوئی کھٹک پیدا ہوگی نہ عبادت بچا پاتی ہے، نہ عمل بچا پاتا ہے، نہ علم بچا پاتا ہے، نہ فراست بچا پاتی ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا چھ (٦) کروڑ برس تک عبادت

کرنے والے نے عبادت کیا، ریاضت کیا، مشقت کیا، گروہِ ملائکہ میں شامل کر دیا گیا، جنت کی ہوائیں کھانے لگا۔ اب آپ خیال کرو! عام ملائکہ کو درس دینے لگا یہاں تک پہنچ گیا۔ مگر جب اس کو یہ کہا گیا اُسجُدُوۡا لِاٰدَمَ۔ آدم کو سجدہ کرو! اب نبی کی دل میں عظمت نہیں تھی تو کم سے کم تقیہ بھی تو کر سکتا تھا نا۔ چلو آج جھک جاؤ بعد میں دیکھیں گے۔ کچھ مصلحت، کچھ حکمت، یہ باتیں بھی لاسکتا تھا نا۔ مگر نہیں۔ جب دل میں عظمت نہیں تو عظمت کے لیے کیوں جھکے۔ جھکنا تو دوسری بات ہے۔ تو معلوم ہوا کہ دل کے جو خیالات ہیں وہ ایسا مسلط ہو جاتے ہیں کہ سارے اعضاء و جوارح اس کے تابع نظر آتے ہیں۔ ملائکہ کے دل میں عظمت تھی، بلا تکلیف جھک گئے اس کے دل میں عظمت نہیں تھی، یہ چھپا نہ سکا، یہ اپنے کو چھپا نہ سکا۔ توحید کے کلمات بولتا رہا اور اس کے بعد نتیجے سے بھی باخبر ہو گیا، نتیجے سے باخبر ہونے کے باوجود اپنی بات پر اٹل رہا۔

﴿عالم و عابد کیسے بھک سکتے ہیں؟﴾

ذرا دیکھو! اچھا ہوا علم بچا نہ سکا، عبادت نہیں بچا سکی، عمل نہیں بچا سکا۔ ابھی ہمارے مولانا کاظم پاشاہ صاحب۔ اب اگر کبھی تقریر کریں، کبھی تقریر کرائیں، ابھی یہ فاضل مقرر تقریر کر کے گئے، وہ آ کر گئے، پھر ایک بات کہی تو آپ کو بہت حیرت ہوگی، بہت حیرت ہوگی۔ مگر وہ حیرت دو منٹ میں ختم ہو جائے گی، منٹوں کے اندر ختم ہو جاتی ہے۔ یہ حیرت کیا؟ اگر آ کر یہ کہیں سنو! ایک عجیب غریب واقعہ، ایک بہت بڑا علم والا بہک گیا۔ پوچھا، اس کے علم کا حال کیا ہے؟ وہ بخاری پڑھتا بھی تھا، پڑھاتا بھی تھا، بخاری اس نے پڑھائی، مسلم اس نے پڑھائی، نسائی اس نے پڑھائی، ابن ماجہ اس نے پڑھائی، احادیث کی کتابیں پڑھائی، بڑا علم والا تھا، بڑے بڑے دار العلوم اس نے بنائے، نہ جانے کتنوں کے سروں پہ پگڑی لپیٹ کر باہر کر دیا، معلوم نہیں کتنوں کو سندیں دیدی، بڑا علم والا تھا۔ اور عبادت بھی بہت ہے، ریاضت بھی بہت ہے، سجدے بھی بہت ہیں، بہک گیا۔ بہک گیا۔

تو آپ کہیں گے، بھئی یہ نہ جانے یہ کہاں کی بولی بول رہے ہیں، یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ایک طرف کہتے ہیں کہ بخاری پڑھاتا ہے، ایک طرف تفسیر پڑھاتا ہے، فقہ پڑھاتا ہے، یہ پڑھاتا ہے۔ پڑھاتا ہی نہیں تفسیر لکھتا بھی ہے۔ حدیث پڑھاتا ہے۔ حدیث پڑھاتا ہی نہیں بلکہ حدیث کی شرح بھی کرتا ہے۔ قرآن پڑھاتا ہی نہیں، ترجمہ بھی کرتا ہے۔ ایک طرف کہتے ہو عبادت کر رہا ہے، ریاضت کر رہا ہے، تہجد پڑھ رہا ہے، اشراق پڑھ رہا ہے، چاشت پڑھ رہا ہے، ۔ سب پڑھا۔ دوسری بات یہ کہہ رہے ہیں بہک گیا۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ عبادت کرنے والا بہک گیا، عمل کرنے والا بہک گیا، ریاضت کرنے والا بہک گیا، مجاہدے والا بہک گیا، سجدے کرنے والا بہک گیا، خدا کی پہچان کرانے والا بہک گیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ مولانا کاظم پاشاہ صاحب کو کچھ بولنے کی ضرورت ہی نہیں، ابلیس خود آ کے کہے گا: اے لوگو جیسا میں بہک گیا۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

تو بہکنے کے لیے کچھ رکھا ہی نہیں، کوئی کبھی بھی بہک سکتا ہے۔ دیکھو! بچانے کی چیز کیا ہے؟ اللہ کا فضل ہے، اس کی توفیق ہے۔ فضل کا سایہ ہٹا، بہک گیا۔ تو عمل بھی نہیں بچا سکتا۔۔۔

﴿اسلام دل کو صاف کرنا چاھتا ھے﴾

دل کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اس میں کوئی کیفیت پیدا ہوئی اسے چھپایا نہیں جا سکتا۔ اس چیز کو آپ نے اچھی طرح سے سمجھ لیا۔ تو آپ یہ بھی سمجھ لیں۔ اسلام کی نظر دل پر بہت ہے، اسلام دل کو صاف کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے وہ سمجھتا ہے دنیا والے عجیب ہیں! دل پر خیال نہیں کرتے۔ لوگ کہتے ہیں زمانہ بدل گیا، صاحب! زمانہ بدل گیا۔ میں پوچھتا ہوں کیا بدل گیا؟ کیا یہ زمین بدل گئی؟ کیا یہ آسمان بدل گیا؟ کیا یہ چاند و سورج بدل

گئے؟ کیا یہ ہوائیں بدل گئیں؟ کیا یہ گردشِ لیل ونہار بدل گئی؟ کیا چیز بدلی؟ کیسے کہتے ہو زمانہ بدل گیا۔ کیا آبشار کے نغمے بدل گئے؟، پھولوں کی مہک بدل گئی؟ دریا کی روانی بدل گئی؟ طائروں کی آواز بدل گئی؟ کیا چیز بدل گئی؟ غلط کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ دِل بدل گیا۔ اصل میں کچھ بھی نہیں بدلا، بگڑا جو ہے وہ دل بگڑا ہے، نہ زمین بگڑی ہے، نہ آسمان بگڑا ہے، نہ سورج بگڑا ہے، نہ چاند بگڑا ہے۔ مگر دل بگڑ گیا ہے۔ اس لیے ساری دنیا بگڑ گئی۔ کیا کہتے ہیں۔ نظر بہک گئی، کان بہک گئے، زبان بہک گئی، قلم بہک گیا، قدم بہک گیا، دل بہک گیا، دل بہک گیا۔ دل بہکا تو نظر بہک گئی، دل بہکا تو کان بہک گئے، دل بہکا تو قلم بہک گیا، دل بہکا تو قدم بہک گئے۔ سچی بات تو یہ ہے۔ تو دل کا معاملہ ایسا ہے۔ اسلام کی بڑی خاص نظر اس دل پر ہے، اس چھوٹی سی دنیا کو سنوار لو ساری دنیا کو سنوارنے کے چکر میں، تم چلے ساری دنیا کو سنوارنے کے لیے، فضاؤں میں تیر رہے ہو، مریخ پر کمندیں ڈال رہے ہو، چاند پر دستک دے رہے ہو، سورج کی شعاعوں کی تسخیر کر رہے ہو، دریا کا کلیجہ چیر رہے ہو، ایٹمی تجربات کر رہے ہو، سائنٹفک (Scientific) استفسار کر رہے ہو۔ کچھ نہیں۔ دنیا اس طرح سے سنور نہیں سکتی۔ دنیا میں پر واز کرنے سے تم دنیا کو نہیں سنوار سکتے، سنوارنا ہے تو دل سنوار لے، اگر دل سنور گیا تو سب سنور جائے گا۔ اگر یہ دل بگڑا رہا تو جب تک یہ دل بگڑا رہے گا۔ تمہاری کوئی ترقی دنیا کو سنوار نہیں سکتی۔

﴿دل کو صاف کرنے کا نسخہ﴾

اسی لیے آپ دیکھیں اسلام نے دل کی صفائی کے لیے بہت زور دیا ہے۔ قَدۡ أَفۡلَحَ مَنۡ تَزَكَّىٰ۔ (سورہ اعلیٰ، آیت نمبر 14) وہ کامیاب نہیں ہے جس کا دل ستھرا نہیں ہے۔ کامیاب وہ ہے جو اپنے دل کو ستھرا بنالیا۔ کامیاب وہ ہے جو پاک وصاف کرلیا، مجلّٰی و مصفّٰی بنالیا۔ مگر میں سوچنے لگا، دل کو صاف کرنے کی بات آئی۔ کپڑے کو پاک کرنے کی بات آئی تو ہم صابن لے آتے، جسم کو صاف کرنے کی بات آتی تو ہم اِدھر اُدھر سے پاوڈر لاتے، یہ کپڑا اس پاوڈر سے صاف کرلو۔ جسم یہ صابن سے صاف کرلو۔ اچھا دل کو صاف کرنے کے لیے کوئی پاوڈر ہے؟ کوئی صابن ہے؟ دل صاف کرنے کے لیے؟ آؤ ساری دنیا کو سنوارنے کا اعتراف کرنے والوں کے پاس۔ جاؤ جاؤ امریکہ کی سیر کرو! روس جاؤ! جاپان جاؤ! دنیا کے ترقی یافتہ ممالک کی سیر کرو! پوچھو تم نے سر سے پیر تک جسم کو، کپڑے کو، مکان کو، میدان کو، فرش کو ہر چیز کو صاف کرنے کی مختلف چیزیں تیار کی، کبھی دل کو صاف کرنے کی بھی کوئی چیز ہے؟ تو کہیں گے: سنو! جس چیز کی نجاست یا جس چیز کی غلاظت یا جس چیز کی خرابی ہم دیکھ سکتے ہیں، ہم معلوم کر سکتے ہیں اس کے صاف کرنے کا طریقہ نکال سکتے ہیں، جسم کی گندگی کا ہمیں پتہ ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کس طرح صاف کر سکتے ہیں۔ کپڑے کی نجاست ہم سمجھ سکتے ہیں، کس طرح صاف کر سکتے ہیں۔ مگر دل کی کیا بیماری ہے؟ دل کو کیسے صاف کیا جائے؟ یہ بہت مشکل مسئلہ ہے۔ وہ اسلام جو دل کی صفائی پر زور دے رہا ہے۔ چلو اسی اسلام سے پوچھا جائے، آخر تیرے پاس کیا نسخہ ہے؟ دل کیسے ہم صاف کریں؟ تیرے پاس کیا نسخہ ہے؟ وَيُزَكِّيهِمۡ۔ (سورہ بقرہ آیت نمبر 129) میرا رسول ہے جو دل صاف کرتا ہے، میرا رسول ہے جو دل صاف کرتا ہے۔ وہ کسی پاوڈر کو استعمال نہیں کرتا، اس کے دل صاف کرنے کا عجیب انداز ہے! نظر ڈال دی، دل صاف ہوگیا، ہاتھ رکھ دیا دل صاف ہوگیا، کچھ ارشاد کر دیا، دل صاف ہوگیا۔ میرے رسول جس چیز کو صاف کرنے پہ آئیں نگاہ ڈال دیں۔۔ دیکھو عمر کو، سرکار کی صحبت میں گئے دل صاف ہوگیا۔ ؎

عمر سوئے نبی گئے اور نظر سوئے عمر گئی پڑی نگاہِ مصطفیٰ تو زندگی سنور گئی

ذرا سا دیکھو! یہ رسول کا صاف کرنا۔ ایسی تطہیر حاصل ہوتی ہے، ایسی طہارت حاصل ہوتی ہے، دنیا کی کوئی چیز ایسی وہ صفائی نہیں دے سکتی۔

﴿نگاہِ مصطفیٰ کا کمال﴾

اور واقعی دوستو! یہیں پر آپ سوچیں! وہ ایک عجیب سوال اٹھتا ہے، سوچنے کے لائق بھی ہے۔ وہ یہ تو متفقہ عقیدہ ہے۔ کوئی غیر صحابی صحابی کی طرح نہیں ہوسکتا ہے نا۔ متفقہ عقیدہ۔ جب فضیلت میں کوئی غیر صحابی، صحابی کی طرح نہیں ہوسکتا۔

اب مجھے بتاؤ کس بات پہ نہیں ہوسکتا۔ بات کیا ہے؟ سوچنے کی بات یہ ہے غیر صحابی، صحابی کی طرح کیوں نہیں ہوسکتا؟ آپ کہتے ہیں علم۔ یہاں مقتدر علمائے کرام بیٹھے ہوئے ہیں اور بہت ذمہ داری سے عرض کر رہا ہوں۔ کہ میں غیر صحابیوں میں بعض علما کو جانتا ہوں، بعض ایسے ائمہ کو جانتا ہوں جو اپنے علم وتقویٰ میں بہت سارے صحابہ سے زیادہ فضیلت رکھتے ہیں۔ علم کی برتری کی باتیں کر رہا ہوں۔ صحابہ کی جماعت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش جو صحابہ تھے اگر اُس میں امام اعظم کو تلاش کروں۔ ذرا بتاؤ میں امام اعظم کو پیش کروں گا، میں امام شافعی کو پیش کروں گا، میں امام مالک کو پیش کروں گا، میں امام احمد بن حنبل کو پیش کروں گا۔ یہ مجتہدین علماء، یقیناً علم میں اُن صحابہ سے برتری رکھتے تھے جو مقلد تھے۔ پھر معلوم ہوا علم میں برتری ہوسکتی ہے۔ اور عمل کی بات میں غیر صحابی لوگوں کو۔۔ ایسے عمل کرنے والوں کو دیکھ رہا ہوں۔۔ جاؤ خواجہ اجمیری سے پوچھو، غوث اعظم کی ریاضت کیا تھی؟ جاؤ بزرگان دین کے چلّہ گاہوں سے پوچھو، جاؤ خواجہ اجمیری کی عبادت گاہوں سے پوچھو، میں کیسے کہہ دوں کہ عبادت کی تعداد میں وہ کم تھے۔ مجھے سمجھاؤ کس بات میں صحابی کا مقابلہ نہیں ہوسکتا؟ کیوں نہیں ہوسکتا؟ تو آپ بتائیں گے کہ بھئی صحابی کو ایک شرف ایسا ملا ہے، کوئی کتنا ہی علم والا کیوں نا ہو، کوئی کتنی ہی ریاضت والا کیوں نہ ہو، وہ لوگ جو کتابوں سے بڑھے ہیں اور ہیں، وہ لوگ جو مصلّے سے بڑھے ہیں اور ہیں، وہ لوگ جو محرابِ عبادت سے بڑھے ہیں اور ہیں، وہ لوگ جو مصطفیٰ کی صحبت سے بڑھے ہیں اور ہیں، وہ لوگ جو زیارت رسول سے بڑھے ہیں اور ہیں۔ زندگی بھر تم کعبہ کو دیکھتے رہو گے حاجی بن کے رہو گے، زندگی بھر قرآن پڑھتے رہو قاری بن کے رہو گے، یہ کون سا چہرہ ہے جسے دیکھو تو صحابی بن جاؤ۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

دیکھو وہ چہرۂ رسول ہے۔ اور میں اس کو ایسے معقول انداز سے پیش کروں گا جو آپ کی سمجھ میں آئے۔ جو نور سے قریب رہنے والا ہے یقیناً وہ قدآور ہوتا ہے، یقینا وہ قدآور ہوتا ہے۔ اس کی مثال میں ایسی دے دوں۔ دیکھو! کل جا کے آزمانا۔ ایک کمرے میں بالکل دیوار سے لگا کر ایک موم بتی جلا دو، اس کی لو ہو گی اور اسی کے سامنے والی دیوار سے مل کے کھڑے ہو جاؤ۔ اِدھر جلا دیا اُدھر مل کے کھڑے ہو جاؤ۔ تو جانتے ہو تمہارا سایہ تمہارے قد کے برابر ہوگا۔ موم بتی اس دیوار پر اور آپ مل کے کھڑے ہیں اس دیوار سے۔ تو پیمائش کر لینا تمہارا سایہ تمہارے قد کے برابر ہوگا۔ اب ذرا موم بتی کے قریب چلو تم بڑھتے ہو تمہارا سایہ بڑھ رہا ہے، جیسے تم بڑھتے چلے گئے سایہ بھی بڑھتا چلا گیا۔ اور جب موم بتی کے بالکل قریب پہنچ گئے، اب موم بتی کا نور نہیں، تمہارا سایہ ہوگا، موم بتی کا نور نہیں دکھائی پڑ رہا ہے، تمہارا سایہ ہے۔ موم بتی کا نور دکھائی نہیں پڑ رہا ہے، اب تمہارا سایہ پورے کمرے میں ہے۔ اب جس کو تیرے سائے میں رہنا ہے وہ آئے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ارے یہ میں تو جسم کی بات کر رہا ہوں۔ میں تو کہہ رہا ہوں موم بتی کی لو سے انگوٹھا لگا دو پورا جسم نہیں، قرب کا فیض دکھا رہا ہوں۔ ایک انگوٹھے کو موم بتی کی لو سے لگا دو پورے کمرے میں تمہارے انگوٹھے کا سایہ ہوگا۔

نظرت الیٰ بلاد اللہ جمعا   کخردلة علیٰ حکم اتصال   (قصیدۂ غوثیہ)

ذرا آپ خیال کریں۔ پورے کمرے میں تمہارے انگوٹھے کا سایہ ہوگا۔ تو صحابۂ کرام مرکزِ نور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب، اس لیے قریب تھے نا، آگے نور ہی نور تھا۔ سایہ آگے نہیں بڑھتا پیچھے بڑھا کرتا ہے۔ وہ دیکھ رہے ہیں تو نور ہی نور ہے اور پیچھے والے کو سمجھنا چاہیے تھا کہ جسے وہ ظلمت سمجھ رہا ہے، یہ اُسی نور کا بنایا ہوا سایہ ہے۔ جسے وہ ظلمت سمجھ رہا ہے، یہ اُسی نور کا ظاہر کیا ہوا سایہ ہے۔ دیکھو صحابہ کے پیچھے تابعین آئے، تابعین کے پیچھے تبع تابعین آئے، ان کے سائے میں وہ آئے۔ ذرا سا پورا نظام ہی ایسا ہے۔ اور دیکھو جو جتنا آگے رہا، اس کا سایہ اتنا ہی دور جائے گا، اتنا ہی دور ہو جائے گا۔ تو صحابہ اتنا آگے ہو گئے کہ میرے نبی نے ان کے سائے کو پوری دنیا میں پھیلا دیا، ان کے سائے کو اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ (مشکوٰۃ شریف، باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث) جس کے بھی پیچھے تم رہو گے، سرکار کے فیض سے تم محروم نہیں رہ سکتے۔ تو آپ خیال کرتے چلے جاؤ کہ نور کے قریب جو ہوتا جائے گا وہ یقیناً قد آور۔۔۔ اور یہ خصوصیت پیچھے والے کو نہیں مل سکتی، نہ عبادت سے مل سکتی ہے، نہ علم سے مل سکتی ہے، نہ عمل سے مل سکتی ہے۔ اچھی طرح سے سوچنے اور سمجھنے کی بات ہے۔ وہ صحابۂ کرام نبی کی زیارت کی، دل صاف ہو گیا۔

تم حضرت فضالہ (حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالی عنہ) کا واقعہ یاد کرو۔ تاریخ کے اس تراشے کو نگاہوں کے سامنے رکھو۔ ابھی ایمان نہیں لائے ہیں، خنجر چھپائے ہوئے ہیں، آستین میں خنجر چھپائے ہوئے ہیں۔ اور خیال یہ ہے چلو محمد عربی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) موقع سے مل جائیں تو کام تمام کر دیں (نعوذ باللہ) کعبے کا چکر لگا رہے ہیں، سرکار بھی آگے کعبے کا چکر لگا رہے ہیں۔ سرکار نے دیکھا، اے فضالہ! کیا سوچ رہے ہو؟ میں تو کعبے کا چکر لگا رہا ہوں۔ دیکھو عبادت کا بہانہ ہے۔ تو اس طرح کے چکر لگانے والوں کے چکر میں نہیں آنا، بہانہ عبادت کا ہے اور نبی کے لیے برے خیال ہیں، نبی کے لیے برے خیال ہیں۔ عبادت کا بہانہ ہے۔ تو نبی نے دیکھا، کیا سوچتے ہو؟ میں تو چکر لگا رہا ہوں اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ۔ میں تو چکر لگا رہا ہوں۔ تو سرکار اور قریب آئے، اور قریب آئے۔ اس لیے کہ سمجھ چکے تھے کہ اس کے دل میں ایمان ہے۔ قریب آئے، آ کے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ دیا، دل روشن ہو گیا۔ اور وہ پلٹ کے چلے، تو وہ عورت جو پہلے سے آشنائی تھی اس نے آواز دی، اپنی طرف بلانا چاہا، حضرت فضالہ نے کہا: یہ وہ فضالہ جو تیرے پاس بلانے سے جاتا تھا وہ مر چکا ہے، وہ مریض تھا، یہ صحت مند ہے، وہ فضالہ مر چکا۔ اس لیے اسلام پورا زور دل کی صفائی پر خرچ کر رہا ہے۔ تمہیں اس کے بعد راستہ بتا دیا۔ وَیُزَکِّیْھِمْ۔ یہ رسول ہیں جو دل صاف کرتے ہیں۔ سرکار کا کام حکمت کی تعلیم دینا ہے، دل کا تزکیہ بھی کرنا ہے، دل کو پاک وصاف بھی کرنا ہے۔

﴿اولیاء کی جماعت، حق جماعت﴾

دیکھو سرکار کے سارے کاموں کی تقسیم ہوتی ہے۔ آگے چل کے ایک جماعت کو لوگ علما کہتے ہیں اور ایک جماعت کو اولیاء۔ مگر ایک بات عجیب ہے صاحب! علما کو بھی لوگوں نے تقسیم کر دیا۔ یہ علما حق ہیں، یہ علما سو ہیں۔ لیجیے صاحب، یہ حق بھی ہیں، ناحق بھی ہیں۔ یہ علما حق ہیں، یہ علما سو ہیں۔ دو تقسیم ہو گی۔ آج تک کسی نے اولیاء کی تقسیم نہیں کی۔ یہ اصطلاح آج تک پیدا ہی نہیں ہوئی۔ یہ اولیا حق ہیں، یہ اولیا سو ہیں؟ ''ولی'' ولی ہی ہوتا ہے۔ مطلقاً اگر اولیا بولا جائے تو حق کے سوا کسی طرف ذہن جائے گا ہی نہیں۔ اور جب ہم مطلقاً علما بولتے ہیں، ذرا دل دھڑکتا ہے، پتہ نہیں ادھر کا ہے یا اُدھر کا ہے۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و

مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

مگر مطلقاً اولیا بولتے ہیں تو حق کے سوا کسی طرف ذہن جاتا ہی نہیں ہے۔ اس لیے ہم اطمینان سے کہتے ہیں کہ بھئی علما کے پیچھے چلو۔ اولیا کے پیچھے چلو، غوث کے پیچھے چلو،

خواجہ کے پیچھے چلو، آقائے نقشبند کے پیچھے چلو، مولائے سہرورد کے پیچھے چلو! اس لیے کہ وہاں حق ہی حق ہے، باطل نہیں۔ دیکھو! دو مدرسے، دو ادارے بن گئے۔ ایک کا نام مدرسہ ایک ادارے کا نام خانقاہ۔ علما پہنچ گئے مدرسے میں، اولیا پہنچ گئے خانقاہ میں۔ پہلے دونوں ساتھ چل رہے تھے۔ مگر بعد میں تقسیم ہوگئی۔ پہلے جو تھے، جو عالم تھے، جو عالم، وہی ولی، جو ولی، وہی عالم۔ مگر بعد میں یہ مت سمجھ لینا اولیاء سے جاہل، جہلا مراد لینا۔ اس لیے یاد رکھو کہ خدا کسی جاہل کو ولی نہیں بنا سکتا۔ اور ولی بنائے گا، تب جاہل نہیں رکھے گا۔ ہم اس تقسیم کو طریقۂ کار کے لحاظ سے کرتے ہیں کہ وہ خالص علما مدرسے والے اور یہ اولیاء خانقاہ والے دونوں میں بڑا اتفاق ہے۔ یہ مت سمجھ لینا کہ کوئی جھگڑا ہے ان دونوں میں۔ اس لیے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں اولیاء علم وایمان سیکھنے کے لیے مدرسے میں آتے ہیں اور علما مرید ہونے کے لیے خانقاہ میں جاتے ہیں۔ ذرا سا دیکھو! عالم نے صرف شاگرد بنایا تھا، شاگرد بنا کے نکالا، اب مرید بنا رہا ہے۔

ذرا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ تو خانقاہ اور مدرسے کا تعلق بہت گہرا ہے۔ مگر ایک بات ہے مدرسے سے عجیب عجیب لوگ نکلے، اچھے نکلے تو برے بھی نکلے۔ کیا کیا لوگ نکالے! مدرسہ بھی عجیب نکالتا ہے، اچھوں کو بھی نکالتا ہے، بروں کو بھی نکالتا ہے۔ مگر خانقاہ میں نکالا تو اچھے کو نکالتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ مدرسہ ظاہر کو سنوارتا ہے، خانقاہ باطن کو سنوارتا ہے اور ظاہر جب سنورتا ہے تو یہ ضروری نہیں کہ باطن بھی سنور جائے۔ مگر باطن، جب باطن سنور جاتا ہے ظاہر کا سنورنا لازمی ہے۔ دونوں کے کام میں یہی فرق ہے۔ ان دونوں کا نقطۂ نظر بڑا اچھا ہے۔ ایک کہتے ہیں کہ قلب کو سنوارو! صوفیا کا کیا ضابطہ ہے، کیا ان کا ضابطہ؟ یہ کہ قلب کو سنوارو! وہ جب سنور جائے گا اس کے اثرات سے قالب سنور جائے گا۔ دل سنوارو، جسم سنور جائے گا۔ علما کہتے ہیں۔ ایسا کرو جسم سنوارو اور جسم سنوارنے کے بعد اس کا اثر دل پہ ڈالو۔ دو طریقہ قالب کو بناؤ اور قلب پر ڈالو۔ وہ کہتے ہیں قلب کو بناؤ، قالب پہ اثر ڈالو۔ مطلب یہ سنوارنا دونوں ہی چاہتے ہیں۔ اس میں اتفاق ہے ہمیں اسے سنوارنا ہے۔ ہمارے علما کیا کرتے ہیں؟ یہ جسم کو سنوارنے والے، دیکھ! یہ وضو میں یہ فرض ہے، ایسے وضو کر! نماز کا یہ طریقہ ہے، سارا طریقہ سکھا دیا۔ وضو کا طریقہ، پاکی کے آداب و طہارت ونجاست سب سکھا دیا اور لیجا کے مُصلّے پر کھڑا کر دیا۔ مُصلّے پر کھڑا کر کے خدا کی طرف چہرا کر دیا۔ اب پڑھ نماز! جسم کو۔ تو انھوں نے نماز کی نقش ونگار بنا دیے۔ اب ان سے پوچھیے، اس سے زیادہ ہمارا کام نہیں۔ ہم نے کہا: دل کے اندر کیفیتِ نیاز کیسے پیدا ہو؟ دل کے اندر خشوع کیسے آئے؟ دل کے اندر خضوع کیسے آئے؟ دل کے اندر مادّۂ اِستخارہ کہاں سے آئے؟ کہا: وہ دل والا کام ہمارا نہیں، ہمارا جو کام تھا وہ ہم کر چکے ہیں۔ اب سوائے دعا کے اب کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ اے اللہ! اس کے دل کو بھی اپنی طرف کر لے۔ یہ طریقہ ان کا رہا۔ تو ہوتا یہ ہے کہ یہ نمازی بنا دیتے ہیں، روزہ دار بنا دیتے ہیں، حاجی بنا دیتے ہیں، زکاۃ دینے والا بنا دیتے ہیں۔ مگر خود ان کو گیارنٹی نہیں ہے، اس کے اثرات، اِس پر لازماً پڑ رہے ہیں یا نہیں! اسی لیے بنتے بنتے ریاکار بن گیا، حاجی بنتے بنتے جنابِ والا اپنے کو حاجی کہنے میں بڑی خوشی محسوس کی، زکاۃ دیتے دیتے اپنے عمل کے اندر دکھاوے کی صورت پیدا کردی۔۔۔

ذرا آپ خیال کریں۔ کوئی ضروری نہیں ہے، یہ ظاہر کو سنوارے تو باطن سنور جائے۔ مگر پیارے! محنت کرنا ان کا کام، دل کو بدلنا یہ خدا کے اختیار میں۔۔ مگر صوفیا کا راستہ دوسرا ہے۔ کہتے ہیں: دل ہی کی گھوٹائی کر۔ رسک (Risk) نہیں لینا چاہیے۔ دل ہی کو سنوارو! پہلے دل کی گھوٹائی کرو!

﴿چینی ورومی والا واقعہ﴾

ارے بھئی! وہ چینی ورومی والا واقعہ آپ نے بھی سنا ہوگا۔ چینی اور رومی کاریگروں کا ہوا تھا نا مقابلہ۔ تمثیل بڑی پیاری ہے۔ کہا کہ بھئی تم اپنا فن دکھاؤ ہم اپنا فن دکھائیں گے۔

تو ایک کمرہ تجویز کیا گیا، بیچ میں چادر ڈال دی گئی، پردہ ڈال دیا گیا۔ رومی ایک دیوار پر اپنا کام دکھا رہے ہیں، چینی دوسری دیوار پر اپنا کام دکھا رہے ہیں۔ چینیوں نے کیا کیا؟ نقش ونگار بنائے۔ بہت خوبصورت۔ اور رومیوں نے کیا کیا؟ دیوار پر گھوٹائی کی۔ خوب گھوٹائی کی۔ اور اتنی گھوٹائی کہ آئینہ کی طرح بنا دیا۔ بالکل دیوار آئینہ کی طرح ہوگئی۔ اس کے بعد جب اپنا فن دکھانے کا وقت آیا تو رومیوں نے کہا بس اب ایسا کیجیے کہ آپ یہ چادر ہٹا دیجئے آپ کا فن ہم دیکھیں اور ہمارا آپ دیکھیں۔ جب چادر ہٹائی گئی تو چینیوں کے سارے نقش رومیوں کی دیوار پر۔ محنت انہوں نے کی فائدہ یہ لے رہے ہیں۔ چینیوں کے سارے نقش رومیوں کی دیوار میں۔ پھر رومیوں نے کہا سنو! اب ہمارا نقش تجھے مٹانا ہے تو پہلے اپنا نقش مٹالے۔ جب تک تیری دیوار میں نقش رہے گا۔ میری دیوار میں اسکا عکس رہے گا۔ تیری دیوار کھردری اور ہمارا تو نقش بھی ہے، احساس بھی نہیں پورا نقش وہی ہے۔ احساس بھی نہیں ہے۔ پتہ یہ چلا، جس کا دل آئینہ کی طرح صاف وشفاف ہوتا ہے ان کے پاس اگر تم چلے جاؤ گے تو ظاہر وباطن ایسا ان کے آئینۂ دل کے اندر مُرصَّع (جُڑا ہوا) ہوگا کہ وہ سمجھ لیں گے کہ آنے ولا ایمان والا ہے یا نفاق والا۔۔

﴿حضرت بایزید بسطامی کا واقعہ﴾

یہ میں صرف کہانی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ حضرت بسطامی کا یہ مشہور واقعہ۔ حضرت بایزید بسطامی (علیہ الرحمہ) کے پاس ایک آیا تھا نا؟ آیا تھا۔ کون؟ نصرانی تھا اور مسلمان کی صورت بنا کے آیا تھا، علامت کفر کو چھپا کے آیا تھا، علامت کفر کو کُرتے میں چھپا کے آیا تھا، لباس میں چھپا کے آیا تھا، اور مسلمان بن کے آیا تھا اور پھر اس نے کہا کیا؟ کہا: حضور اللہ کے رسول کے اس فرمان کا مطلب تو بتا دیں کیا ہے۔ **اتقوا فراسة المومن**۔ مومن کی سمجھ سے ڈرو! تو حضرت بایزید بسطامی نے کیا کہا؟ پہلے جو زنار، تُو نے جو چھپا رکھی ہے نکال۔ تو بتاؤں۔ وہ چھپا کے آیا تھا۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ آئینے کے پاس جا

رہا ہوں۔ اچھا ایک بات سمجھ میں آئی کہ مسلمان بننے کی مشق بہت پرانی ہے، بڑی پرانی۔ وہ نصرانی بھی بن کے آیا اور کچھ وہ یہودی بھی بن کے گئے تھے۔

﴿سلطان نور الدین زنگی کے دور کا واقعہ﴾

وہ واقعہ آپ نے سنا ہوگا، وہ نور الدین سلطان نور الدین زنگی کا دور تھا اور دو یہودی مغربی حاجیوں کے لباس میں مدینہ منورہ گئے تھے اور پھر ان کا پروگرام یہ تھا کہ کھدائی کر کے رسول کی نعش مبارک کو نکال کر کہیں دوسری طرف لیجائیں۔ یہ ان کا پروگرام تھا۔ تاریخوں میں یہ واقعات ہیں۔ چونکہ میں واقعہ نگاری کی طرف زیادہ جاتا بھی نہیں۔ اشارہ میں نے اس لیے کیا کہ دیکھو یہ تھے نا مسلمان، مسلمان بننے کی مشق پہلے سے ہے اور یہ جتنے بننے والے ہیں وہ دشمن رسول ہی ہیں۔ پروگرام ان کے اچھے نہیں ہیں۔ اچھا تو خیر وہ بات۔ اس بات کی تفصیل میں جانے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ سلطان نور الدین کو سرکار نے خواب دکھایا اور اس کے نتیجے میں وہ مدینہ آئے۔ پھر ان کے ساتھ یہ ہوا جو یہ بنے ہوئے تھے مسلمان متقی و پرہیز گار۔ ذرا سا، ان کا تقویٰ اور پرہیز گاری سے پورے مدینے والے متاثر تھے۔ پورے مدینے والے ان کی عفت وتقویٰ سے متاثر تھے۔ پتہ چلا کہ کسی کے متاثر ہونے کو بھی اب دیکھا نہیں جائے گا۔ بہت مشکل ہے، یہ دل کی بات معلوم کرنا بہت مشکل ہے۔ اچھا اس کے بعد۔ خیر ان کا قتل ہوگیا۔ مگر ایک بات میری سمجھ میں آئی۔ یہاں ایک بات سوچنے کی یہ ہے، یہ صدیوں کے بعد گئے تھے نا؟ تو ان کو یقین تھا کہ سرکار موجود ہیں۔ تبھی تو نکالنے کا پروگرام بنا۔ یہودیوں کو یقین ہے، سرکار موجود ہیں، اسی لیے تو نکالنے گئے۔ اب کوئی کہے مر کے مٹی میں مل گئے (نعوذ باللہ) مجھے کہنے دو اس سعودی سے وہ یہودی بہتر تھے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیہ

﴿دل کی کیفیت کو چھپایا نہیں جاسکتا﴾

تو دل کی کیفیت کو بنانے کی ضرورت ہے۔ دل بگڑا تو سب بگڑ جاتا ہے۔ دل کی کیفیت کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ اس لیے پہلے کے منافق چھپاتے تھے۔ جب وہ چھپاتے تھے، خدا ظاہر کرتا تھا۔ وہ چھپارہے تھے۔ خدا ظاہر کررہا تھا۔ مگر بعد میں بہت مشکل۔ حضرت جبرئیل کا آنا بند ہوچکا تھا۔ کتاب کا نزول بند اور رسالت کی بات اور تھی۔ کس نے چھپایا؟ خدا نے چھپایا۔ دھڑا دھڑ بات آتی چلی جارہی ہے۔ مگر آج ہم کیا کرتے؟ آج، حضرت جبرئیل آکے نہ بتاتے، آج قرآن کا نزول نہ ہوتا تو آخر ہم منافقوں کو سمجھتے کیسے؟ تو خدا نے کہا، میں نے انتظام کردیا۔ پہلے یہ نہیں چھپاتے تھے، میں چھپاتا تھا۔ اب یہ خود چھپائیں گے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

اب یہ خود اپنے نفاق کو چھپائیں گے۔ اب اس کے بعد چھپانے کے بعد چھپائیں گے تاکہ کوئی سننے نہ پائے۔ ذرا سا دیکھو! جب آپ کو چھپانا تھا تو چھپایا کیوں؟ اب چھپا چکے تو چھپاؤ گے کیسے؟ چھپانے کی بات چھپادیا اور چھپا کے چھپارہے ہو۔

﴿دل میں ملائکہ والی آواز پیدا کرو﴾

ذرا سا آپ خیال کریں۔ تو دل کی حرکتوں کو چھپایا نہیں جاسکتا۔ دیکھو! آواز کو بھی پہچان لو، یہ ضروری نہیں کہ آواز دینے والا نظر آئے۔ تبھی فیصلہ۔۔ آپ سنیں، پہچان لوگے۔ تو سمجھ میں آجاتا ہے کس کی آواز کیا ہے، ملائکہ کی آواز کیا ہے، ابلیس کی آواز کیا تھی، اور جس کے دل میں ملائکہ والی آواز ہے وہ صلوٰۃ وسلام کا نذرانہ پیش کرتے ہیں ملائکہ کی آواز کیا ہے؟

ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی..... یہ ملائکہ کی آواز ہے۔

ان اللہ وملائکته یصلون علی النبی۔۔۔ ملائکہ درود بھیجتے ہیں۔ تو درود بھیجتا ہوا، صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہوا، اگر کوئی نظر آئے تو سمجھ لینا کہ اس کے دل میں ملکوتی شان ہے اور اس سے اگر کوئی اختلاف کرتا ہوا نظر آئے، اس کی عظمت سے انکار کرتا ہوا نظر آئے تو سمجھ لینا کہ اس کے دل میں کچھ اور بند ہے۔

﴿دل کی کیفیت کا اثر﴾

میں صرف ایک چھوٹی سی مثال اور دیتا ہوں کہ دل کی کیفیت کا اثر کیا ہوتا ہے۔ دل کے بگڑنے کا اثر کیا۔ باطن کا اثر کیا ہے۔ دل میں جو کیفیت ہوتی ہے وہ بہت ظالم ہوتی ہے۔ اس وقت بہت دکھتی ہوئی نفس پر ہاتھ رکھنے جارہا ہوں۔ دیکھو! ایک صاحب آپ کے مہمان ہوئے۔ آگئے مہمان۔ تو بڑی عزت سے آپ نے ان کو ایک کمرے میں انتظام کردیا، بہت اچھا تمام راحت کا سامان موجود، رات کا وقت بیچارے وہ بہت تھکے بھی، تین چار رات کے بعد سونا بھی چاہتے ہیں، نیند کا غلبہ ہے کہ فوراً ہم سو جائیں، لیٹیں۔ اور ہم سو جائیں۔ دل آرام کرنے کے لیے بالکل تیار، سونے کے لیے آنکھیں جھکیں ہوئی ہیں۔ مگر آپ نے کیا کیا سب کچھ انتظام کرکے، آپ کہتے ہیں مولانا آرام کیجیے۔ مگر اتنا خیال رہے کہ وہ جو سوراخ نظر آرہا ہے اس میں سے کبھی کبھی ایک سانپ نکل آتا ہے۔ بس رخصت۔ اب وہ دروازہ بند کرکے چلے گئے اور مولانا کا یہ حال ہے سوراخ دیکھ رہے ہیں۔ نکلا نکلا۔۔ ذرا سا آپ دیکھو! کیوں؟ دل میں جب سانپ کا خوف بیٹھ گیا تو آنکھ کہہ رہی ہیں کہ سونا چاہیے، دل کی حکومت چل رہی ہے، دل جھکا جارہا ہے، دماغ آرام کرنا چاہتا ہے، دل کہتا ہے خاموش! دیکھ اُدھر دیکھ۔

ذرا سا آپ خیال کریں۔ اس قدر دل چوکنا بنائے ہوئے ہے۔ معلوم ہوا کہ دل کے اندر کوئی احساس اگر بیٹھ جائے تو کوئی طاقت اسے نکال نہیں سکتی۔ مجھے ایک بات بتائیں۔ یہ تو مثال تھی۔۔

غفلت کا پردہ ہٹائو!

مجھے ایک بات بتاؤ۔ سانپ کے آنے کا شبہ ہی تھا نا؟ نیند اڑ گئی، سانپ کوئی یقینی تو نہیں کہ آج ہی نکل آئے، کبھی نکلا ہوگا، وہ بھی ہوا کی طرح ادھر ادھر رہتا ہے، کوئی ایک جگہ رہتا؟ سانپ کے وجود کا شبہ، مگر نیند اُڑ گئی۔ اور ہمارا حال کیا؟ خدا کے وجود کا یقین، مگر فجر غائب! خدا کے وجود کا یقین، مگر ظہر کی فکر نہیں! خدا کے وجود کا یقین، عصر و مغرب سے غافل! خدا کے وجود کا یقین، مگر عشاء سے غافل! خدا کے وجود کا یقین، رمضان کا مہینہ آیا روزہ نہیں رکھتے! خدا کے وجود کا یقین، مگر صاحبِ نصاب ہیں زکاۃ نہیں دیتے! خدا کے وجود کا یقین، صاحبِ استطاعت ہیں حج کا ارادہ نہیں کرتے! خدا کے وجود کا یقین، مگر رشوت لیتے ہیں! خدا کے وجود کا یقین، مگر سود کھاتے ہیں! خدا کے وجود کا یقین، اعمال بد میں مبتلا ہیں! خدا کے وجود کا یقین، شراب پیتے ہیں! خدا کے وجود کا یقین، جوا کھیلتے ہیں! اب مجھے ایک بات بتاؤ! سانپ کے شبہ نے زیادہ کام کیا یا خدا کے یقین نے؟ یا تم مجھے یہ کہنے دو تمہارا یقین اس درجہ کو نہیں پہنچا جو اسلام چاہتا ہے۔

اپنے بچوں کو پہلے دینِ اسلام سکھائو

دل کی کیفیت کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ میں ایک اور بھی چھوٹی سی مثال دوں۔ چھوٹے بچے کو، جو چھوٹا بچہ۔ وہ بچہ جو واقعی اپنے ماں باپ کا فرمانبردار ہو۔ میں اس زمانے کے لحاظ سے بول رہا ہوں، جو واقعی فرمانبردار ہو۔ اس لیے کہ پہلے کے زمانے کے لوگ دیکھتے تھے کہ لائق بیٹا کون ہے؟ اور آج کے زمانے میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ لائق باپ کون ہے؟ اب باپ عاق (ترک) نہیں کرتا اب بیٹا ہی عاق کرتا ہے۔ اب تو باپ کی طرف سے لیاقت دیکھی جاتی ہے۔ اور اس میں قصور تمہارا، اس میں قصور ہمارا اپنا ہے۔ اس لیے کہ ہم اپنے بچے کو ٹیکنیکل (Technical) تعلیم دلا رہے ہیں، ہم اپنے بچے کو انجینیر بنانا چاہتے ہیں، ڈاکٹر بنانا چاہتے ہیں، فلسفی بنانا چاہتے ہیں۔ ہماری نظر میں رزق و روزی کے سوا اور کوئی اونچا تصور نہیں ہے، ہم اپنے بچے کو سب کچھ سکھاتے ہیں، اپنا دین نہیں سکھاتے۔ میں نہیں کہتا ڈاکٹر نہ بناؤ، میں نہیں کہتا تم انجینیر نہ بناؤ، تمہیں بھی دنیا کی قوموں میں سبقت لے جانا ہے، تمہیں بھی سائنٹفک دور میں اپنی عظمتوں کا پرچم لہرانا ہے، میں یہ نہیں کہتا ہوں، میں کہتا ہوں کچھ بھی بنو، پہلے مسلمان تو بن جاؤ۔ کچھ بھی بنو پہلے اسلام کو بھی سیکھ لو۔ تمہیں یہ بتانا نہ پڑے کہ اسلام کیا ہے؟ ہم جن کالجوں اور جن یونیورسٹیوں کے اندر ہم اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں ان اسکولوں میں یہ نہیں سکھایا جاتا کہ ماں باپ کا حق کیا ہے؟ ماں باپ کی عظمت کیا ہے؟ ان اسکولوں میں یہ نہیں سکھایا جاتا۔ اگر باپ ناراض ہے تو خدا ناراض ہے، اگر تمہارا باپ ناراض ہے تو تم کسی عمل سے بھی خدا کو راضی نہیں کر سکتے۔ تم اور تمہارا مال سب تمہارے باپ کا ہے۔ باپ تم پر ظلم کرے، شدت کرے، زیادتی کرے، جب بھی تمہیں حق نہیں ہے کہ باپ کو اُف تک کہو۔ والدین کو اُف تک بھی نہیں کہہ سکتے۔ وہ کیسے بدنصیب لوگ ہیں جو جھڑکتے ہیں، جو مارتے ہیں، جو گالیاں دیتے ہیں۔

ماں باپ کی خدمت کرو

ذرا سا دیکھو! تمہیں کیا اسکولوں کی کرسیوں پر، تمہیں یہ سبق ملے گا؟ کہ ماں باپ کے پیروں کے نیچے جنت ہے۔ بھئی مطلب نہ الٹا سمجھ لینا۔ اس لیے میں وضاحت کرتا چلوں۔ کہیں یہ مت سمجھ لینا، مولانا یہ کہہ گئے کہ ماں باپ کے پیروں کے نیچے جنت ہے، تو چلو ماں باپ کو لٹکا دو، نیچے سے آؤ اور جاؤ۔ یہ معاملہ ہی الٹ جائے گا۔ تو ماں باپ کھڑے ہو گئے۔ جو درمیانی جگہ جو خالی ہے وہ جنت کا دروازہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کھمبے سے باندھ دیا جائے۔ جنت کا دروازہ بن جائے گا۔ نہیں۔ ان کی اطاعت۔ ان کی فرماں برداری۔ تمہارے لیے جنت ہے۔ والدین کی دعا بیٹے کے لیے ایسی ہے جیسے نبی کی دعا امتی کے لیے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جوتا لے کے کھڑے ہو جاؤ۔ جوتا مارتا ہوں دعا کر۔ جوتے والی دعا نہیں۔ ایسی خدمت کرو کہ دل سے دعا دے۔

﴿عظمتِ والدین﴾

تو آؤ ماں باپ کی عظمتوں کو تم کیا سمجھو گے۔ فقیہ سے جا کر پوچھو۔ اگر کسی نے یہ قسم کھائی ہو، خدا کی قسم میں جنت کی دہلیز چوموں گا، یا کعبے کی چوکھٹ چوموں گا، اگر وہاں کعبے تک حاضری نہ ہو سکی تو قسم کیسے پوری ہوگی؟ تو فقیہ نے یہ کہا: اپنی ماں کا قدم چوم لے قسم پوری ہوگئی، ماں کا قدم چومنے سے جنت کے دہلیز، کعبے کی چوکھٹ چومنے کا اجر ملا۔ آپ خیال کریں۔ اور اگر یہ سوال کریں، ماں باپ کا وصال ہو گیا تو کیسے قسم پوری کریں؟ قبر کا پائتی چوم لے، وہ قبر کی مٹی نہیں چوم رہا ہے، ماں کا قدم چوم رہا ہے۔ ذرا سا آپ خیال کرو۔ اب مجھے ایک بات بتاؤ! یہ تو وہی لوگ جائیں گے، وہی لوگ جا کے چومیں گے نا؟ جو بار بار جاتے ہیں، کوئی جمعرات ناغہ نہ ہو، وہی تو ماں باپ کی قبر کی دیکھ بھال کرتے ہیں، دیکھ ریکھ کرتے ہیں۔ وہی تو۔ ۔ کوئی ایک مرتبہ دفن کر کے آیا اور سوچا اب قیامت ہی میں ملیں گے۔ اب اگر وہ کبھی جائے گا تو کیا پتہ کہ باپ کدھر ہے؟ ماں کدھر ہے؟ اس لیے کہ نشان تو مٹ ہی جائے گا۔ دیکھ ریکھ نہیں ہوگی۔ تو دیکھا؟ بس اس سلسلے میں ایک آخری بات میں کہہ دوں۔

﴿حضرت اویس قرنی اور ماں کی خدمت﴾

ہمیں حضرت اویس (قرنی) یاد آگئے، یہ یمن میں تھے۔ عہدِ رسالت میں تھے۔ اور اگر چاہتے تو آ کر کے رسول کی زیارت کر سکتے تھے۔ اور رسول کی زیارت کرتے تو کیا ہوتے؟ صحابی ہوتے۔ اور میں یہ نہیں کہہ سکتا، صحابہ میں ان کا درجہ کتنا بلند ہوتا! میں یہ اندازہ نہیں لگا سکتا۔ مگر ہوتے صحابی نا؟ مگر یمن چھوڑ کر مدینہ نہیں آئے، رسول کی زیارت کے لیے نہیں آئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ماں بوڑھی تھی ان کی خدمت کر رہے تھے۔ یعنی ماں کی خدمت کو رسول کی زیارت پر مقدم رکھا۔ ''یعنی صحابی بنو یا نہ بنو ماں کا گناہ گار نہ بنو''۔ آپ خیال کریں۔ ماں کی خدمت معلوم ہوئی۔ ماں کی خدمت اتنی اہم ہے کہ اگر ماں محتاج ہے تو تم پر حج بھی فرض نہیں ہے، جہاد بھی فرض نہیں ہے۔ اور حضرت اویس نے دکھا دیا کہ ہم زیارت رسول کے لیے بھی نہیں جائیں گے۔ مگر دوستو! زمانہ بھی عجیب ہے! ایک وہ دور تھا نا؟ کہ ماں کی خدمت اتنی اہم تھی کہ زیارت چھوڑ دیا، خدمت نہیں چھوڑا۔ اور یہاں خدمت چھوڑ رہے ہیں باہر جا رہے ہیں، ماں کو چھوڑا، باپ کو چھوڑا، سارے حقوق چھوڑا، بچوں کو چھوڑا، کیا فرار کا راستہ نکالا! کونسا اسلام تم پیش کر رہے ہو؟ وہ کونسا اسلام ہے جس میں اللہ کا حق ہے اور بندے کا حق نہیں؟ ذرا سا آپ خیال کریں۔ بھاگ رہے ہیں۔ گھر کا حال یہ ہے، ماں رو رہی ہے، باپ ایڑیاں رگڑ رہا ہے، بیویاں پریشان ہیں، بچوں کا کوئی دیکھنے والا نہیں ہے اور جناب گئے ہیں دین بچانے۔ تو گھر نہیں بچا سکا تو دین کیا بچا پائے گا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿تبلیغی جماعت کا غلط طریقہ﴾

دیکھو! ایک چیز اور بتاؤں۔ بات آگئی دین کی خدمت کرنے کا یہ جو طریقہ ہے مروجہ ہے نا؟ کس نے اس کو ایجاد کیا؟ یہاں پر سب اہل علم ہیں۔ یہ جو ایک طریقہ ہے ''چلّے والا'' اس میں علم کی شرط نہیں ہے۔ بس فرد جو بھی ہے۔ یہ ایجاد کب سے ہوا؟ اس کا محرک کون؟ اس کا بانی کون؟ یہ خاص طریقہ۔ آپ کہیں گے: دہلی کے ایک مولوی صاحب تھے، مولوی الیاس دہلوی۔ چلیے ٹھیک ہے۔ معلوم ہوا کہ اس کے پہلے یہ طریقہ نہیں تھا، یہ طریقہ تو یہیں سے شروع ہوا نا؟ اس سے پہلے تھا تو بانی کیسے؟ اگر اس سے پہلے یہی طریقہ تھا تو یہ بانی کیسے؟ اور یہ بانی تو پہلے نہیں تھا۔ تو پہلے کبھی تم نے اپنی اس بدعت کو غور کیا؟

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

تو میں یہ سمجھتا ہوں پہلے جو طریقہ تھا وہ عہدِ رسالت سے زیادہ قریب تھا۔ پہلے جو طریقہ تھا جس کو بارہ صدی گذر گئی وہ کون ہے؟ کیا بارہ تیرہ صدی سے دین کا کوئی کام نہیں ہوا؟ دین کی تبلیغ و اصلاح کا وہ کونسا طریقہ تھا جو بدعت کی لعنت تھی؟ تو تمہاری وہ بدعت سیئہ اس کو بھی کہیں گے۔ اس لیے کہ اس طریقے نے پہلے طریقے والوں کی تجدید کیا ہے، ان کو دین سے بے خبر بتایا ہے۔ تو یہ بدعت ضلالہ ہے، بدعت سیئہ ہے۔ اور میں جو کہتا ہوں: سنو! یہ تو ہمارا اہل سنت و جماعت کا اسٹیج ہے، جو کہتا ہے بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اچھی بدعت ایک بری بدعت۔ اچھی بدعت اچھی نیت سے مستحب ہے، بری بدعت جو ہے وہ حرام ہے۔ یہ تو ہمارا اسٹیج تقسیم کرتا ہے۔ مگر جو یہ کہتا ہے ہر بدعت ضلالت ہے وہ اپنی اس بدعت کو کیا کہتا ہے؟

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

جب تیرے نزدیک ہر بدعت ضلالت ہے تو یہ بدعت کیا ہے؟ جادو وہ ہے جو سر پہ چڑھ کے بولے۔

﴿تبلیغِ اسلام کا صحیح طریقه﴾

آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ ہم بتاتے ہیں کہ پہلے جو تھا ہدایت کا طریقہ کیا تھا؟ اور اسے ہم رسول کی سنت کی روشنی میں بتائیں گے۔ سرکار کیا کہتے ہیں۔ بہت سیدھا طریقہ۔

كُلُّكُم رَاعٍ وَ كُلُّكُم مَسئُولٌ عَن رَعِيَّتِهٖ ۔ (صحیح بخاری)

مختصر سا فقرہ۔ قربان جاؤ بڑی بڑی تصنیف بیکار ہے۔ تم راعی ہو تم سب حاکم ہو اور تم سب سے تمہارے بارے میں اور تمہارے محکموں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ تم سب حاکم ہو۔ کیا مطلب؟ اگر تم باپ ہو تو اپنے بیٹے کے حاکم ہو، تم چچا ہو تو بھتیجے کے حاکم، ماموں ہو تو بھانجے کے حاکم، استاد ہو تو شاگرد کے حاکم ہو، امام ہو تو مقتدی کے حاکم ہو، کوئی رشتہ ہوگا نا؟ شوہر اپنی بیویوں کا حاکم۔ کہ تم پہ لازم ہے کہ اپنے محکموں کی اصلاح کرو، ان کو دین سکھاؤ۔ کیا مطلب؟ اگر تم امام ہو، مسجد کے مقتدیوں کو سکھاؤ۔ مدرس ہو تو طلبہ کو سکھاؤ۔ پیر ہو تو مریدوں کو سکھاؤ۔ باپ ہو تو بیٹے کو سکھاؤ۔ ماموں ہو تو بھانجے کو سکھاؤ۔ چچا ہو تو بھتیجے کو سکھاؤ۔ شوہر ہو تو بیوی کو سکھاؤ۔ سکھانے کا معاملہ ایسا ہے، گھر ہی میں سکھا لو، باہر نکلنے کی ضرورت ہی نہیں، باہر نکلنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اسلام کا طریقہ یہ ہے۔ اسلام کا فطری طریقہ، سب لوگ اپنے فرض پر عمل کرنا شروع کریں تو حیدرآباد والے قاضی پیٹ جانے کی کیا ضرورت!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿تبلیغ اور اصلاح کا فرق﴾

ذرا سا آپ سوچو! پہلے یہی ہوتا تھا، نبی سے لوگ سیکھتے تھے، گھروں میں سکھاتے تھے، بچوں کو سکھایا کرتے تھے۔ یہی طریقہ، كُلُّكُم رَاعٍ وَ كُلُّكُم مَسئُولٌ عَن رَعِيَّتِهٖ ۔ تم سب راعی ہو، تم سب حاکم ہو، تم سب کو تمہارے محکموں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ یہ ہے اسلامی طریقہ۔ یہ ہے اسلامی انداز۔ اور تم نے جو غلط انداز اختیار کیا تو کیا نام رکھا؟ ''تبلیغ''۔ آج مجھے ترجمہ بتاؤ؟ 'تبلیغ' کے معنی کیا ہیں؟ غیر مسلم کو اسلام کی دعوت پیش کرنا ہے۔ کیا یہ ہے تبلیغ؟ اور مسلمانوں کی بگڑی ہوئی حالت کو سدھارنا؟ اس کا نام اصلاح ہے۔ اب اگر کوئی تمہارے پاس آئے اور کہے: ہم اصلاح کے لیے آئے ہیں تو یہ سمجھ لو کہ یہ ہمارے اعمال کی کچھ بگڑی ہوئی صورت دیکھ رہا ہے، اس کو سنوارنے آیا ہے۔ اگر کوئی یہ کہے، ہم تبلیغ کے لیے آئے ہیں تو یہ سمجھ لو کہ وہ تمہیں مسلمان سمجھتا ہی نہیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿ماں باپ کی عظمت کو سمجھو﴾

تو میری بات چل رہی تھی یہ کہ ہم جن اسکولوں میں، جن کالجوں میں، اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں، اس میں ماں باپ کی عظمت کہاں سکھائی جاتی ہے؟ لہٰذا آج کے دور کے لحاظ سے کہنا پڑتا ہے کہ وہ بچہ جو واقعی اپنے والدین سے ڈرتا ہو۔ جانتے ہو کب تک شرارت کرے گا؟ وہ شرارت اس وقت تک کرے گا جب تک اس کو یہ خیال ہو کہ میرا باپ مجھے دیکھ رہا ہے۔ تو وہ باپ کی عظمت کو سمجھ چکا ہے، باپ کی جلالت کو سمجھ چکا ہے، علم و خبر کو بھی سمجھ لیتا ہے۔ تو بالکل شائستہ نظر آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دل کی جو کیفیت ہے وہ اعضا و جوارح سے ظاہر ہوتی ہے۔ اب میں تمہیں پوچھتا ہوں۔ یہیں پر ٹھہر کر بولو! باپ کی عظمت کے آگے تم شائستہ ہو گے، باپ کے علم و خبر کے آگے شائستہ ہو گے۔ وہ خدا جس کے علم و خبر کا یہ عالم کہ تم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، تمہیں جانتا ہے۔ وہ خدا جس کی عظمت و جلالت کے سامنے کوئی عظمت و جلالت آنکھ نہ اٹھا سکے۔

﴿اللّٰہ تعالیٰ کی عظمت و جلالت: قرآن کی روشنی میں﴾

اب بتاؤ! میں اب رب تبارک و تعالیٰ کی عظمت و جلالت کے چند مرقع (مجموعہ) پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم جلیل سے ڈرتے ہو تو بتاؤ خدا سے بڑھ کر جلیل کون؟ اگر تم عظیم سے ڈرتے ہو تو بتاؤ خدا سے بڑھ کر عظیم کون ہے؟ رب تبارک و تعالیٰ نے اپنی عظمت کے بہت سے مرقع پیش کیے ہیں۔ بہت سنجیدگی سے غور کریں۔ قرآن کریم کی آیت کی روشنی میں اپنے معروضات پیش کروں۔ کہیں آپ دیکھیں گے قرآن کریم میں خدا کے اسماء و جلال کا ذکر ملے گا۔ اَلۡمَلِكُ الۡقُدُّوۡسُ السَّلٰمُ الۡمُؤۡمِنُ الۡمُهَيۡمِنُ الۡعَزِيۡزُ الۡجَبَّارُ الۡمُتَكَبِّرُ‌ؕ (سورۂ حشر، آیت نمبر 23) کیسے کیسے اسما! کیسی کیسی جلالت! کیسے عظیم کلمات! اب بھی تم خدا کی عظمت کو نہ سمجھ سکے! اب بھی تمہیں خدا کی عظمت سمجھانے کے لیے کچھ چاہیے؟ رب تبارک و تعالیٰ نے تو یہ بھی بتایا ہر فصل میں اپنے استقلال کا اظہار فرمایا:

وَمَا لَهُمۡ فِيۡهِمَا مِنۡ شِرۡكٍ وَّمَا لَهٗ مِنۡهُمۡ مِّنۡ ظَهِيۡرٍ۔ (سورۂ سبا، آیت نمبر 22)

خدا کا کوئی شریک کار نہیں، خدا کا کوئی مددگار نہیں۔ اتنی بڑی زمین بچھا دی کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ دمشق میں تخت پر بیٹھنے والے کی قبر تلاش کرو تو نہیں ملتی۔ پتہ ہی نہیں، دمشق کے تخت پر بیٹھنے والا تاجدار مرا تو قبر کا پتہ نہیں۔ وہ حسین جو بھوکا پیاسا شہید کیا گیا تھا، اس کے منارے آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ جسے چاہے ذلیل کر دے۔ مامون رشید کو تخت پہ بیٹھا کے ذلیل کر دیا، امام احمد ابن حنبل کو عزت دے دی۔ اکبر کو شیش محل میں پہنچا کے ذلیل کر دیا، مجدد الف ثانی کو عزت دے دی۔ معلوم ہوا کہ وہ جسے چاہے عزت دے دے۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ اٹھا اٹھا کے ذلیل کرتا ہے۔ میں نے تو یہ بھی دیکھا ہے اڑا اڑا کے ذلیل کرتا ہے۔ خدا کی شان۔۔۔ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ ۔ (سورۂ آل عمران، آیت نمبر 26)

﴿عزت بارگاہ مصطفٰی سے ملتی ہے﴾

اچھا ایک بات۔ دیکھو! ذلیل کرنے والوں کا عجیب انداز ہے! رب تبارک و تعالیٰ، یہ بات نہیں جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے بہت بڑے آلات کی اسے ضرورت ہے؟ نہیں۔ موٹے موٹے ابرہہ کے ہاتھی آئے تھے نا؟ آئے تھے۔ چھوٹے چھوٹے پرندے بھیجے۔ اور جب خدا نے ان کو ذلیل کرنا چاہا۔۔ چھوٹے چھوٹے پرندے بھیجے۔ اور ان چھوٹے چھوٹے پرندوں نے چھوٹی چھوٹی کنکریاں گرائی۔ کیا ایٹمی ذرات تھے! وہ گرے تو وہی مرا جیسے مرنا تھا، دوسرا نہیں مرا۔ یہ کیا ایٹمی ذرے تھے! بھوسا بن گئے۔ دیکھا آپ نے! موٹے موٹے ہاتھیوں کو تباہ کرنے کے لیے اس سے موٹا جانور نہیں بھیجا، چھوٹی چھوٹی کنکریاں۔ اور سنو! جب اپنے محبوب کو بچانے کی بات آئی، غار ثور میں بچایا۔ بچانے کی

بات آئی تو قلعہ نہیں تعمیر کیا، بس کبوتر کے انڈوں سے بچالیا، مکڑی کے جالے سے بچالیا۔ بچایا تو مکڑی کے جالے سے بچایا، تباہ کیا تو کنکریوں سے پرندوں کی کنکریوں سے تباہ کیا۔ اور بچایا تو مکڑی کے جالے سے۔ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ.... خدا جسے عزت دیتا ہے۔۔ واقعی خدا تمہیں عزت نہ دیتا تو تم اسلام والے کیسے بنتے؟ ’’خدا جسے عزت دیتا ہے اپنے محبوب کا غلام بنا دیتا ہے اور جسے ذلیل کرنا چاہتا ہے اپنے محبوب کا باغی بنا دیتا ہے‘‘۔

وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ...

خدا جسے چاہے عزت دے۔ اگر تم عزت چاہتے ہو تو چاند پر جانے سے نہیں ملے گی۔ جاؤ۔ کہاں عزت ملتی ہے؟ جس کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہوئے تھے، وہاں عزت ملتی ہے۔ جس کے اشارے سے سورج پلٹا تھا، وہاں عزت ملتی ہے۔ جس کے اشارے سے کنکریوں نے کلمہ پڑھا تھا، وہاں عزت ملتی ہے۔ اگر عزت لینا ہے تو محمد عربی (ﷺ) کے بارگاہ میں جانا ہوگا۔

وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ...

اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ رسول سے جو قریب ہو گئے وہ عزت والے ہو گئے، جو رسول سے دور ہو گیا وہ ذلیل ہو گیا۔

وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ...

اس چیز کو اچھی طرح سے سمجھو۔ دیکھو! کہتے ہیں صاحب گئے، چاند پر گئے نا؟ اچھا صاحب! کیا لے کے آئے؟ وہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں، کروڑوں اربوں ڈالر خرچ کر کے گئے، چاند پر۔ کیا لے کے آئے؟ اطمینان لے کے آئے؟ سکون لے کے آئے؟ قرار لے کے آئے؟ لوگ کہتے ہیں خاک لے کے آئے۔ اتنا خرچ کر کے خاک لے کے آئے! پتھر لے کے آئے! ہماری دھرتی پہ کیا پتھروں کی کمی تھی جو باہر سے لائے!

﴿انسانی کمزوری اور قوتِ پروردگار﴾

آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ معلوم ہوا۔۔ کیا اب بھی تم خدا کی عظمت وجلالت کو نہ سمجھ سکے؟ پھر رب تبارک وتعالیٰ تمہاری کمزوری کی طرف اشارہ فرما رہا ہے۔۔۔ وَاِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـئًا لَّا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ؕ (سورۂ حج، آیت نمبر 73) اگر ان سے مکھی کوئی چیز چھین لے تو اسے مکھی سے چھڑا نہیں سکتے۔ اگر تمہارے اوپر سے مکھی لے کے اُڑ جائے چھین سکتے ہو؟ ڈراؤ مکھی کو! قرآن کہتا ہے یہ آگے جانے والی بھی کمزور، یہ پیچھے دوڑنے والا بھی کمزور۔ ایک مکھی۔۔ تم ایک مکھی کے مقابلے میں کمزور۔ خلیفۂ وقت نے امام اعظم (ابوحنیفہ) سے پوچھا۔ بات یہ تھی، اس کی ناک پہ مکھی آ کے بیٹھی۔ اڑائے تو پھر بیٹھی۔ جہاں سے اڑاؤ وہیں بیٹھتی، پھر آ کے بیٹھی۔ پوچھا، اے امام! خدا نے مکھی کو کیوں پیدا کیا؟ کہا: تجھ جیسے مغرور کا غرور توڑنے۔ اور مکھی سے چھوٹا مچھر۔ تَو لو، تو تول نہ سکو، ناپو، تو ناپ نہ سکو۔ مگر ایک مچھر اگر رات بھر تمہاری خدمت کے لیے۔ سوچیے۔ اتنی غزلیں سنائے گا، مطلع پہ مطلع رہے گا مقطع صبح تک نہ آئے گا۔ ایک چھوٹا سا مچھر! اچھا ایک بات اور بھی ہے۔ مچھر آتا ہے تو کانوں کے پاس گنگناتا ہے۔ کیا دیکھتا ہے؟ ہم تو اسے بے شعور سمجھتے تھے۔ مگر سنو! دیکھتا کیا ہے؟ اسکا خون چوسنا ہے، یہ کوئی معمولی کام تو نہیں، خون چوسنا ہے۔ تو آؤ کان کے سامنے آواز دو۔ غافل نہ رہا تو اس کا ایک ہاتھ ہمارے لیے کافی۔

ذرا سا آپ خیال کریں۔ پہلے غافل ہے کہ نہیں؟ جب دیکھا غافل ہے۔ خراٹے لے رہا ہے۔ اب وہ خون چوس رہا ہے۔ اب اسی غفلت کی حالت میں جو ہاتھ چلتا تو اپنے ہی چہرے پر پڑتا ہے۔ ہوشیاری والا ہاتھ اچھا ہے، غفلت والا ہاتھ اچھا نہیں ہے۔ اب آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ دوستو! جب مچھر میں اتنا شعور ہے کہ خون چوسنے کے لیے پہلے دیکھتا ہے غفلت میں ہے کہ نہیں؟ کچھ ایسے بھی جانور ہیں جو ایمان چوسنا چاہتے ہیں، کیا وہ یہ نہیں دیکھیں گے کہ غافل ہے کہ نہیں؟ غفلت ضرور دیکھیں گے۔۔ غوث سے اس

کا رشتہ مضبوط ہے کہ نہیں؟ خواجہ سے اس کا رشتہ مضبوط ہے کہ نہیں؟ جب دیکھا ہر طرف سے کٹا ہوا ہے اب تو میری جھولی خالی ہی ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ذرا سا سوچو ایک چھوٹی مکھی اور مچھر سے بھی تم عاجز ہو۔ کیا اب بھی تم خدا کی عظمت وجلالت نہ سمجھ سکے!

﴿اللہ تعالیٰ کی عظمت کی دلیل﴾

آگے چلیے۔۔ کہ رب تبارک وتعالیٰ۔۔ اس کی عظمت وجلالت کے مرقع آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (سورہ ملک۔ آیت نمبر 1) برکت والی ہے وہ ذات جس کے دست قدرت میں ساری کائنات اور وہ ہر شئے کا قادر ہے۔ کوئی دنیا کا انسان جو ہر شے پر قادر ہو؟ مجھے بتاؤ! سکندر نے جو چاہا وہ ہو گیا؟ ہٹلر نے جو چاہا وہ ہو گیا؟ ہلاکو اور چنگیز نے جو چاہا وہ ہو گیا؟ اکبر نے جو چاہا وہ ہو گیا؟ سکندر خوش نہیں ہے لُوٹ کر زمانے کی دولت اور قلندر مایۂ ہستی (سامانِ زندگی) لُٹا کر رشک کرتا ہے۔ مجھے سمجھاؤ! کیا ان کے چاہنے سے سب کچھ ہو گیا؟ آپ کہیں گے: نہیں ہوا۔ یہ خدا کی شان ہے جو چاہے وہ ہو۔ اب بھی تم اس کی عظمت کو نہ سمجھ سکے!

﴿حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے﴾

اب آخری بات اس سلسلے کی عرض کروں۔ رب تبارک وتعالیٰ نے پہلے تو اس دنیا کی تصویر کشی کی، اب اس کے بعد اسی دنیا کی تصویر کشی فرما رہا ہے جہاں تم اپنی ملکیت کا مجازی دعویٰ بھی نہیں کر سکتے۔ یہاں تو کم سے کم کہتے ہیں کہ ہم اپنے گھر کے مالک ہیں، ہم اپنے باغ کے مالک ہیں، ہم اپنے جائداد کے مالک ہیں، اپنے روپے پیسے کے مالک

ہیں۔ یہاں تو مجازی طور پر تم اپنی طرف سے ملکیت کا مجازی دعویٰ کرتے ہو۔ مگر سنو! وہ وقت کیا وقت ہوگا، زمین کا فرش لپیٹ لیا جائے گا، آسمان کا شامیانہ اتار لیا جائے گا، چاند اور سورج کے چراغ گل کر دیے جائیں گے، آبشار کے نغمے خاموش نظر آئیں گے۔ اسرافیل! صور پھونک دیا جائے گا، ساری کائنات میں عدم ہی عدم ہے نِکتی ہی نِکتی ہے۔ بولو وہ وقت کیا ہوگا! اور فضائے بسیط میں ایک آواز گونج رہی ہوگی۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ (سورہ الغافر، آیت نمبر 16) اب بتاؤ! آج کے دن کا مالک کون؟ بہت تم نے اپنے کو مالک کہا ہے، تم نے اپنی ملکیت کا مجازی پروپگنڈہ کیا ہے، بہت تم نے اپنی فنا ہونے والی ملکیت پر غرور کیا ہے۔ مجھے بتاؤ! آج کے دن کا مالک کون ہے؟ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ۔ کون ہے وہ؟ جواب دے۔ وہی ہے جو جواب دے لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔ (سورہ الغافر، آیت نمبر 16) اب بھی تم خدا کی عظمت وجلالت کو نہیں سمجھ سکے!

معلوم ہوا کہ عظمت وجلالت کو سمجھانے کے لیے باتیں جو کہنی تھی مجھے وہ بہت کافی ہو چکی۔

﴿خدا کے علیم و خبیر ہونے کی دلیل﴾

علم وخبر کی بات، خدا کے علم وخبر کے تعلق سے کچھ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ۔ غیب وشہادت کا جاننے والا۔ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ اللہ ہر شئے کا جاننے والا۔ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔ آیات آپ مسلسل سنتے چلے جائیں۔ رب تبارک وتعالیٰ تمہارے ہر کیے کو جانتا ہے۔ دیکھا آپ نے، عظیم وجلیل بھی ہے، علیم وخبیر بھی ہے۔ اب میں پوچھتا ہوں اس کی عظمت کو مانتے ہو؟ اس کے علم کو بھی مانتے ہو؟ کیا میں کہہ دوں کہ تم خدا کے وجود کو نہیں مانتے؟ یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ اس لیے کہ اگر نہیں مانتے تو مسلمان کیسے؟ تو یہ بات طے ہے کہ خدا کے وجود کو آپ مانتے ہیں۔ اللہ کا فضل ہے۔ کیا میں یہ کہہ دوں کہ آپ

اس کی عظمت وجلالت کو نہیں مانتے ؟ یہ بھی غلط ہے۔ اگر آپ اس کی عظمت وجلالت کے بھی منکر ہوتے تو یقیناً آپ اسلام کے دائرے میں نہیں رہ سکتے۔ کیا میں یہ کہہ دوں۔۔ آپ اس کو علیم وخبیر نہیں جانتے ؟ تو یہ بھی بات صحیح نہیں ہوگی۔ یقیناً آپ اس کو علیم وخبیر مانتے بھی ہیں، اس کی جلالت کو بھی جانتے ہیں، اس کے علم وخبر سے واقف بھی ہیں۔ اب ہلکی بات تو یہی ہے، سب کچھ جانتے ہوئے بھی بھولے ہوئے ہیں۔ سب کچھ ہونے کے بعد بھولے ہوئے ہیں۔

﴿ذکرِ خدا کی اہمیت وفضیلت﴾

فاذ کرونی اذ کر کم۔ تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ یہ ہلکی سی بات کہی جا سکتی ہے کہ تم بھولے ہوئے ہو، تم غفلت میں پڑے ہوئے ہو۔ اور واقعی رب تبارک وتعالیٰ کا احسان دیکھو۔ تم مجھے یاد رکھو۔ خدا تو یاد رکھتا ہی ہے۔ مگر اپنے خاص نوازش وفضل کو بھیجنے کو اُس نے اپنے یاد رکھنے سے تعبیر کی، تم خدا کا ذکر کرو۔ تمہیں تو ذکر کرنا ہی چاہیے، تم بندے، تمہیں بندگی کرنی ہی چاہئیے، تم عبد ہو، عبادت کرنی ہی چاہئیے۔ مگر خدا کی نوازش دیکھو، خدا کہتا ہے تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا، تم یہاں میرا ذکر کرو گے تو میں ملائکہ میں تمہارا ذکر کراؤں گا۔ تمہارا ذکر آسمانوں پہ ہوگا۔ تم دھرتی پہ ذکر کرو گے، تمہارا ذکر آسمان پہ ہوگا۔ چرچا کرو! تم یہاں پر چرچا کرو گے تو میں وہاں تمہارا چرچا کروں گا۔

فاذ کرونی اذ کر کم۔ ایک بات نکتہ کی ہے۔ ذرا سا میں توجہ لے جاؤں گا۔ دیکھو تم ذکر کرو گے نا، کوئی بھی خدا کا ذکر کریے، جتنی زبان جانتا ہے اتنی ہی زبان میں کرے گا۔ کسی کو اردو ہی معلوم ہے تو وہ عربی میں کیسے ذکر کرے گا؟ اردو والا اردو میں، عربی والا عربی میں، گجراتی والا گجراتی میں، ملیالم والا ملیالم میں، تمل والا تمل میں، تلگو والا تلگو میں، کنڑ والا کنڑی میں۔ جس کو جو زبان آئے اس میں ذکر کرے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ وہ مجبور ہے۔ اس کے پاس ایک ہی زبان ہے۔ اسی لیے اس کی زبان میں ذکر کرتا ہے۔ اور کہاں تک ذکر کرے گا؟ جہاں تک اس کی رسائی ہوگی، جہاں تک میری پہنچ ہوگی، وہاں تک میں ذکر کروں گا۔ اچھا۔ یہاں ہوں تو دلی میں کیسے ذکر کر سکتا ہوں؟ جب میں اس مجمع کے سامنے ہوں تو اسی مجمع کے سامنے ذکر کروں گا۔ یہ ہوا۔ مگر خدا جب تمہارا ذکر کرے گا، تمہارے پاس تو ایک ہی زبان ہے۔ مگر خدا ساری کائنات کا خالق ہے، ساری کائنات میں کرے گا۔ راز سمجھ میں آ گیا۔

﴿ذکرِ خدا کرنے کا فائدہ﴾

برطانیہ میں گیا۔ وہاں ایک نعرہ سنا۔ ''غوث کا دامن۔ نہیں چھوڑیں گے''، ''خواجہ کا دامن۔ نہیں چھوڑیں گے''۔ برطانیہ میں کیا خواجہ آئے؟ پتہ چلا نہیں آئے۔ غوث کبھی برطانیہ گئے؟ بلجیم پہنچا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا، ''غوث کا دامن۔ نہیں چھوڑیں گے''۔ غوث کبھی نہیں آئے، خواجہ کبھی نہیں آئے۔ یہ ان کا ذکر کیسے آ گیا؟ یہ تو نہیں آئے۔ ارے بھئی! تحقیق کرو! غوث کا ہندوستان آنا تحقیق طلب ہے۔ ثابت نہیں کہ وہ ہندوستان آئے۔ اور خواجہ کے تعلق سے مدراس بھی خواجہ گئے، میسور گئے، راجستھان کے علاقے میں رہے۔ جس راستے سے گزرے۔ مگر یہ کیا بات ہے کیرلا میں، ملیالم میں، خواجہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یا غوث کہتے ہیں کہ نہیں؟ کرناٹک میں کنڑ میں ذکر ہو رہا ہے۔ آندھرا میں تیلگو میں ذکر ہو رہا ہے۔ ہر زبان میں ذکر ہو رہا ہے۔ خواجہ وغوث تو نہیں گئے، ان کا ذکر کیسے گیا؟ تو خدا نے کہا: انہوں نے میرا چرچا کیا، میں نے ان کا چرچا کیا۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مو لانا محمد و علی آل سیدنا و مو لانا

محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

انہوں نے اپنے علاقے میں میرا چرچا کیا اور میں نے اپنی دنیا میں انہیں یاد کیا۔ ہر طرف پھیلا دیا ہے۔ اب غوث کے ذکر کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ کتنی ہی محنت کرو۔ اور واقعی دوستو! ہمارا غوث بھی کانفرنس کرتا ہے، سالانہ، خواجہ بھی کانفرنس کرتے ہیں، خواجہ صاحب

کی کانفرنس کا حال بھی تو ہندوستان کا ہے جو دیکھا بھالا ہے۔ کبھی سات لاکھ جاتے ہیں، کبھی پانچ لاکھ جاتے ہیں۔ اور صرف خواجہ صاحب ہی نہیں اپنے در کے جتنے وابستہ بزرگان دین ہیں سب اپنی اپنی کانفرنس کرتے ہیں۔ اور میں نے جو خواجہ کی کانفرنس کا نرالہ انداز دیکھا، خواجہ صاحب نے اپنی کانفرنس کا کبھی کوئی اشتہار نہیں نکالا، کوئی پمفلیٹ (pamphlet) نہیں نکالا۔ اور کسی کے لیے ایسا بھی نہیں کیا کہ کنسیشن (concession) کرادیا ہو، ٹرینوں کا کنسیشن کرادیا ہو۔ ایسا بھی نہیں کیا۔ آؤ گے تو چار آنے کی بریانی کی پلیٹ ملے گی۔ مگر یہ کیا بات ہے! ذرا آپ خیال کرو! خواجہ صاحب وہاں سے کانفرنس کر رہے ہیں۔ نہ کوئی پمفلیٹ، نہ کوئی اشتہار، نہ کوئی حرص نہ کوئی لالچ۔ اور جانے والا بھی عجیب انداز میں جارہا ہے۔ ٹرین کے اندر نہیں تو چھت پہ جارہا ہے، بس میں جارہا ہے، برسات میں جارہا ہے، جاڑے میں جارہا ہے۔ روکنے والے روکتے روکتے خود بھی جارہے ہیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا
محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ذرا سا دیکھو! سبھی چلے جارہے ہیں۔ ورنہ ہم نے دوسری کانفرنس کے حالات بھی سنے ہیں۔ یہاں سے پیسہ لاؤ، وہاں سے پیسہ لاؤ۔ ادھر سے ریال لاؤ، ادھر سے ڈالر لاؤ، ادھر سے پاؤنڈ لاؤ، اِن سے کھینچو، اُن سے کھینچو۔ یہ سہولت وہ سہولت، پورا گاؤں بسا دو ایک کانفرنس کرنے کے لیے۔ تو پتہ چلا، ریال و ڈالر والی کانفرنس اور ہے عشق و محبت والی کانفرنس اور ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا
محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿ اولیاءُاللّٰہ کا ذکر بھی عبادت ھے ﴾

تو تم خدا کا ذکر کرو، خدا تمہارا ذکر کرے گا۔ میں بتاؤں کیسے؟ میں ایک تمثیل کی روشنی میں بات کر رہا ہوں۔ اللہ کے رسول فرماتے ہیں: ذِكْرُ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ۔ علی کا ذکر عبادت۔ اَلنَّظْرُ اِلٰى وَجْهِ عَلِيٍّ عِبَادَةٌ۔ علی کا چہرہ دیکھنا عبادت۔ کیا بات ہے؟ بات یہ ہے دوستو! علی کے ذکر سے خدا کی عبادت کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، علی کے ذکر سے خدا کی بندگی کا نشہ چڑھتا ہے، علی کے ذکر سے خدا کی پرستش کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، علی کے ذکر سے خدا یاد آتا ہے۔ تو جس کے ذکر سے خدا یاد آتا ہے اس کا ذکر عبادت ہے۔ جس کا چہرہ دیکھو، خدا یاد آئے، اس کا چہرہ دیکھنا عبادت ہے۔ جس کی صحبت میں بیٹھو، خدا یاد آئے، اس کی صحبت میں بیٹھنا عبادت ہے۔ یہ تو ایک مثال میرے رسول نے حضرت علی کی پیش کی۔ مگر میں تو کہتا ہوں حسین کا ذکر بھی عبادت ہے۔ ان کا چہرہ دیکھنا بھی عبادت ہے۔ خواجہ کا ذکر بھی عبادت ہے ان کا چہرہ دیکھنا بھی عبادت ہے۔ اولیاءِ کرام کی بارگاہ میں جانا بھی عبادت ہے۔ بزرگوں کا ذکر عبادت ہے۔۔۔

ذرا سا آپ خیال کریں۔ وہاں جاؤ! جس کو کہیں خدا یاد نہیں آتا ہو، بزرگوں کے آستانے پر جانے سے خدا یاد آتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں خواجہ کے ہاں مت جاؤ۔ ارے بھئی! کیوں نہ جاؤ؟ خواجہ کے ہاں جانے سے خدا یاد نہیں آتا؟ تو واقعی نہیں جانا چاہیے۔ اس میں بڑا نقصان ہے۔ یہاں جانے سے خدا نہیں یاد آتا۔ مگر جا کر جب دیکھا گیا، یہ کیا ہے؟ یہ شاہجہانی مسجد۔ یہ کیا؟ یہ عالمگیری مسجد۔ یہ کیا؟ اکبری مسجد۔ یہ کیا؟ یہ سلطان التمش کی بنائی ہوئی مسجد۔ ہم نے کہا: ہر جگہ مسجد۔ کیا خواجہ کے آنے سے پہلے یہ بنی تھی؟ یہ ساری مسجدیں خواجہ کے آنے سے پہلے بنی تھی یا بعد میں؟ کہا: خواجہ کے آنے کے بعد۔ اتنی مسجدیں بن گئیں۔ ہر جگہ سے آواز آرہی ہے۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اتنی بار سننے پر بھی خدا یاد نہ آئے تو کیا گھر میں یاد آگیا؟

میں عالم خیال میں شاہجہاں سے پوچھا، اے شاہجہاں! تجھے کیا پڑی تھی، اتنی تو مسجدیں پہلے ہی تھیں۔ یہ ایک مسجد تُو نے بڑھا کیوں لی؟ ارے اکبری مسجد تھی، جامع

التمش پہلے سے ہی تھی، یہ ساری مسجدیں پہلے سے ہی موجود، ایک شاہجہانی مسجد تو نے بنا کیوں لی؟ ارے تجھے عمارت بنانے کا شوق تھا، تو گنبد پہ گنبد اور چڑھا دیا ہوتا، دو چار مینارے بنا دیے ہوتے، مہمان خانے بنا دیے ہوتے، تُو نے مسجد کیوں بنائی؟ تو یہی جواب دے گا، جب میں خواجہ کے ہاں آیا تو مجھے خدا یاد آیا۔ میں نے سوچا فاتحہ یہاں پڑھوں اور سجدہ وہاں کروں۔ تو خدا کا اگر ذکر کرو گے تو خدا تمہارا ذکر پھیلا دے گا۔ اولیاء کرام بزرگانِ دین کے ذکر کو اس لیے نہیں مٹایا جاتا کہ ان کا ذکر خدا کی عبادت ہے۔ اب میں بہت ہی اطمینان کے ساتھ دلائل و براھین کی روشنی میں کہہ سکتا ہوں کہ خواجہ کی چھٹی بھی خدا کی عبادت ہے۔ غوث کی گیارھویں بھی خدا کی عبادت ہے۔ بزرگان دین کے اعراس کو منانا بھی خدا کی عبادت ہے اگر یہ سب خدا کی عبادت نہ ہوتی تو شیطان مٹانے کی فکر کیوں کرتا۔۔۔

فاذ کرونی اذ کر کم	تم میرا ذکر کرو، میں تمہارا ذکر کروگا!
فاذ کرونی اذ کر کم	تم مجھے یاد رکھو، میں تمہیں یاد رکھوں گا!
فاذ کرونی اذ کر کم	تم میرا چرچا کرو، میں تمہارا چرچا کروں گا!
و اشکروالی ولاتکفرون	تم میرے شکرگذار بندے بنے رہو اور میری نعمتوں کا انکار نہ کرو۔ نعمتوں کا انکار نہ کرو۔

کی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت دین حق کی شرط اوّل ہے
اسی میں ہے اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☪ ☪ ☪ ☪

خطبہ چہارم

عنوان: اتباعِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

بموقع: عرس مجاہد ملت۔ بمقام: بمبئی، انڈیا

اَلْفَاتِحَهُ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمْ
وَ اٰلِه وَاَصْحَابِه اَجْمَعِیْنَ۔
اَلْحَمْدُلِلّٰه۔ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الَّذِیْ قَالَ فِی شَانِ حَبِیْبِهِ الْكَرِیْمُ۔
عَلَیْهِ التَّحِیَّةُ وَالتَّسْلِیْمُ۔
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔
لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْكَ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِكْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِهَا
وَعَافِیَةِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِهَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِهَا
وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰه۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاكَ وَالْاَرْضِیْنَ۔

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔
(سورہ آل عمران۔ آیت نمبر 31)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ۔
وَنَفَعْنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمِ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔

مَنَّ عَلَیْنَا رَبُّنَا اِذْ بَعَثَ مُحَمَّدًا   اَیَّدَہٗ بِاَیْدِہٖ اَیَّدَنَا بِاَحْمَدًا
اَرْسَلَہٗ مُبَشِّرًا وَّاَرْسَلَہٗ مُمَجَّدًا   صَلُّوْا عَلَیْہِ دَائِمًا صَلُّوْا عَلَیْہِ سَرْمَدًا

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
(ڈاکٹر اقبالؔ)

اُس روئے والضحیٰ کی صفا کچھ نہ پوچھیے
آئینۂ جمال خدا بخدا کچھ نہ پوچھیے

ہم سے سیاہ بختوں کو سائے میں لے لیا
فضل سحاب زلف دوتا کچھ نہ پوچھے
جنت کی، سلسبیل کی، کوثر کی پوچھیے
اُن کے گلی کی آب و ہوا کچھ نہ پوچھیے
قوسین تک ہے پتہ اُس آقا کی سیر کا
پھر کیا ہُوا، ہُوا جو ہُوا، کچھ نہ پوچھیے
اپنے کو دے دیا ہمیں خواجہ کی شکل میں
میرے نبی کی شانِ عطا کچھ نہ پوچھیے
اُن کے حضور ہاتھ اٹھنے کی دیر تھی
پھر کیا ملا، ملا جو ملا، کچھ نہ پوچھیے
وہ آخری گھڑی میری بالیں پہ آگئے
حیرت سے تک رہی تھی قضا کچھ نہ پوچھیے
(حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی)

اگر خموش رہوں تو تُو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود
(اصغر گونڈوی)

﴿یہودیوں کی روش﴾

ابتداءً یہودیوں کی یہ روش رہی کہ سرکار عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت و رسالت کا وہ برملا انکار کرتے، نبی اور رسول ماننے کو تیار نہیں، مگر جب بے شمار معجزات، لاتعداد دلائل، بے شمار براہین کا ظہور ہوا اور انکار کی کوئی گنجائش نہ رہ گئ تو انہوں نے ایک دوسرا رخ اختیار کیا۔ وہ یہ کہنے لگے، ٹھیک ہے، یہ ہیں نبی صحیح ہے، یہ ہیں رسول۔ مگر اِن کا ماننا، اِن پر ایمان لانا، ہمارے اوپر ضروری نہیں۔ بنی اسماعیل ان کو مانیں، اُن کے لیے یہ ضروری

ہے کہ انہیں تسلیم کریں۔ رہ گئے ہم، ہم تو خدائی نوازشات کا مرکز پہلے ہی سے بنے ہوئے ہیں، انعاماتِ الٰہیہ کا تسلیم ہمارے یہاں رہا۔ نَحۡنُ أَبۡنَآءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّآؤُهُ۔ (سورۃ مائدہ۔ آیت نمبر۔ 18) ہم ہیں خدا کے بیٹے اور ہم ہیں خدا کے چاہنے والے۔ جب یہ دعویٰ انہوں نے پیش کیا، تو اسلام نے اُن سے دلیل مانگا، صرف دعویٰ کر دینا ہی بات کو مکمل نہیں کر دیتا، دعویٰ تو پہلی منزل ہے، دلیل پیش کرو؟ مگر دلیل صرف ایک بات کی مانگی جا رہی ہے، اگر تم خدا کے چاہنے والے ہو تو دلیل دو؟ کیوں؟ اس لیے کہ خدا کا بیٹا ہونا محالِ عقل ہے۔ تو کوئی اگر اس طرح کے مُحالات کا دعویٰ کرے، تو اس سے دلیل نہیں مانگی جاتی۔ دلیل ان باتوں کی مانگی جاتی ہے جن کا امکان بھی ہو، جو محالاتِ خرد میں ہو، ان کی دلیل مانگنا کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔ تو خدا کا بیٹا کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ہاں چاہنے والے ہو سکتے ہیں۔ اگر تمہارا ہے تو دلیل پیش کرو؟ مگر انداز بھی دیکھو، طریقہ یہ ہوتا ہے، ہم سے اگر کوئی دعویٰ کرے، ہم اس سے دلیل مانگیں، اپنی سمجھ سے جو چاہے وہ دلیل دے۔ بعد میں ہم کہیں کہ تیری اس دلیل میں یہ نقص ہے، اِس میں یہ عیب ہے، اس میں یہ کمی ہے، ماننے یا نہ ماننے وہ بعد کی بات ہے۔ مگر دلیل دینے میں ہم اُسے آزاد رکھیں گے۔ مگر اسلام کا مطالبہ ایسا ہے کہ دلیل بھی مانگ رہا ہے اور یہ بھی بتا رہا ہے کہ اس کی دلیل کیا ہے، آزاد نہیں ہے کہ تم خدا کے چاہنے کی کوئی بھی دلیل گڑھ کے سنا دو، نہیں، اگر واقعی تم خدا کے چاہنے والے ہو، تو میرے محبوب کی اتباع کو دلیل میں پیش کرو۔ اس لیے کہ خدا کی محبت کی یہ ایک دلیل ہے۔ اگر تم نے میرے محبوب کی اتباع نہیں پیش کی، تو تم اپنے دعوئے محبت میں جھوٹے ہو۔

﴿محبت کا مقصد﴾

مگر یہاں ایک سوال پیدا ہو گیا۔ ایک شخص یہ کہتا ہے ہمیں محبت ہے۔ تو ہمیں کسی کی محبت کے انکار کا حق کیا ہے؟ محبت نام ہے دل کے جھکاؤ کا، محبت نام ہے طبیعت کے میلان کا، محبت نام ہے رجحانِ طبع کا۔ ایک شخص یہ کہتا ہے ہمیں خدا سے محبت ہے، ہم خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں، ہمیں، آپ کو، انکار کا حق کیا؟ کسی محبت پر تمہیں طنز کرنے کا آپ کو حق کیا؟ کسی کے باطنی جذبات کو ٹھیس پہنچانے کا آپ کو حق کیا؟ آپ اس سے دلیل مانگ سکتے ہیں، وہ اپنی سمجھ کے مطابق دلیل بھی دے سکتا ہے۔ کیا وہ یہ نہیں کہہ سکتا، اگر ہمیں خدا سے محبت نہ ہوتی تو خدا تک پہنچنے کے لیے ہم یہ راستے کیوں تلاش کرتے! خدا تک پہنچنے کے لیے، مظاہرِ قدرت کی پرستش کیوں کرتے! خدا تک پہنچنے کے لیے ہم کبھی سورج کے آگے، کبھی چاند کے آگے، کبھی پتھروں کے آگے، ایک جذبہ ہی ہے جو۔۔۔ مگر لے جا رہا ہے، تو ہمارے جذبے کا انکار آپ کیسے کر سکتے ہیں؟ اور ہماری محبت کا۔۔۔ اور بات بھی صحیح ہے۔

دوستو! جذبے کا انکار کرنا، یہ کوئی ذہن وفکر سلامتی کی بات نظر نہیں آتی، یہیں سے حج کرنے کے لیے دو شخص ارادہ رکھے، جذبہ رکھے، ہمیں حج کے لیے جانا ہے، حج کا جذبہ دونوں ہی کے دل میں ہے، مگر ہوا کیا؟ ایک نے یہ سوچا، لوگ بحری جہاز پہ جاتے ہیں، یہ فارمالٹیز (Formalities) پوری کر کے جاتے ہیں، ویسے چلو جو ساری دنیا چلتی ہے۔ تو وہ جہاز سے گیا، دوسرے نے یہ سوچا، جہاز تو اِسی سمندر میں چلتا ہے، تو اِسی سمندر سے جہاز چلتا ہے، تو ہم بھی چل کے جا سکتے ہیں، اس نے غوطہ لگا لیا، غوطہ لگایا۔ تو معلوم ہوا، یہ مت سمجھنا، غوطہ لگانے والے کا جذبہ نہیں تھا، جذبے کا انکار مت کرو۔ بس یہ کہو ایک راستہ صحیح نہیں تھا، پہنچنے کا راستہ صحیح نہیں تھا، ایک کنارے پہنچ جائے گا۔ اس لیے کہ اُس نے جو راستہ نکالا وہ غلط تھا، وہ جو پہنچنے کا راستہ نکالا، وہ تباہ کرنے والا تھا، تجھے برباد کر دینے والا تھا، جانا تھا تو ویسے جاتے جیسے ہر جانے والے گئے، پہنچنے والے پہنچے، ویسے جاتے۔ تو معلوم ہوا کہ اُس کی بے عقلی کی بات تو آپ کر سکتے ہیں، اُس کی نادانی کی بات تو آپ کر سکتے ہیں، اُس کی جہالت کی بات تو آپ کر سکتے ہیں۔ مگر جذبۂ محبت کا انکار کرنے کا حق کیا! مگر وہاں سے سوال ہوگا، ٹھیک ہے تُو محبت کرتا ہے، ہمیں تیری محبت سے انکار نہیں، وہ یہودی ہو یا نصرانی، کوئی بھی ہو، محبت کرتے ہو۔ مگر یہ بتاؤ کہ محبت کرتے کیوں؟ مقصد کیا ہے محبت

کرنے کا؟ تو جس کا بھی تصورِ آخرت ہوگا اُس کے مطابق وہ جواب دے گا۔ وہی کہے گا، ہمیں دین و دنیا کی صلاح و فلاح چاہیے، ہمیں مغفرت چاہیے، ہمیں نجات چاہیے، ہمیں یہ چاہیے، ہمیں وہ چاہیے، جو بھی جن کے دماغ میں آئے گا، وہ وہی آئے گا، وہ وہی کہے گا۔ تو اُن کو بھی جواب ملتا ہے۔ ارے نادان!

اگر محبت اِس لیے کہ تجھے مغفرت چاہیے، نجات چاہیے، صلاح و فلاح چاہیے، برتری چاہیے، بہتری چاہیے، شرافت چاہیے، عظمت چاہیے، فضیلت چاہیے،

یہ سب تجھے چاہیے، تو ایک طرفہ محبت سے کچھ نہیں ہوتا، اگر نجات چاہیے تو اُس وقت ملے گی جب تو خدا سے محبت کرے، تو خدا کو چاہے، خدا تجھ کو چاہے گا پہلے محبوب کی اتباع کرو، خدا کی محبت اُس وقت ملے گی، خدا کی رضا اُسی وقت ملے گی، خدا کی چاہت اُسی وقت ملے گی۔ ارے نادان! صرف اِسی میں بات نہیں ہے، خدا تجھے محبوب بھی بنا لے گا، تو اس آیت میں ''حبیب الرحمن'' بنانے کا نسخہ ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿اتباع و اطاعت کا مفہوم﴾

اور ایک بات بتاؤں، اِس میں کیا حکم دیا ہے؟ اتباع کرو۔ حکم کیا ہے؟ اتباع کرو۔ اتباع کسے کہتے ہیں؟ اتباع کہتے ہیں پیچھے پیچھے چلنا، دیکھا دیکھی کسی کے پیچھے چلنا۔ لہٰذا جو آگے چلتا ہے وہ متبع نہیں، جو برابر چلتا ہے وہ متبع نہیں، جو پیچھے چلتے۔ تو اتباع کسے کہتے ہیں؟ پیچھے پیچھے چلنا۔ ہم نے کچھ کیا، آپ نے کچھ کیا، یہ ہے اتباع۔ اور ایک لفظ ہے اطاعت، اطاعت کیا ہے؟ ہم نے کچھ کہا اور آپ نے کیا۔ تو احکام کی تعمیل کا نام ہے اطاعت اور نقلِ افعال کا نام ہے اتباع۔ احکام سنے جاتے ہیں، افعال دیکھے جاتے ہیں۔ تو قیامت تک نبی کی اتباع بھی فرض اور قیامت تک نبی کی اطاعت بھی فرض۔۔ اور جب دونوں چیزیں فرض، تو اب قیامت تک نبی کے افعال کی حفاظت بھی ضروری اور قیامت تک نبی کے افعال کا تحفظ بھی ضروری، نہ نبی کے اقوال کو مٹایا جا سکتا ہے، افعال کا بھی وجود ہونا ضروری، اقوال کا ہونا بھی ضروری۔ مگر دوستو! میں یہ سوچتا ہوں کہ اقوال کو تو میں کتابوں میں بند کر لوں گا، مگر افعال کو کہاں رکھا جائے؟ یہ سوچنے کی بات نہیں ہے، بخاری میں مجھے اقوال مل جائیں گے، مسلم میں اقوال مل جائیں گے، ابوداؤد میں اقوال مل جائیں گے، آپ کہیں گے بخاری میں افعال بھی تو ہیں، جی نہیں، بخاری کے صفحات افعال کو نہیں جمع کر سکتے، وہاں افعال کا ذکر ہے، بخاری میں نبی کا اٹھنا بیٹھنا نہیں ہے، نبی کے اٹھنے بیٹھنے کا ذکر ہے، بخاری میں نبی کا کھانا پینا نہیں ہے، کھانے پینے کا ذکر ہے، بخاری میں نبی کا سونا جاگنا نہیں ہے، سونے جاگنے کا ذکر ہے، میں ذکر کی بات کر رہا ہوں، فعل ذکر بن کے قول بن جاتا ہے، مجھے تو افعال چاہیے، مجھے تو کردار چاہیے، مجھے تو نبی کا اٹھنا بیٹھنا دیکھنا ہے، مجھے تو نبی کا سونا جاگنا دیکھنا ہے، جب تک دیکھوں گا نہیں، اتباع کروں گا کیسے! جب تک دیکھوں گا نہیں کروں گا کیسے! اقوال مل جائیں گے، افعال کہاں ملیں گے؟ جواب ملا۔ ارے نادان نبی کے اقوال دیکھنا ہے تو بخاری دیکھ، مسلم دیکھ، نسائی دیکھ، ابوداؤد دیکھ، ترمذی دیکھ، اور نبی کے افعال کو دیکھنا ہے تو غوث جیلانی کو دیکھ، خواجہ اجمیری کو دیکھ، محبوب الٰہی کو دیکھ، امام احمد رضا کو دیکھ، مجاہد ملت حبیب الرحمن کو دیکھ۔ تو اقوال کو کتابوں میں بچایا جائے گا، افعال کو کردار میں بچایا جائے گا۔ اور جب قیامت تک اتباع ضروری ہے تو قیامت تک نبی کے کردار والے رہیں گے۔ اس لیے کہ اِن افعال کو نہ مٹایا جا سکے گا نہ نبی کے اقوال کو مٹایا جا سکے گا۔

﴿نبی ﷺ اور پیغامِ نبی کی حفاظت﴾

ہاں مٹانے والے کوششیں تو کر رہے ہیں۔ مگر وہاں سے اطمینان کا نزول ہوگیا۔

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورۂ مائدہ۔ آیت نمبر 67) تمہیں لوگوں سے بچائے گا۔

دوستو! اس لیے آیت کا نزول۔۔ علما یہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بغیر، صرف عشق و محبت کے جذبے کے تحت، صحابہ حضور کے ساتھ ہر وقت رہنے لگے، جیسے باڈی گارڈ (BodyGuard) ہوتے ہیں، تحفظ و حفاظت کے خیال سے رہنے لگے تھے۔ تو وہاں سے اطمینان کی آیت اتر آئی کہ اے محبوب سمجھاؤ اپنے چاہنے والوں کو، **وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ**۔ اللہ تمہیں لوگوں سے بچائے گا۔ شان نزول تو یہی ہے۔ مگر سنو! ایک آیت کے مختلف شان نزول ہو سکتے ہیں اور شان نزول کا اعتبار نہیں ہوتا، آیت کے الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے، عموم الفاظ آیت کا لحاظ ہوتا ہے، شان نزول کا نہیں۔ اس لیے کہ شان نزول کا ثبوت جو ہے وہ قدر واحد سے ہے اور لفظوں کا جو عموم ہے وہ متواتر ہے، ایک ایک نکتہ متواتر ہے، ایک ایک لفظ متواتر ہے۔ **وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ**، اللہ تمہیں بچائے گا۔ اب بچانے کی جتنی صورتیں ہوں گی اِس میں شامل۔ اب معلوم ہوا کہ جیسے جیسے جس جس ٹائپ (Type) کے فتوے آئیں گے، ہر فتوے سے بچائے گا۔۔ اور واقعی خدا نے بچایا، آپ کی جسمانی حیات کو بچایا، جہاں تک جسمانی۔۔ یاد رکھیے! نبی کی دو زندگی ہوتی ہے، ایک وہی جسے آپ جسمانی حیات سے تعبیر کرتے ہیں اور ایک نبی کی پیغمبرانہ زندگی ہوتی ہے۔ نبی کے پیغام کی زندگی، یہ نبی کی پیغمبرانہ زندگی اور نبی کی وہ جسمانی زندگی، دنیاوی زندگی، یہ بہت متعارف ہے۔ تو جہاں تک نبی کے حیاتِ جسمانی کی بات ہے، جہاں تک نبی کے لیے حیات حقیقی دنیاوی کی بات ہے، ہر نبی بچا ہوا ہے، ہر نبی بچا ہوا ہے۔ مگر جہاں تک نبی کی پیغمبرانہ زندگی کی بات ہے، تو بولو! حضرت نوح کا پیغام کہاں بچا؟ حضرت ابراہیم کا پیغام کہاں بچا؟ حضرت مسیح کا پیغام کہاں بچا؟ حضرت کلیم کا پیغام کہاں بچا؟ مجھے بتاؤ! انبیاے سابقین کا پیغام کہاں بچا ہے؟ وہ میرے نبی کا پیغام بن کے بچا ہے۔

اللّٰهم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

نبی نے جس پیغام کو اپنا پیغام بتا دیا، وہ بچ گیا، یہ ''پیغام محمدی'' بن کر کے بچا۔ جو نہیں بچا؟ اس لیے خدا نے اپنے ذمہ کرم میں کسی کے پیغام کو بچانے کے لیے لیا ہی نہیں۔ مگر محبوب سے کہہ رہا ہے: **وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ**، اللہ تجھے ہر طرح سے بچائے گا، تیری جسمانی حیات تو بچے ہی گی۔ مگر تیرا پیغام بھی بچے گا، ہر وقت بچے گا اور اللہ بچانے والا ہوگا، جب جب تیرے پیغام کے اوپر مصیبت آئے گی، جب تک تیرے پیغام پر آفت آئے گی، تو خدا کے ایسے بندے ہوں گے جو تیرے پیغام کو بچائیں گے، تو دنیا دیکھے گی ''حبیب الرحمٰن'' بچا رہے ہیں، حقیقت یہ کہ خدا بچا رہا ہے۔

اللّٰهم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ایک بات بتاؤں، جب منکرین زکوٰۃ نے سر اٹھایا تھا، تو رسول کا پیغام صدیق اکبر نے بچایا کہ نہیں؟ خدا نے بچایا صدیق اکبر کے ذریعے، قیصر و کسریٰ نے سر ابھارا تو رسول کے پیغام کو خدا نے بچایا، فاروق اعظم کے ذریعے، جب خوارج کا طوفان اٹھا تو رسول کے پیغام کو خدا نے بچایا علی مرتضیٰ کے ذریعے، پھر یزیدیت کی شورش برپا ہوئی تو رسول کا پیغام بچایا حسین ابن علی کے ذریعے، اور جب وہابیوں کی شورش برپا ہوئی تو رسول کے پیغام کو خدا نے پچایا امام احمد رضا کے ذریعے، اور جب حرمین طیبین سے توسل بالانبیاء کے عقیدے کو باور کرنے کی کوششیں کی گئیں تو اُس وقت اس عقیدے کو خدا نے بچایا حضرت سیدنا حبیب الرحمٰن کے ذریعے۔ خدا بچاتا رہے گا، عقیدہ بچتا رہے گا، میں پوچھتا ہوں ''تحفظ الحرمین'' کا مطلب کیا ہے؟ گھروں کی حفاظت؟ غلاف کی حفاظت؟ کیا یہ پتھر بھی اُٹھا لیے جائیں گے! تو حرم بھی اُٹھ جائے گا۔

اللّٰهم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

﴾وہابیوں کی سازش﴿

واقعی دوستو! اِسی لیے یاد رکھو! میں آپ کو بتاؤں، وہابی نجدی کوئی بھی ہو، گنبد سے اُسے بیر نہیں، گنبد کے منارے سے اگر جھگڑا ہوتا، ہر مسجد میں گنبد بنتا، مینارے سے جھگڑا نہیں ہے بلکہ اُس عقیدت سے ہے جس نے اُس گنبد کی تعمیر کی ہے۔ تو وہ سمجھتے ہیں کہ جب گنبد ڈھا دیا جائے گا، عقیدت بھی گر جائے گی؟ نہیں دوستو! عقیدت گرنے والی نہیں ہوتی، عقیدت گرا نہیں کرتی، عقیدت جو ہے اُسی نے گنبد کی تعمیر کیا اور اب تو عقیدت کا یہ حال ہے کہ میں اکثر کہہ لیتا ہوں کہ تم کتنے گنبد خضرا گراؤ گے؟ بتاؤ؟ ارے تم سمجھتے ہو وہی ایک گنبد خضرا ہے جو مدینے منورہ کی مقدس فضا میں ہے۔۔ نہیں نہیں۔۔ ہر مومن کے دل میں گنبد خضرا ہے۔ ہر مومن کے دل میں گنبد خضرا ہے۔ ؎

وہ بھی ہے کوئی سینہ جس میں نہ ہو مدینہ
زیبائشِ مکاں ہے زیبائشِ مکیں سے

(حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی)

یہ تو کہہ رہے ہیں حضرت حبیب الرحمن کے بارے میں، لوگ کہتے ہیں وہاں سے نکالے گئے، مدینے سے نکالے گئے۔ مگر میں تو یہ بات نہیں کہتا، رسول کا عاشق مدینے سے جدا کیا جائے، مدینے سے الگ کیا جائے، یہ نہیں ہوسکتا۔ ارے وہ مدینے سے نکلنے والا، اپنے دل میں پورا مدینہ لیکر نکلا تھا، نہ مدینہ اُس سے دور ہوسکتا ہے نہ وہ مدینے سے دور ہو سکتا ہے۔ مگر دوستو! یہ مدینے کا کام تھا جس کے لیے اُنہیں یہاں آنا پڑا۔ ؎

مدینے کا کچھ کام کرنا ہے سیدؔ
مدینے سے بس اِس لیے جا رہا ہوں

(محدث اعظم ہند سیدؔ کچھوچھوی)

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

ومولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

﴾مومن اور عارف کے دل کا مقام﴿

ایک کسی بزرگ نے اپنے مرید سے پوچھا: مومن کا دل کہاں رہتا ہے؟ تو کہتا ہے اِدھر پہلو میں رہتا ہے، تو کہا اِدھر تو کافر کا دل بھی رہتا ہے۔ پوچھا، مومن کا دل کہاں رہتا ہے؟ وہ گھبرا گیا۔ تو پھر پوچھا، عارف کا دل کہاں رہتا ہے؟ وہ پہلے ہی سے حیرت زدہ تھا، کہا حضور ہی بتائیں۔ کہا: سنو! مومن کا دل اپنے محبوب کے پاس رہتا ہے اور عارف کا دل کہیں نہیں جاتا محبوب خود آ کے رہتا ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

ومولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

﴾اطاعت سے مراد محبت والی اطاعت﴿

اگر واقعی تم اللہ کے محبوب بننا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو۔ ایک چیز میں بتاؤں، اطاعت کی بہت ساری گنجائش۔۔ اطاعت کا معاملہ ایسا ہے کہ کچھ لوگ خوف سے اطاعت کرتے ہیں اور کچھ لوگ لالچ سے کرتے ہیں، کسی کی بات مانتے ہیں لالچ سے، کہ ایک چلّہ کرو تو یہ مل جائے گا، دو چلّہ کرو تو یہ مل جائے گا، لالچ۔۔ اور کچھ لوگ ہیں خوف سے اطاعت کرتے ہیں، تو خوف سے اطاعت ہوئی ہے۔۔ نہیں کرتے ڈنڈے پڑیں گے، نہیں کرتے جیل جاؤ گے، نہیں کرتے۔۔ اطاعتِ خوف سے، ایمرجنسی کے دور میں، لوگ اطاعت کر رہے تھے۔ ارے لوگ کیا! بڑے بڑے دارالافتاء اطاعت پہ لگ گئے تھے۔ ایمرجنسی کے دور میں بریلی شریف کے دارالافتاء کے سوا سارے دارالافتاء بک گئے تھے، سب اطاعت کر رہے تھے۔

ذرا سا آپ خیال کریں، وہ خوف والی اطاعت۔۔ اور ایک اطاعت ہوتی ہے، محبت والی۔ تو سنو! خوف کی اطاعت ناقص ہے، جب تک خوف رہے گا، کرو گے، جب

خوف مٹ جائے گا، اطاعت ختم۔ لالچ کی اطاعت ناقص ہے، جب تک غرض پوری نہیں ہوتی، کرو گے، غرض پوری ہوگئی، کنارے۔۔ سب سے زیادہ مضبوط اطاعت ہے، محبت کی۔ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ محبت کا عنوان بنا دیا اِس آیت کا، تاکہ پتہ چلے مراد ہے محبت والی اطاعت۔۔ اور محبت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ مگر آپ کہیں گے ہوتی ہے، محبت بھی ختم ہوجاتی ہے، محبت بھی ختم ہوجاتی ہے۔ صحیح بات ہے، جیسے لالچ ختم ہوجائے، غرض ختم ہو جائے، خوف ختم ہوجائے، ایسے ہی محبت بھی ختم ہوجائے۔ میں پوچھتا ہوں محبت کب ختم ہوتی ہے؟ اس وقت ختم ہوتی ہے جس کمال سے محبت ہو اُس کمال میں زوال آئے، آپ نے کسی خطیب سے محبت کی، خطابت کمزور پڑ گئی، محبت چلی گئی۔ کسی حُسن و جمال والے سے محبت کیا، حُسن ڈھل گیا محبت چلی گئی۔ جس کمال سے محبت وابستہ ہے اس کمال کو زوال ہونا ہے۔ زوال جب ہوگا محبت جائے گی۔ مگر میں جس محبوب کی بات کر رہا ہوں، وہی ایک کمال ہے جس کو زوال نہیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ارے وہ ایسا حُسن و جمال والا، فضل و کمال والا، جاہ جلال والا، جود و نوال والا۔ بڑھا، بڑھتا ہی چلا گیا۔ چمکا، چمکتا ہی چلا گیا۔ اُٹھا، اُٹھتا ہی چلا گیا۔ اتنا بلند ہوا کہ اب عقل بھی ساتھ جانے کے لیے تیار نہیں ہے، بلند ہوتا ہوا چلا گیا اور فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى، وہاں پہنچ گیا، لفظوں میں اب تعبیر نہیں کی جاسکتی، لفظوں میں اب بتایا نہیں جا سکتا۔ اور صرف وہاں پہنچنے کے بعد بھی ہم ایک عجیب پیاری آواز سن رہے ہیں۔
وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى۔ وہاں پہنچ کر کے بھی، ہر آنے والی گھڑی پچھلی گھڑی سے بہتر ہے۔ جب میرے رسول کے کمال کو زوال نہیں تو جو رسول کا دیوانہ ہو جائے گا اُس کی محبت بھی فنا نہیں ہوتی۔ اور ایک بات بتاؤں، محبت کرنے والے کبھی نفسانی

محبت کرتے ہیں، کبھی جسمانی محبت کرتے ہیں اور کبھی احسانی محبت کرتے ہیں۔ احسانی محبت کرنے والوں کی لسٹ بڑی لمبی ہے۔ جسمانی محبت، نفسانی محبت، بیٹے کو اپنے باپ سے محبت ہے جسمانی، باپ کو بیٹے سے محبت ہے نفسانی اور آپ کے ساتھ کوئی نیکی کرے، اچھائی کر دے، اُس سے آپ محبت کرو، یہ ہے احسانی محبت۔ اس طرح سے خدا سے بھی محبت لوگ کر سکتے ہیں، وہ خالق کائنات ہے، وہ ہمارا رازق ہے، وہ ہمارا رب العالمین ہے، یہ سب کچھ سوچ کر کے محبت کر سکتے ہیں۔ مگر یہ ساری محبتیں ناکام۔ ارے احسانی؟ اگر احسان کے بدلے میں محبت کرتے ہو تو جانور بھی کرتا ہے، کسی ایک کتّے کو روٹی دے کر دیکھ لو۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ذرا سا غور کرو! تو یہاں احسانی، نفسانی، جسمانی محبت مراد نہیں بلکہ وہ محبت مراد ہے جو تمہیں مومن بنا دے۔ اور مومن کیسے بنتا ہے؟ دیکھو! مومن بننے کے لیے کیا چاہیے؟ قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌ اے محبوب تم کہہ دو! وہی اللہ یکتا ہے۔ نظام کائنات پر غور و فکر کرو۔ تو ایک خدا کا وجود بھی ماننا پڑے گا اور اس کی توحید کو بھی ماننا پڑے گا۔ تو عقل و فہم سے، فہم و ادراک سے خدا کی توحید مانی جاسکتی ہے۔ مگر اے محبوب جو اپنی عقل سے مجھے ایک مانے گا وہ موحّد ہوگا اور جو تیرے کہنے سے مانے گا وہ مومن ہوگا۔ اے محبوب میں نے تجھے موحد بنانے کے لیے نہیں بھیجا ہے، مومن بنانے کے لیے بھیجا ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ذرا سا آپ خیال کریں۔ محبوب کے جب غلام ہو جاؤ گے تبھی ایمان والے ہوگے، پہلے میرے محبوب کے پیچھے چلو۔ اچھا ایک بات، فَاتَّبِعُوْنِىْ، میری ہی اتباع کرو۔

قل، اے محبوب! تم کہو، جب جب تم کہو گے تو یہ تمہارا مقولہ ہوگا۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِي۔ تو فَاتَّبِعُوْنِي میں، یہ ''میں'' کس کی ہے؟ رسول کی ''میں''۔ ارے صلاحیت کا یہ درجہ سمجھ میں آیا کہ کلام خدا کا، ''میں'' رسول کی، واقعی جب میں کسی میں فنا ہو جائے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ خدا کی ''میں'' کیا ہے، رسول کی ''میں'' کیا ہے، خدا نے اپنی ''میں'' کو رسول کی ''میں'' اور رسول کی ''میں'' کو اپنی میں قرار دے دیا۔ بولو تو خدا کی بولی قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِي، میری اتباع کرو۔

﴿اتباع کی تعریف﴾

تو کیا سمجھے؟ رسول کے سوا کسی کی بھی اتباع نہیں کی جا سکتی، کوئی کتنا ہی بڑا انسان کیوں نہ ہو، اتباع نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ اتباع کہتے ہیں آنکھ بند کر کے پیچھے چلنا، سمجھ بوجھ کے نہیں، دیکھا اور چل پڑے، یہ نہیں کہ آگے والا کدھر جا رہا ہے۔۔۔

﴿انجن کی مثال﴾

اتباع کی اگر شان دیکھنی ہے تو میں مثال دوں گا، ایسی جو سب کے ذہن میں آ جائے۔ ٹرین کو انجن لے کر جاتا ہے، انجن لے کے چلتا ہے اور پیچھے سارے ڈبے اتباع کرتے ہیں، کتنے ڈبے ہوئے؟ اٹھارہ ڈبے ہوئے، تو اتباع کرنے والے کی کیا شان ہے! راستے کے نشیب و فراز کا دیکھنا، یہ اتباع کرنے والے کا کام نہیں، پیچ و خم دیکھنا، یہ اتباع کرنے والے کا کام نہیں، یہ انجن والے کا کام ہے۔ کہ وہ دیکھے بتی جلی کہ نہیں، راستہ صاف ہے کہ نہیں، یہ کام انجن والے کا ہے۔ ڈبے والے کیا کرتے ہیں؟ سو رہے ہیں، انجن والے جاگ رہے ہیں، ڈبے والے سو رہے ہیں۔

ذرا سا آپ خیال کریں اور اُس کے بعد پھر یہ ڈبے پیچھے جاتے ہیں تو آنکھ بند کر کے جاتے ہیں۔ اگر انجن کسی دریا میں گیا تو وہاں یہ بھی گئے، یہ نہیں کہ وہ جا رہا ہے میں نہیں چلتا۔ اگر انجن اُلٹ گیا تو ڈبے بھی اُلٹے، پوچھا کہ تو کیوں اُلٹا؟ میں نے تو اتباع کی ہے۔ اور ایک بات اور بتاؤں، یہاں پر جب بات یاد آ گئی۔ تو انجن کو کتنے ڈبے پکڑے ہیں؟ اٹھارہ کے اٹھارہ، ایک پکڑتا ہے اور اُس پکڑنے والے کو دوسرا پکڑتا ہے اور اُس پکڑنے والے کو تیسرا پکڑتا ہے اُس پکڑنے والے کو چوتھا پکڑتا ہے اُس پکڑنے والے کو پانچواں پکڑتا ہے۔ مگر کہا یہ جاتا ہے کہ پہلے کو انجن لے جاتا ہے دوسرے کو کوئی اور کیا پانچویں کو کوئی اور۔۔ ارے چلو کسی کے پیچھے، مگر انجن ہی لے جا رہا ہے اور انجن یہ بھی نہیں دیکھتا تو تھرڈ کلاس (Third Class) کا ہے یا ایر کنڈیشن (Air-Condition) کا، فرسٹ کلاس (First Class) کا، انجن یہ نہیں دیکھتا، انجن تیری حالت نہیں دیکھتا، تیری پکڑ کی مضبوطی دیکھتا ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ذرا سا آپ خیال کرتے جائیں۔ تو پیچھے آنکھ بند کر کے، آپ کسی کے بھی پیچھے آپ نہیں چلتے، ہاں ایک بات ہے کہ دوسرا ڈبہ پہلے ڈبے کے پیچھے آنکھ بند کر کے تھا، مگر یقین ہو گیا تھا کہ وہ اِس انجن کے پیچھے ہے، یقین ہو گیا تھا۔ ایسا نہ ہو کسی ایسے ڈبے کو پکڑ لینا جس کے نہ اِدھر انجن ہو نہ اُدھر انجن ہو، ایسے کو نہ پکڑنا۔ اچھا ویسے بھی کسی ایسی گاڑی پہ نہ بیٹھنا جس کا انجن دور تک نہیں جاتا، بمبئی میں کچھ ایسے بھی انجن ہیں، جو اِدھر سے اُدھر، اُدھر سے گئے اِدھر، یہ ڈبہ کاٹا اُدھر ملایا، وہ ڈبہ کاٹا اِدھر ملایا۔ شنٹنگ (SHUNTING) کرتے ہیں۔ اگر تجھے انجن ہی لینا ہے تو ایسا انجن لینا جو یہاں سے چلے تو اجمیر ہوتے ہوئے، بغداد ہوتے ہوئے، مدینہ تک پہنچا دے۔ اُس انجن کے پیچھے نہ جانا جس کے لیے انگلینڈ جانا جائز، امریکہ جانا جائز، فرانس جانا جائز، جرمنی جانا جائز اور محبوب کے در پہ جانا حرام! یہ مسجد کی شنٹنگ (SHUNTING) کریں گے، اِدھر سے کاٹیں گے اُدھر ملائیں گے، اُدھر سے کاٹیں گے اِدھر ملائیں گے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿اتباع صرف نبی ﷺ کی﴾

تو میں ایک بات یہی کہہ رہا ہوں کہ آنکھ بند کر کے چلو، نہ کسی اُستاد کی اتباع کی جاسکتی ہے، نہ کسی پیر کی۔ لفظ اتباع پر غور کیجیے گا! نہ کسی پیر کی اتباع کی جاسکتی ہے آنکھ بند کر کے، نہ کسی اُستاد کی اتباع کی جاسکتی ہے، نہ کسی عالم کی اتباع آنکھ بند کر کے کی جاتی ہے۔ اتباع، میں تو کہتا ہوں خدا کی بھی اتباع نہیں کی جاتی، خدا کی اتباع بھی نہیں کی جاسکتی۔ اِس لیے کہ اتباع کہتے ہیں پیچھے پیچھے چلنے کو، خدا آگے پیچھے سے پاک ہے، اتباع نہیں کی جاسکتی۔ آنکھ بند کر کے صرف رسول کے پیچھے ہی چلا جاسکتا ہے۔ آپ کہیں گے پھر جو ہم ائمہ مجتہدین کے پیچھے چلتے ہیں، ہم امام و مجدد کے پیچھے چلتے ہیں، ہم اپنے پیر کے پیچھے چلتے ہیں، ہم صحابہ کے پیچھے چلتے ہیں، ہم تابعین کے پیچھے چلتے ہیں، ہم اہلبیت کے پیچھے چلتے ہیں، رسول کے پیچھے چلو تو آنکھ بند کر کے اور اِن کے پیچھے چلو تو آنکھ کھول کے۔ اِن کے پیچھے چلتے ہیں آنکھ کھول کے۔ اس لیے کہ میرے رسول ہی نے چلایا ہے۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

میرے رسول ہی نے چلایا ہے صحابہ کے پیچھے۔ اگر رسول نہ کہتے: اَصحَابِی کَالنُّجُومِ بِاَیِّہِم اقتَدَیتُم اهتَدَیتُم۔ (مشکوٰۃ شریف، باب مناقب الصحابہ، الفصل الثالث)

ہم کبھی پیچھے نہ چلتے اگر رسول یہ نہ کہتے: اھل بیتی مثل سفینۃ نوح۔ (مشکوٰۃ شریف، باب مناقب اہل بیت النبی ﷺ۔ الفصل الثالث) میری اہلبیت نُوح کے سفینے کی طرح ہے، ہم پیچھے نہ چلتے اگر رسول ائمہ مجتہدین کے پیچھے نہ لگاتے، اگر رسول اِتَّبِعُوا السَّوادَ الاَعظَمِ۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الایمان، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ) نہ کہتے۔ تو ہم سوادِ اعظم کے پیچھے نہ چلتے، رسول کے پیچھے آنکھ بند کر کے چل رہے ہیں۔ اور دوسروں کے پیچھے رسول کے چلانے پہ چل رہے ہیں۔ درحقیقت یہ بھی رسول کا ہی پیچھا ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿اتباع نبوی کا فائدہ﴾

میری اتباع کرو، میرے پیچھے پیچھے چلو، اور دوستو! پھر کیا؟ کوئی کتنا بھی عظیم ہو، وہ اس لائق نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہر انسان کے پاس نفسانیت ہے، بشری لغزش ہر انسان کے ساتھ وابستہ ہوسکتی ہے، یہ نبی ہی کی شان ہے کہیں اندیشے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔۔۔

قُل اِن کُنتُم تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِی۔۔۔

ارے دوستو! پھر کیا ہوگا، ؟ یُحبِبکُمُ اللّٰه، اللہ تمہیں اپنا حبیب بنا لے گا، اللہ تمہیں اپنا دوست بنا لے گا۔ آپ خیال کریں، جتنی مصیبتیں ہوں گی وہ ختم ہوجائیں گی۔ کیونکہ خدا محبوب بنا لے گا، تو کوئی محبوب کو ذلیل نہیں کرتا، کوئی اپنے محبوب کو رسوا نہیں کرتا، اپنے محبوب کو ناکام نہیں کرتا۔ خدا محبوب بنا لیتا ہے نبی کے پیچھے چلنے والوں کو۔

﴿کھڑے ہو کر سلام پڑھنے کی دلیل﴾

ذرا غور کرو! تم اپنی نماز ہی پر غور کرو، نماز پڑھتے ہیں، اور کس زبان میں پڑھتے ہیں؟ عربی زبان میں۔ اور دوسرے مسائل مَیں چھوڑ کر کے آگے بڑھ جاؤں۔ وقت کا خیال کرتے ہوئے۔ عربی سمجھ میں آتی ہے؟ ابھی حضرت علامہ تقریر کر رہے تھے انگریزی زبان میں، جو لوگ سمجھ رہے تھے محظوظ ہو رہے تھے اور کچھ لوگ کیا سمجھ رہے ہوں گے کہ کوئی منتر پڑھا جا رہا ہے! خدا کی بارگاہ میں عرض و معروض اور ایسی زبان میں جو تم سمجھ بھی نہ سکو اور تمہارے لیے لازمی ہے، خدا کی عبادت کے نام سے آؤ اور بیٹھا کے کہا جائے، کہو!

السلام علیك ایها النبی۔ ارے نبی کی بارگاہ میں تُو کب گیا تھا؟ تُو تو خدا کی بارگاہ میں تھا، تو نبی کے پاس کیسے گیا؟ السلام علیك ایها النبی کا مطلب کیا ہے؟ یا نبی سلام علیك۔ تعجب کی بات! یہی چیز نماز میں عبادت، یا نبی سلام علیك، نماز کے اندر جائز۔ اور نماز کے باہر ناجائز! مگر کچھ بقراط ذہن کے لوگ، انہوں نے ایک عجیب دلیل دی، دلیل کتنی مضبوط دلیل، دلیل کیا ہے؟ کیونکہ نماز کے اندر بیٹھ کے سلام پڑھا جاتا ہے اس لیے کھڑے ہو کے پڑھنا حرام۔ اگر ایک درجن بقراط کو کھرچ کر کے کوئی معجون تیار کیا جائے اور پھر ایک مجسمہ بنایا جائے تو وہ بھی حیران ہو جائے گا، اس دلیل کے آگے۔ سمجھا، یہ تو دلیل ایسی۔۔۔ کوئی کہے نماز میں آپ قرآن کھڑے ہو کے پڑھتے ہیں یا بیٹھ کے؟ کھڑے ہو کے پڑھتے ہیں۔ قرآن، سورۂ فاتحہ، قرات، کھڑے ہو کے پڑھتے ہیں نا۔ تب دلیل لاؤ؟ چونکہ قرآن نماز میں کھڑے ہو کے پڑھتے ہیں اس لیے بیٹھ کر پڑھنا حرام! کیسے کیسے بقراطوں کا دماغ الجھ جائے گا اِس دلیل کے آگے۔ اور ہم تو کچھ نہیں جانتے، ہم تو جانتے ہیں، بھئی! اس لیے کہ ایک نماز ہے، ہم بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور ایک نماز۔۔ ایک وہ نماز جسے ہمیں کھڑا کر کے پڑھا لیا جاتا ہے۔ نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ وہ نماز ہی تو ہے نا۔ نماز تو خدا ہی کی عبادت ہے، مغفرت کے لیے دعا۔ اچھا ایک بات بتاؤ؟ نمازِ جنازہ میں کونسے سورے شروع کرتے ہو؟ سورۂ فاتحہ نہیں، سورۂ یاسین بھی نہیں، سورۂ مزمل، سورۂ بقرہ، کچھ بھی نہیں۔ ثنا کے بعد کوئی دوسری چیز آئی تو درود۔ اُس کے بعد مرحوم کے لیے دُعا۔ یہی کرتے ہو نا؟ تو اس لحاظ سے اپنے قرآن کی قرآت کو معاف کر دیا۔ مگر نبی کے درود کو نہیں چھڑوایا، کہیں بیٹھا کر پڑھایا، کہیں کھڑا کر کے پڑھایا۔ تو میں صرف جانتا ہوں کہ نماز خدا کی عبادت ہے ادا مصطفیٰ کی ہے، حلفِ غلامی، حلفِ وفاداری، وہی اُسی عبادت میں نبی سے حلفِ وفاداری دی جا رہی ہے۔ سلام بھیجو جس نے عبادت سکھائی اور اسی کی زبان میں کہو! چاہے تم سمجھو یا نہ سمجھو۔ میں تجھے محبوب بنا لوں گا، پڑھو! میرے محبوب کی بولی بولو، میرے محبوب کی بولی بولو۔ چاہے سمجھ کے بولو چاہے نہ سمجھ کے بولو۔

نبی ﷺ کی بولی بولو!

مٹّھو کی مثال

ارے بھئی! میں ایک مثال دیتا ہوں، سب کی سمجھ میں آ جائے۔ وہ میاں مٹّھو سنا ہے کہ نہیں؟ طوطا۔ لوگ اس کو پالتے ہیں اور پال کے اس کو اپنی بولی سکھا دیتے ہیں۔ جو وہ بولی بولتا ہے بغیر سمجھے بولتا ہے۔ کسی نے اپنے مٹھو کو سکھا دیا: ”پیر فقیر، اٹھا بستر، چل مکے کی زیارت کر“۔ مٹّھو کو سکھا دیا، وہی پڑھا رہا ہے مٹھو وہی پڑھ رہا ہے، بے سمجھے پڑھ رہا ہے۔ مگر وہی پڑھ رہا ہے۔ نتیجہ کیا ہوا کہ اس بولی سے مالک کا جی خوش ہو گیا، خوبصورت سا پنجرہ لیا، کھانے پینے کا انتظام کیا، تو ایک بولی بول گیا تو اُس کی غذا کا بھی انتظام ہے، حفاظت کا بھی انتظام کرتا ہے، تحفظ کرتا ہے، قلعہ بناتا ہے، دشمنوں سے دور رکھتا ہے، بلّی آنے نہ پائے، کتّا قریب ہونے نہ پائے، گیدڑ قریب ہونے نہ پائے، اس لیے کہ یہ ہماری بولی بولتا ہے۔

ارے! میاں مٹّھو کا وہ قصہ آپ نے سنا ہو گا کہ ایک صاحب بازار میں گئے، تو دیکھا کہ کوئی صاحب پنجرے میں میاں مٹّھو کو بیچ رہے ہیں، طوطا کو بیچ رہے ہیں۔ پوچھا کیا دام ہے؟ سو درہم۔ ارے! سو درہم تو بہت زیادہ ہو گا۔ کہا اِسی سے پوچھ لیں۔ اِسی مٹّھو سے پوچھ لو! میاں مٹّھو کیا تمہاری قیمت سو درہم ہے؟ اس نے کہا ”دریں چہ شک“! اِس میں کیا شک ہے! یہ سنتا تھا، خوش ہو گیا۔ ایک بے قیمت کی قیمت لگ گئی۔ بغیر سوچے سمجھے یہ بھی نہیں دیکھا کہ یہ سو درہم کے لائق ہے کہ نہیں؟ بولی بولا، اپنا لیا۔ یہ بھی نہیں دیکھے گا خدا، تو جنت کا مستحق ہے کہ نہیں؟ محبوب کی بولی بولے پہنچ جائے گا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

ومولانا محمد کماتحب وترضی بان تصلی علیه

اچھا! اس کو ہی سکھایا تھا اُس نے، اُس کو کچھ اور نہیں آتا تھا۔ تو جب گھر آیا تو جو بات پوچھو وہی کہتا اِس میں کیا شک ہے! اس کو غصہ آ گیا اور غصہ میں پوچھتا ہے: کیا میں بے وقوف تھا جو میں نے تجھے سو درہم میں خریدا؟ کہا: اِس میں کیا شک ہے!

ذرا آپ خیال کریں۔ معلوم ہوا کہ اگر تم چاہتے ہو، تم کامیابی چاہتے ہو، تم کامرانی چاہتے ہو، دین و عافیت کی فیروزمندی چاہتے ہو، فیروزبختی چاہتے ہو، تم شرافت وکرامت چاہتے ہو۔ بس میرے محبوب کے پیچھے چلے جاؤ! ؎

کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اِسی میں ہے اگر خامی تو سب کچھ نا مکمل ہے

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی

(ڈاکٹر اقبال)

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

☪ ☪ ☪ ☪

خطبہ پنجم

عنوان: شانِ اھلِ بیت

بمقام۔ کرجن، گجرات، انڈیا

اَلْفَاتِحَهُ
اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
وَ اٰلِه وَاَصْحَابِه اَجْمَعِیْنَ۔
اَلْحَمْدُلِلّٰه۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمْ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّةُ وَالتَّسْلِیْمْ۔
اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط
یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکْ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِھَا
وَعَافِیَةِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنْ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنْ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰه۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنْ۔
وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنْ۔

وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ۔ بِرَحۡمَتِکَ یَااَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ۔

اَمَّا بَعۡدُ

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمُ۔ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمُ

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰهُ لِیُذۡهِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَیۡتِ وَیُطَهِّرَکُمۡ تَطۡهِیۡراً۔ (سورہ۔ الاحزاب۔ آیت نمبر 33)

صَدَقَ اللّٰهُ مَوۡلَانَا الۡعَظِیۡمُ وَصَدَقَ رَسُوۡلُهُ النَّبِیُّ الۡکَرِیۡمُ

وَنَحۡنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیۡنَ وَالشَّاکِرِیۡنَ

وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ۔

بَارَکَ اللّٰهُ لَنَا وَلَکُمۡ بِالۡقُرۡآنِ الۡعَظِیۡمُ۔

وَنَفَعۡنَا وَاِیَّاکُمۡ بِالۡاٰیٰتِ وَالذِّکۡرِ الۡحَکِیۡمُ۔

اِنَّهٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیۡمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیۡمٌ۔

مَنَّ عَلَیۡنَا رَبُّنَا اِذۡ بَعَثَ مُحَمَّدًا   اَیَّدَهٗ بِاَیۡدِهٖ اَیَّدَنَا بِاَحۡمَدًا
اَرۡسَلَهٗ مُبَشِّرًا وَّاَرۡسَلَهٗ مُمَجَّدًا   صَلُّوۡا عَلَیۡهِ دَائِمًا صَلُّوۡا عَلَیۡهِ سَرۡمَدًا

(محدث اعظم ہند سید کچھوچھوی)

اللهم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا

ومولانا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیه۔

ادب گاہیست زیر آسماں زعرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا
بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست   گر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست
جو ہو ممدوح خود اپنے خدا کا   بھلا کوئی کرے اس کی ثنا کیا !
انہیں میری حقیقت کا پتہ ہے   مجھے ان کی حقیقت کا پتہ کیا !

بڑے لطیف ہیں نازک سے گھر میں رہتے ہیں
میرے حضور میری چشم تر میں رہتے ہیں
ہمارے دل میں ہمارے جگر میں رہتے ہیں
انہیں کے گھر ہیں یہ وہ اپنے گھر میں رہتے ہیں
یہ واقعہ ہے لباس بشر بھی دھوکا ہے
یہ معجزہ ہے لباس بشر میں رہتے ہیں
مقام ان کا نہ فرش زمیں نہ عرش بریں
وہ اپنے چاہنے والوں کے گھر میں رہتے ہیں
یقین والے کہاں سے چلے کہاں پہنچے
جو اھل شک ہیں اگر میں مگر میں رہتے ہیں
خدا کے نور کو اپنی طرح سمجھتے ہیں
یہ کون لوگ ہیں کس کے اثر میں رہتے ہیں
ملٰئکہ بھی عقیدت سے دیکھتے ہیں اُنہیں
جو خوش نصیب نبی کے نگر میں رہتے ہیں
رہیں وہ اپنوں سے غافل ارے معاذاللہ !
خوشا نصیب ہم ان کی نظر میں رہتے ہیں
وہ اور ہی تھا جو قوسین پہ نظر آیا
ملک تو اپنی حدبال و پر میں رہتے ہیں

(حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی)

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہوگیا محدود

(اصغر گونڈوی)

بارگاہِ رسول وآلِ رسول میں درودشریف کا نذرانۂ عقیدت پیش کریں۔ پڑھیے۔

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا
ومولانا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیه

ایک باراور ہدیہ صلاۃ پیش فرمالیں۔

اللھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا
ومولانا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیه

ایک باراور ہدیہ درودشریف پیش فرماں لیں۔

صلی اللّٰہ علی النبی الامی وآله صلی اللّٰہ علیه وسلم
صلوۃ وسلاما علیک یارسول اللّٰہ

اس کے سوا کوئی بات ہی نہیں کہ خدانے ارادہ کرلیا ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم کو رجس سے دور رکھے اور تمہیں خوب خوب پاک کردے جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔

﴿اھل بیت کون؟﴾

قرآن کریم کی مشہور ومعروف آیت کریمہ جسے ’’آیت تطہیر‘‘ کہا جاتا ہے۔ اس کا ایک سلیس ترجمہ عرض کردیا۔ آپ تحقیق کے میدان میں چلیں آپ کو بہت سے لفظوں کی تحقیق کی ضرورت ہے، پہلا تو یہ کہ یہاں جو’’رجس‘‘ کا لفظ آیا ہے اس کا معنیٰ کیا ہے؟ اس کی مراد کیا ہے؟ دوسرے جو’’اھل بیت‘‘ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد کیا؟ اس لیے کہ جب تک دونوں باتوں کی وضاحت نہیں ہوتی، آپ نہیں سمجھ سکتے کہ کس سے کس کو پاک کیا گیا؟ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہورِ عالم تفسیر، ’’تفسیر کبیر‘‘ میں ایک فیصلہ کن بات کہتے ہیں اوران کے نزدیک جو ترجیح ہے جس میں وہ یہ بیان کرتے ہیں، اس اعتراف کے ساتھ کہ ’ اختلفت الاقوال فی اھل البیت ‘ اہلِ بیت کے مصداق کو متعین کرنے میں اقوال مختلف ہیں، کسی نے کہا صرف ازواج مطہرات مراد، کسی نے کہا صرف وہ مراد جس کو ہم اور آپ پنجتن پاک کہتے ہیں، رسول کی ذات علی المرتضیٰ، فاطمۃ الزھرا، حضرات حسنین کریمین، ہم انہیں پنجتن کے نام سے یاد کرتے ہیں، کسی نے کہا یہ مراد اور کسی نے کہا ازواج مطہرات، پنجتن پاک اور اس کے سوا قیامت تک آنے والی اولاد بھی مراد، امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آخری قول کو سب سے بہتر قول قرار دیا، کہا: الاولی ان یقول هم اولاد ه وازواجه و الحسن والحسین منهم وعلی منهم ‘ نام کی وضاحت کے ساتھ کہ سب سے بہتر جو قول ہے جس کو ترجیح حاصل ہے، وہ نبی کی ساری ازواج اور ان کی ساری اولاد، حضرت امام حسن، حضرت امام حسین وہ بھی شامل، حضرت علی بھی داخل لانه کان من اهل بیته بسبب معا شرته ببنت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وملازمته للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ۔ (تفسیر کبیر۔ سورۂ احزاب۔ آیت نمبر 33)

حضرت علی بھی اہل بیت میں داخل ہیں، اس لیے کہ وہ نبی کی ہی تربیت میں تھے، نبی ہی ان کے کفیل تھے، تو وہ نبی کے گھر والے، گھر والے کی پہچان آسان بتادوں، کہ گھر والا ہم کس کو سمجھیں؟ تو گھر والا وہ ہے جو گھر میں بلا اجازت جا سکے۔۔ اور جس کو گھر میں جانے کے لیے اجازت لینی پڑے وہ در والا ہے، گھر والا نہیں ہے۔ قانون بن چکا ہے يَاأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ۔ (سورۂ احزاب۔ آیت نمبر 53) بغیر اجازت نبی کے گھر میں داخل نہ ہوؤ، یہ قانون در والوں کے لیے ہے گھر والوں کے لیے نہیں ہے۔ نبی اجازت دیں تو جا سکتے ہو۔ مگر حسن حسین کے لیے کوئی پابندی نہیں، جب چاہیں گھر میں چلے جائیں اور جب چاہیں گھر سے باہر آجائیں، علی مرتضیٰ کے لیے کوئی پابندی نہیں، جب چاہیں گھر چلے جائیں، جب چاہیں چلے آئیں۔ میں انتہا کی بات عرض کردوں کہ حضرت عثمان غنی یہ بھی تو رسول کے داماد۔ مگر

بغیر اجازت یہ بھی گھر میں نہیں جا رہے ہیں، اس لیے کہ یہ اگر گھر میں جائیں گے تو فاطمہ زہرا کو پردہ کرنا ہوگا۔ تو گھر والا وہ ہے کہ گھر والا جائے تو کسی کو پردہ لازم نہ ہو۔ تو اب اس بات کو کہہ کر قیامت تک امام مہدی کے زمانہ تک جتنے سید ہیں یہ رسول کے گھر میں بغیر اجازت جا سکتے ہیں، اس لیے کہ اپنی دادی ہی کے پاس تو گئے، تو کسی پردے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یہ ہیں گھر والے، ان کے لیے وہ قانون نہیں۔ تو اب اہل بیت سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اہل بیت ہم جس کو کہتے ہیں، وہ پانچ ہی تو ہیں ان کی جو نسل، ان کی اولاد میں جس میں رسول کا حسب ونسب شامل ہے وہ سب بھی اہل بیت میں داخل۔

عجیب بات ہے جب گھر والے، در والے کی بات چلتی ہے تو لوگ عجیب عجیب بات کہنے لگتے ہیں! فاضل نوجوان نے جس کی طرف اشارہ کیا تھا، ارے بھئی! کہاں کی بات چھیڑ دی تم نے، اتنا تم نہیں جانتے! کہا ٹھیک ہے۔ گھر والے گھر والے ہوتے ہیں۔ مگر جو عظمت ملتی ہے وہ علم وعمل سے ملتی ہے، بڑائی جو ملتی ہے وہ تقویٰ وطہارت سے ملتی ہے۔ نسب سے کیا ہوتا ہے؟ نسب سے کیا ہوتا ہے؟ نسب سے کوئی فائدہ نہیں۔ عمل کرو! عمل کرو! نسب سے کوئی فائدہ نہیں، علم حاصل کرو! علم حاصل کرو! بھئی ٹھیک ہے کسی کو اپنے نسب سے فائدہ نہ ہو تو وہ رسول کے نسب پر کیوں شک کر رہا ہے؟ نسب سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایسا بولتے ہو؟ نسب سے تو وہ فائدہ ہے جو کسی عمل سے نہیں ہو سکتا، کسی عمل سے وہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔

﴿نسب کا فائدہ﴾

قرآن کریم کا وہ مشہور واقعہ آپ نے سنا ہوگا۔ حضرت خضر علیہ السلام اور حضرت کلیم علیہ السلام، ساتھ ہو گئے تھے نا، دو یتیموں کی دیوار جو گرنے کی پوزیشن (Position) میں تھی، انہوں نے سیدھا کر دیا اور جب سیدھا کیا تو حضرت کلیم علیہ السلام نے اعتراض کیا؟ اصل میں وہ شریعت موسوی کے خلاف کوئی نامناسب بات دیکھتے تو بولتے، نبی کا کام ہے ہی، اپنی شریعت کے خلاف کچھ بھی دیکھتے بولتے۔ انہوں نے کہا: ایسی قوم کی دیوار آپ نے سیدھی کی جس نے ہمیں پوچھا تک نہیں، ارے اگر اجرت لے کر کام کرتے تو کچھ فائدہ ہوتا۔ خیر۔۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جو مصلحتیں بیان کیں۔

انہوں نے ایک بات کہی: اصل میں، اس میں دو یتیموں کا مال ہے، خزانہ ہے اس کے اندر، اگر وہ گر جاتی تو دوسرے لوگ لے جاتے اور بیچارے یتیم محروم رہ جاتے۔ تو خدا نے یہ چاہا کہ میں یہ دیوار کھڑی کر دوں، جب یہ بچے سن بلوغ کو پہنچ جائیں گے تو اپنا خزانہ نکال لیں گے۔ تو خدا نے یہ فضل ان بچوں پر کیوں کیا؟ یہ فضل کیوں کیا؟ کیا ان بچوں نے کوئی عمل کیا تھا؟ کیا ان بچوں نے کوئی تقویٰ والی زندگی اختیار کی تھی؟ وہ تو اس عمر تک نہیں پہنچے تھے۔ تو خود ہی کہہ دیا یہ جو اُن پر فضل ہوا۔ کَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحاً (سورۂ کہف۔ آیت نمبر 82) ان کا باپ نیک تھا۔ نیکی اُنہوں نے کی فائدہ اِن کو مل رہا ہے۔ باپ نیک تھا وہ بھی سات پشت والا، باپ نیک تھا۔ تو خدا نے اس کی نیکی کا فائدہ پہنچایا۔ تو تم کہتے ہو نسب سے کچھ نہیں ہوتا تو یہ کیسے ہو گیا؟

ذرا سا آپ خیال کرو کہ نسب کا فائدہ کیا ہوتا ہے۔ اچھا چلو اب قرآن کریم کی دوسری آیت کریمہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ (سورۂ طور۔ آیت نمبر 21) یہ ایمان والے اور اُن کے پیچھے چلنے والی ان کی اولاد، ہم جنت میں ان بچوں کو ان کے باپ دادا سے ملا دیں گے اور یہ جو ملانا ہے یہ کسی عمل کے نتیجے میں نہیں۔ صرف ان کے باپ دادا کی خوشی کے لیے، ان کی رضا کے لیے، ان کے بچوں کو ہم ان کے قریب کر دیں گے۔ مفسرین نے یہ کہا اگر کوئی عمل والا، متقی پرہیزگار کوئی شخص ہے اور اس مقام کا بچہ نہیں ہے تو بھی جنت میں وہ اپنے باپ دادا کے پاس اسی مقام پہ رہے گا۔ تو میں سارے سیّدوں کو خوش خبری سناتا ہوں کہ تم اپنے رسول کے دامن سے وابستہ رہو گے تو میدان جنت میں تم کہاں

رہو گے؟ جہاں تمہارے باپ دادا رہیں گے اور جہاں اللہ کے رسول رہیں گے۔ بڑے سے بڑا مفتی وہاں نہیں پہنچ سکتا۔ تو وہاں جو جنت میں خانۂ نبوت بنایا جائے گا اس میں یہی لڑکے رہیں گے، یہی بچے رہیں گے، یہی نسل رہے گی، اور جو رسول کے درجہ پر پہنچنے والا کون سا عمل کرے گا؟ کیا کسی کے بس کی بات ہے کہ ایسا عمل کرے کہ رسول کے درجہ پہ پہنچ جائے؟ کیا کسی کے بس کی بات ہے کہ ایسا عمل کرے کہ جہاں رسول رہیں وہاں رہنے کا ٹھکانہ مل جائے! تو یہ عمل نہیں لے جا رہا ہے، نسب لے جا رہا ہے۔ تو کیسے کہتے ہو کہ نسب سے کوئی فائدہ نہیں!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیہ۔

دیکھیے ابھی تو بات اور آگے چلے گی کہ نسب کیا کیا کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے نیکوں کا عمل بھی فائدہ پہنچاتا ہے، اپنے نیک بچوں کے لیے، صحیح ہے۔ مگر نبی کے نسب کی عجیب شان، اب ''آیت تطہیر'' کی طرف آیئے۔ ابھی تک تو میں صرف اتنا بتا رہا تھا کہ اہل بیت سے مراد کیا؟ اب آیت کا مطلب کیا ہے؟

تو صاف مطلب کچھ لوگ یہ کہتے ہیں ''اے اہل بیت! خدا یہ چاہتا ہے کہ تم برائیوں سے دور رہو، نیکیوں کو اپناؤ، اپنوں کو صاف ستھرا رکھو، یہ ہے مطلب۔ ایمان لاؤ، نیک عمل کرو، متقی بنو، صاف ستھرے رہو، یہ ہے مطلب۔ ایک بات بتاؤ! کیا خاص بات پیدا ہوئی اہل بیت سے؟ خصوصیت سے کہا جا رہا ہے۔ اس سے کیا خاص بات پیدا ہوئی؟ کیا خدا صرف اہلِ بیت ہی سے یہ چاہتا ہے یا سارے مسلمانوں سے؟ یہ جو مطالبہ ہوا تو سارے مسلمانوں سے، اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔۔ اچھا۔۔ ایمان لاؤ، تقوٰی اختیار کرو، پاک و صاف رہو۔۔ اور صرف مومنوں کی بات نہیں ہے، اسلام تو سارے کافروں سے بھی یہی چاہتا ہے کہ ایمان لاؤ، نیکی اختیار کرو، اپنے آپ کو پاک و صاف رکھو۔ تو اگر وہی بات جو سارے انسانوں سے چاہتا ہے، اہل بیت سے وہ خاص بات کیا؟ پھر اسے مقام مدح میں کیوں لایا گیا؟ پھر اسے مقام مدح میں کیوں لایا گیا؟ جب ایک عمومی بات جو سارے انسانوں سے یہی چاہتا ہے تو اس آیت میں خصوصیت کیا ہے؟ اور ایک بات توجہ سے سنو! دیکھیے۔۔ تمام سوال کا جواب میں آیت ہی سے دوں گا، ان شاء اللہ۔ آگے پیچھے آپ کو نہیں لے جاؤں گا۔

﴿آیت تطہیر کی تحقیق﴾

دیکھو رب کا اندازِ بیان۔۔۔۔

﴿مثال﴾ میری بغل میں سید رکن الدین بیٹھے ہوئے ہیں، اب میں نے گفتگو ان سے کی کہ سید رکن الدین! میں یہ چاہتا ہوں کہ تم بڑودہ میں ایک مکان بنالو، بڑودہ میں ایک مکان بنالو، مطلب کیا ہوا؟ میری خواہش تو ہے مگر بنانا ان کو ہے۔ اب پتہ نہیں کہ بنانے کی ان کے پاس طاقت ہے کہ نہیں، وسائل ہیں کہ نہیں، ذرائع ہیں کہ نہیں، ہوگا تو بنالیں گے، میری خواہش کا لحاظ کرلیں گے، نہیں تو کہاں سے بنائیں گے! تو جب میں نے یہ کہا تو آپ کی نظر سید رکن الدین پر جم گئی کہ یہ طاقت رکھتے ہیں کہ نہیں اور اگر میں یہ کہوں کہ مولانا سید رکن الدین میں چاہتا ہوں کہ بڑودہ میں مَیں تیرا مکان بنادوں، تو اب انہیں کوئی نہیں دیکھے گا، سب مجھے دیکھیں گے کہ یہ بنا سکیں گے کہ نہیں، ان میں طاقت ہے کہ نہیں، یہ تو چپ بیٹھے رہیں گے، میں اپنی خواہش کی تعمیل کروں یا نہ کروں، یہ تو میری بات ہے۔ تو آیت میں یہ بات کہاں ہے کہ اے نبی کے گھر والو! تم خود رجس سے پاک ہو جاؤ! اے نبی کے گھر والو! تم خود اپنے آپ کو پاک و صاف کرلو! آیت میں تو یہ ہے **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس**۔ اللہ نے تو یہ ارادہ کیا کہ اللہ خود دور کردے، اللہ خود پاک و صاف کردے، مجھے یہ بتاؤ کہ خدا نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اہل بیت ہم تمہیں پاک کریں گے، ہم یہ چاہتے ہیں کہ خود پاک کردیں، ہم تمہیں خود رجس سے پاک کردیں۔ آپ مجھے

بتاؤ کہ خدا میں طاقت ہے کہ نہیں؟ آپ اہل بیت کو مت دیکھو۔ ۔ جو پاک کرنا چاہتا ہے اُسے دیکھو۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿فضل و عمل میں فرق﴾

ایسا پاک، ایسا پاک، میں آپ کو کیا بتاؤں۔ یہ نسب دیکھیے۔ ہماری دو مجلسیں ہوئی ہیں۔ پچھلی شب ایک مجلس ہوئی، وہ گھر والوں کی تھی۔ ہم نے اپنا محاسبۂ نفس اس میں کرلیا، اپنے کو ہمیں کیا کرنا ہے وہ ہم نے سمجھ لیا، وہ اپنے گھر والوں کی بات تھی وہ گھر والوں میں ہوگئی، وہ تو گھر والوں کی بات تھی۔ اب یہ پیغام ہے در والوں کے لیے، یہ پیغام جو دیا جارہا ہے اسٹیج کے اوپر، یہ در والوں کے لیے دیا جارہا ہے۔ تاکہ یہ نہ سمجھنے لگو کہ اپنے کو ہم خاکسار کہیں تو تم بھی خاکسار کہنے لگو، ایسا نہ ہو کہ تم ہمارے اندر کچھ دیکھو تو اپنی عاقبت خراب کرنے کا انتظام شروع کردو، ایسی کوئی بات نہیں۔ تو نسب دیکھو! رسول کیا کہتے ہیں کُل نسب و سبب منقطع یوم القیامه الا نسبی و سببی۔ (فتاویٰ مصطفویہ، حصہ سوم، صفحہ نمبر 239،238) سارے نسب اور سارے رشتۂ غلامی قیامت کے دن ختم ہو جائیں گے، قیامت کہ دن میرا نسب باقی رہے گا اور میرا رشتۂ غلامی باقی رہے گا، میرا رشتۂ غلامی باقی رہے گا، اور میرے رشتے کے فوائد باقی رہیں گے، باقی سب منقطع، کوئی کسی کا پہچاننے والا نہیں ہوگا۔ مگر ایک بات بتادوں رشتۂ غلامی کب فائدہ دے گا؟ جب رشتۂ غلامی کو تم یہاں بچالو، رشتۂ غلامی کو اگر بچا کر لے گئے تو وہاں کام آئے گا ورنہ نہیں۔ جو یہیں نہ بچا سکا تو کیا لے کر گیا! رشتۂ غلامی کو تم نے قائم کیا تو قائم ہوا۔ رشتۂ غلامی کو تم نے قائم کیا تو قائم ہوا، یہ تمہاری محنت کا ثمرہ ہے۔ نسب ہم نے خود نہیں بنایا، خدا نے دے دیا، ہم نے خود نہیں بنایا۔ تو جو فضل سے ملے اس کا معاملہ اور ہے۔ تم نے نہیں سنا بلکہ غور بھی کیا

ہوگا کہ دیکھو مقام اونچا ملتا ہے علم سے بھی، عمل سے ملتا ہے کہ نہیں؟ ملتا ہے، تقویٰ و طہارت سے۔ مگر تم نے اس علم والے کو نہیں پہچانا؟ اس عمل والے کو نہیں پہچانا؟ جو چھ کروڑ برس تک عمل کرتا رہا، نہ علم کی کمی نہ عمل کی کمی، ''ابلیس''، محنت سے بڑھا، بڑھتا گیا، پھر گروہ ملائکہ میں شامل کیا گیا، مگر نہ علم بچا سکا نہ عمل بچا سکا۔ ایک بات بتاؤ؟ فرشتے تو بچ گئے ابلیس نہیں بچا، فرشتے بچ گئے ابلیس نہیں بچا، فرشتے۔ ۔ مختصر عرض کردوں، ابلیس جہاں پہنچا تھا وہ اپنی محنت سے پہنچا تھا، فرشتے جہاں پہنچے تھے وہ خدا کے فضل سے پہنچے تھے، محنت والا نہیں بچا فضل والا بچ گیا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿آیت تطہیر میں 'رجس' کا مطلب﴾

آپ اچھی طرح سمجھتے چلے جائیں۔ نسب کا معاملہ عجیب ہے اور وہ بھی نبی کا نسب، یہ شرافت بھی نبی کی ذات سے ہے، نبی سے نسبت خدا نے دی، اس نے اپنے فضل سے دیا، نبی کے گھرانے میں خدا نے اپنے فضل سے پیدا کیا، اب وہ مقام بھی دے رہا ہے۔ دیکھو! سادات کے بارے میں علما کے دو نظریات آئے کہ رجس سے مراد کیا ہے؟

(1) امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرو الرضوان، انہوں نے رجس سے کفر مراد لیا، اور پھر جو ان کا مسلک تھا۔ اس سلسلے میں انہوں نے یہ کہا کہ سادات سے کفر سرزد ہی نہیں ہوسکتا، سادات سے کفر سرزد ہی نہیں ہوسکتا۔

(2) مگر بدایوں شریف کے امام عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ ان کا کہنا یہ ہے کہ نہیں، صادر تو ہوسکتا ہے مگر کفر پر موت نہیں آئے گی۔ ان کو توبہ کی توفیق ملے گی۔

اب آپ بتائیں دونوں باتیں جن کے نزدیک سادات سے کفر سرزد ہی نہیں ہو سکتا، وہ بھی یہ نہیں کہتے کہ کسی عمل کی وجہ سے، ان کا بھی یہ کہنا ہے کہ نسب کی وجہ سے۔

رسول کے نسب کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کفر کو آنے نہیں دیتا، کفر کو اپنے قریب آنے نہیں دیتا۔ اس سے بڑا فائدہ اور کیا ہوسکتا ہے! دوسرے نسب والے یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ وہ کفر کو آنے نہیں دیتا، وہ کفر کو آنے نہیں دیتا۔ بڑے بڑے نسب والے ایسا بہک گئے اور کفر نے انہیں ایسا گھیر لیا کہ جان نہیں بچا سکے۔ دیکھا آپ نے۔۔ مگر یہ رسول کا نسب ہے جو کفر کو آنے نہیں دیتا۔ یہ کس تحقیق پر امام عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق پر کہ کفر تو آجائے مگر نسب رہنے نہیں دیتا، نسب رہنے نہیں دیتا، اُٹھا کر پھینک دیتا ہے، کفر کو اُٹھا کر پھینک دیتا ہے۔ اس لیے کہ خدا نے طے کر لیا ہے کہ ان کو رسول کے ساتھ رکھنا ہے۔ تو کفر کے ساتھ یہ نہیں جا سکتے۔

تو دیکھو! چاہے رسول کا نسب کفر کو آنے نہ دے یا کفر کو رہنے نہ دے، نسب کا فائدہ ہوا کہ نہیں ہوا! نسب کا فائدہ ہوا کہ نہیں؟

کہتے ہیں نسب سے کچھ نہیں ہوتا، نسب سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ تو ایسی بات ہے کہ جیسے کہ کہتے ہیں کہ یہاں سے ثواب پہنچانے سے کچھ نہیں ہوتا! ارے بھئی! تیرے مردوں کو پہنچانے سے نہیں پہنچتا تو کیا ہمارے بھی مردوں کو پہنچانے سے نہیں پہنچتا! ہر ایک کو الگ الگ قیاس کیوں کرتے ہو؟ تو لیذھب عنکم الرجس خدا نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ وہ خود تمہیں پاک کرے، تمہیں رجس سے دور رکھے۔ اچھا جناب والا! ''امام رازی'' نے یہاں کفر کے بجائے دوسری بات کہی ہے۔۔ اور ایک اچھا نکتہ نکالا۔ انہوں نے رجس سے مراد ''گناہ'' لیے "لیذھب عنکم الرجس۔ ای لیزیل عنکم الذنوب" (تفسیر کبیر) یہ معنیٰ۔ تاکہ گناہوں کو تم سے دور کر دے، زائل کر دے۔ وہاں بھی وہ گوشہ ہے۔ دور کرنے کی ایک شکل ہے کہ گناہ ہی نہ ہو، اور زائل کرنے کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ گناہ تو ہو مگر خدا رہنے ہی نہ دے۔ ایک بات بتاؤں۔۔ گناہ کسی کا ہوگا خدا کی نافرمانی ہوگی، تبھی تو گناہ ہوگا، تو جس کے گنہگار، وہی گنہگار نہ مانے تو اپنے سے تم کو گنہگار

بنانے کا کیا شوق ہے!!!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا

محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

وہ اپنے کرم سے معاف کر دے۔ ہمارا کوئی گنہگار ہو ہم معاف کر دیں تو اس میں کسی کی کیا بات بگڑتی ہے! طے کر لیا ہے، طے کر لیا ہے کہ فلاں فلاں کی ہر خطا کو ہم صرفِ نظر کر لیں گے، ہم اس کو معاف کر دیں گے، اس کی وجہ سے نہیں، اس وجہ سے کہ ہم نے اسے محبوب کے نسل میں رکھا ہے۔

﴿یطھرکم تطہیرا کی تحقیق﴾

ذرا سا آپ خیال کریں، مگر انہوں نے 'ذنوب' کی بات پر ایک لطیفہ کی بات کی، انہوں نے کیا کہا ہے کہ بھئی! رجس سے جب کسی چیز کو دور کر دیا جائے تو وہ پاک ہوتی ہے کہ نہیں؟ جب پاک ہوگئی تو پھر پاک کرنے کا مطلب کیا؟ لیذھب عنکم الرجس رجس سے مراد گناہ، تو اگر کسی نجاست سے کسی کو پاک کر دے تو اب پاک ہوگئی، ہٹا دیا وہ پاک ہوگیا۔ پھر یہ لیطھر کم تطھیرا، اب کیا پاک کرنا؟ اب رہا کیا؟ تو امام رازی نے ایک نکتہ تو یہ نکالا۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نجاست کا جو عین ہے، ذات ہے وہ ختم ہو جائے مگر جگہ پاک نہ ہو، نجاست کی جو ذات ہے وہ ہٹ جائے مگر جگہ پاک نہ ہو، ایسا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر کسی نے کسی چیز پر پیشاب کر دیا، دھوپ نکلی ختم ہوگیا، اثر ختم ہوگیا۔ مگر وہ جگہ پاک نہیں ہے دھونا پڑے گا، زمین پر کوئی پیشاب کر دے سوکھ جائے تو اس زمین کو اس معنیٰ میں تو پاک کہیں گے۔ اگر آپ نہیں جانتے وہاں نجاست آفتاب نے پاک کر دیا، مگر زمین سے آپ تیمم کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے، تیمم کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پانی اس پر پہلے ڈال دو۔ تو ایک ہوتا ہے طَاھِر اور ایک ہوتا ہے مُطَھِّر، ایک وہ ہوتا ہے جو پاک ہو جائے اور ایک وہ ہوتا ہے جو پاک بھی ہو جائے اور پاک بھی کر دے، طاھر بھی

ہواور مطھر بھی ہو۔ اتنا پاک کر دے۔ مگر یہاں کونسی پا کی مراد ہے؟

تو حضرت امام رازی تفسیر کبیر میں عجیب بات کہتے ہیں۔۔ اور یہ سب فائدہ نسب سے مل رہا ہے۔ کہ یہاں یطھر کم تطھیرا سے کیا مراد ہے؟

یلبسکم خلال الکرامه یعنی ایک تو ہم نے پاک کر ہی دیا ہے اور تمہیں خوب خوب پاک کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تمہیں عزت وکرامت کا لباس پہنا دے، عزت کرامت کا لباس پہنا دے۔۔ اور یہ سب کس لیے صرف نسب کی وجہ سے، یہ کسی اور کی وجہ سے نہیں۔ اب بات سمجھ میں آ گئی، ابھی بتایا نا نسب والے کو ذاتی فضیلت حاصل ہوئی ہے، دوسروں کو یہ فضیلت حاصل نہیں ہوئی۔

﴿سیّد کی تعظیم﴾

ابھی تو یہ کہہ رہے تھے نا کہ اگر سید فاسق آئے تو بھی تعظیم واجب۔۔ یہ کچھ۔۔ بول کر چلے گئے، امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ تو دے دیا مگر ان کی ایک بات چھپا گئے، پتہ نہیں کیا مصلحت تھی! امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ تو یہ کہتے ہیں کہ سید اگر گمراہ ہو جائے اور اگر کفر تک اس کی گمراہی نہ پہنچے تو بھی واجب التعظیم۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد دہم، نصف آخر، صفحہ نمبر 173، 174) تو بھی وہ واجب التعظیم۔ گمراہ بھی ہو جائے تو یہ تعظیم کس چیز کی ہے؟ یہ رسول کی نسبت کی تعظیم ہے، یہ نسبِ رسول کی تعظیم ہے۔

ذرا سا دیکھو! دوسروں کا کیا حال ہے؟ بتاؤں؟ موٹی موٹی سند لے کر آ گئے، یہ فخر القراء ہیں، یہ بحر العلوم ہیں، یہ نہر العلوم ہیں، یہ فلاں ہیں، یہ فلاں ہیں۔ آئے صاحب۔۔ اچھے خاصے لباس میں، بزرگوں کا لباس پہن لیا، صفات چھوڑ دیا! اب آنے کے بعد کھلے عام کوئی فسق کر گئے، مثلاً جھوٹ بول گئے۔ ایک جھوٹ ایسا ہے جس جھوٹ سے ان کو اتنی محبت ہے کہ بولنے والا زبان سے بول رہا ہے، لکھنے والا قلم سے لکھ رہا ہے، مفتی فتویٰ بھی دے رہا ہے۔ ایک جھوٹ ہے، ایک جھوٹ ہے، وہ جھوٹ کیا ہے؟ ہم

دونوں بھائیوں پر الزام ہے کہ ہم امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی توہین کرتے ہیں، مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی گستاخی کرتے ہیں۔۔ اور بار بار ہم کہتے ہیں کہیں دکھا دو؟ کسی کیسٹ میں سنا دو؟ کسی تحریر میں دکھا دو؟ مگر بار بار یہ وہ ہی ریپیٹ (Repeat) کرتے ہیں۔ تو یہ ایسا جھوٹ ہے جس سے ان کو محبت ہو گئی ہے۔ مگر اسی جھوٹ نے انہیں فاسق بنا دیا، اب جب فاسق بن گئے تو ان کی توہین واجب۔ اب سند ان کو توہین سے نہیں بچا سکتی، اب جبہ قبہ انہیں توہین سے بچا نہیں سکتا۔ ایک جھوٹ بولے تو ان کی توہین واجب اور رسول کے نسب والا گمراہ بھی ہو جائے تو اس کی تعظیم واجب۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

اچھا اس طرح کی غلطی ہوتی کیوں ہے؟ اور پہلے والے جو علما تھے ان میں ہوتی کیوں نہیں تھی؟ پہلے والے جب مدرسہ سے پورا علم حاصل کر لیتے تھے تو خانقاہی بزرگوں کے پاس آتے تھے نخوت علمی کو جھاڑنے کے لیے، علم کا غرور ختم کرنے کے لیے، اپنی قابلیت کے احساس مٹانے کے لیے۔ یہ بزرگان دین انہیں ریاضت کی چکی میں چلا کر آدمی بنا دیتے تھے، ان کو آدمی بنا دیتے تھے۔ تو وہ خانقاہوں میں آتے تھے۔۔ اور جب خانقاہوں سے صاف ستھرے ہو جاتے تھے تب نکلتے تھے۔۔ اور آج کا نکلنے والا خانقاہ کی طرف رُخ نہیں کرتا، بس مدرسہ سے نکلا تو کسی مدرسہ والے کی تلاش کر لی۔۔۔

جب کہ ہونا یہ چاہیے کہ مدرسہ سے نکلا اور اس کے بعد خانقاہ کی طرف جا کے ریاضت و مجاہدہ کرے۔۔ یاد رکھو! اسی لیے میں اکثر کہا کرتا ہوں۔۔۔ ذرا غور کرو! مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر کو ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ شد

یعنی مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم۔ میں اپنے مزاج کا ترجمہ کرتا ہوں، جو مجھے

پسند ہے اور صحیح بھی وہی لگتا ہے۔

مولوی، مولوی تھا، روم کا مولا نہیں بنا   جب تک شمس تبریزی کا غلام نہیں بنا

پوری مثنوی لکھ ڈالی مولا نہیں بنا، کیا کیا سیکھ ڈالا مولا نہیں بنا، کہاں کہاں تک پڑھ ڈالا مولا نہیں بنا۔ مگر غلامی جب ایک ولی کامل کی ہوئی تو وہ مولا بن گئے، تو سن لو ”مدرسے سے مولوی نکلتے ہیں خانقاہوں سے مولا نکلتے ہیں“۔

اللّٰھم صل وسلم علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل
سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

﴿کرامت و تقویٰ کی تحقیق﴾

یہاں موقع کی بات ہے، وہ بات یہاں بھی عرض کردوں۔ اس لیے تاکہ کسی گوشے سے کوئی شبہ نہ رہے۔ قرآن کریم کی آیت کریمہ اس مقام پر پڑھی جاتی ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ (سورۂ حجرات۔ آیت نمبر 13) اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یہ ترجمہ بیان کیا جاتا ہے۔ جو سب سے زیادہ متقی ہوگا وہ سب سے زیادہ مکرم ہوگا۔ اصل چیز کیا ہے؟ تقویٰ ہے۔ تو میں ذرا دلیل بھی دیتا ہوں۔ اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے ایک سوال کا جواب یہ کہ مکرم ہونے کے لیے تقویٰ ضروری ہے کہ نہیں؟ اور تقویٰ کے لیے علم و عمل چاہیے کہ نہیں؟ بتاؤ! رسول کی اطاعت کے بغیر تقویٰ ہوگا؟ تو تقویٰ کے لیے اطاعت رسول لازم اور اطاعت رسول کے لیے محبت رسول لازم، بغیر رسول کی محبت کے کوئی اطاعت ہوگی؟

تو اطاعت رسول کے لیے محبت رسول لازم اور رسول کی محبت کے لیے آل رسول سے محبت لازم۔ کیا رسول کی آل و اصحاب سے دشمنی کر کے کوئی رسول کا محب ہوسکتا ہے؟ آل کی محبت نہیں تو پھر رسول کی محبت بھی نہیں اور جب محبت نہیں تو اطاعت بھی نہیں، جب اطاعت نہیں تو تقویٰ بھی نہیں۔ تو وہ لوگ تقویٰ کا نام کیوں لیتے ہیں، جو آل سے لڑ رہے ہیں!!! وہ لوگ تقویٰ کا نام کیوں لیتے ہیں؟ تم تو پہلی ہی منزل میں گر گئے، تم تو پہلی ہی منزل میں گر گئے، آگے بڑھنے کا راستہ بھی مسدود ہوگیا۔ مگر میں تم کو تحقیقی ترجمہ اس آیت کا بتاؤں۔۔ اور میں ہوا میں بات نہیں کرتا۔ تفسیر میں اس آیت کریمہ کے دو ترجمے، ایک کو کہا ہے اشھر، اور ایک کو کہا ہے اظھر، ایک وہ جو بہت مشہور ہے اور ایک وہ جو فنی اعتبار سے بالکل ظاہر۔ تو اشھر تو وہی جو میں نے سنا دیا حالانکہ اس سے بھی کسی کو کوئی فائدہ نہیں ہے مگر اظھر کیا ہے؟ اب چوں کہ یہاں علما بھی بیٹھے ہیں اور یہ گرامر کی بات ہے۔ تو میری خاطر گرامر کی کچھ باتوں کو سننا ہی پڑے گا، چاہے آپ اس کو سمجھ نہ پائیں۔ دیکھو! إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ اگر علما سے پوچھو یہ ”إِنَّ“ کیا ہے؟ کہتے ہیں یہ 'حرف مشبہ بالفعل' ہے، اس کا ایک اسم ہوتا ہے ایک خبر ہوتی ہے۔ اس کی مثال میں دوں۔ جو پہلا ہو وہ اسم ہوتا ہے اور جو بعد میں ہو وہ اس کی خبر ہوتی ہے۔ اب مثال سے میں کہوں ”إِنَّ زَيْدًا قَائِمٌ“ بے شک زید کھڑا ہے۔ تو پہلے زید ہے پھر قیام ہے، پہلے زید ہے پھر قیام ہے، کیا سمجھے؟ قیام سے زید نہیں، زید سے قیام ہے۔ قیام سے زید نہیں ہے بلکہ زید سے قیام ہے۔ تو إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ بے شک خدا کے نزدیک تمہارا جو مکرم ہے وہی متقی ہے۔ خدا کے نزدیک جو مکرم ہے وہی متقی ہے۔ کیا مطلب؟ تقویٰ سے کرامت نہیں ملتی، کرامت سے تقویٰ ملتا ہے۔ کرامت سے تقویٰ ملتا ہے۔ جس پر اللہ کا فضل ہو وہی متقی اور جس پر فضل نہ ہو وہ کیا کرے عمل، پڑھا کرے نماز، رکھا کرے روزہ، اگر خدا کا فضل نہیں تو وہ متقی نہیں۔

دیکھو! ہم آپ کو بتائیں۔۔ سیدنا غوث پاک رضی اللہ عنہ پیدائشی ولی، کون سا تقویٰ تھا؟ پیدا ہوئے اور متقی۔ تو عمل متقی نہیں بناتا خدا کا فضل متقی بناتا ہے۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رضی اللہ عنہ کسی مدرسہ میں نہیں گئے، حضرت عبدالعزیز دبّاغ رضی اللہ عنہ نے کسی مدرّس کا چہرہ نہیں دیکھا، یہ بزرگ لوگ جو اپنے وقت کے غوث الواصلین تھے، تو

عمل نے ان کو وہاں نہیں پہنچایا خدا کے فضل نے پہنچایا۔ تو جس کے ساتھ خدا کا فضل ہو وہ مکرم ہوتا ہے۔ تو اب اگر خدا کا فضل شامل حال نہ ہوتا تو یہ نسب والوں کو سرکار سے نسبت کہاں ہوتی، یہ فضل والے ہیں۔

﴿اھل بیت سے مراد پنجتن پاک﴾

تو اچھی طرح سے اس کو سمجھو اِنَّما یُرِیُدُ اللهُ لِیُذهِبَ عَنُکمُ الرِّجسَ اَهلَ البَیتِ وَیُطَهِّرُکُمُ تَطهِیراً۔ سرکار بھی اس لفظ کو بار بار فرماتے تھے۔ اس لیے کہ ازواجِ مطہرات کا گھر والا ہونا یہ ظاہر بات ہے، مگر کیا داماد بھی گھر والا ہوتا ہے؟ کیا نواسے بھی گھر والے ہوتے ہیں؟ یہ ذرا ایک مشکل بات۔۔ نواسوں کا گھر دوسرا سمجھا جاتا ہے، بیٹی کا گھر دوسرا سمجھا جاتا ہے، داماد کا گھر دوسرا سمجھا جاتا ہے۔ مگر آیت کریمہ میں ازواجِ مطہرات، وہ تو گھر سمجھا جاتا ہے، ان کا گھر سمجھا جانا آسان تھا۔ مگر ان کا بھی گھر والا ہونا، تو سرکار نے بڑا اہتمام کیا، ایک چادر میں لے لیا، آیت اتری، چادر میں لے لیا۔ حسن آجاؤ، حسین آجاؤ، علی آجاؤ، اب جب رسول گھر والوں میں داخل کر رہے ہیں، ہم باہر کیسے کر پائیں گے! سب کو بلا کر بٹھایا اور کہا خدا سے ’’اللّٰھم ھٰؤلاء اھل بیتی‘‘ یہی وہ میرے اہلِ بیت ہے اس کو تو رجس سے دور کردے، پاک وصاف کردے۔ (صحیح مسلم، مسند احمد، ترمذی)

بلکہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ چھ مہینہ تک میں نے سرکار کو یہ دیکھا کہ نماز فجر کے وقت جب نکلتے تھے تو حضرت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر جاتے تھے اور کہتے تھے۔ ’’الصلٰوۃ یا اھل البیت، الصلٰوۃ یا اھل البیت۔ اِنَّما یُرِیُدُاللهُ لِیُذهِبَ عَنُکمُ الرِّجسَ اَهلَ الُبَیُتِ وَیُطَهِّرَکُمُ تَطُهِیراً اس آیت کریمہ کی تلاوت کرتے تھے۔ تاکہ متعین ہوجائے، کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ گھر کے باہر والے ہیں۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نو (۹) مہینہ، میں شرف صحبت سے مشرف رہا اور میں روز دیکھتا تھا کہ سرکار فجر کے وقت نماز فجر کے لیے نکلتے تو حضرت فاطمۃ الزھراء رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر آتے اور یہی کہتے یا اھل البیت یرحمکم الله۔ اِنَّما یُرِیُدُاللهُ لِیُذهِبَ عَنُکُمُ الرِّجُسَ اَهلَ الُبَیُتِ وَیُطَهِّرَکُمُ تَطُهِیُراً۔ اتنی وضاحت کی۔ بلکہ وہ ’’حدیث کساء‘‘ میں تو یہ تھا کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی آئیں اور آکر کہا، کہ ہم بھی اسی میں داخل ہوجائیں، رسول نے انہیں روکا انكِ علی الخیر، تم تو گھر والی ہی ہو، تم کو گھر والا خدا نے بنا دیا ہے۔ (مستدرک) اب اس آیت کی تفسیر میں جو اضافہ ہے وہ میں کر رہا ہوں، واضح تفسیر میں کر رہا ہوں، اس کا معنیٰ متعین کر رہا ہوں، گھر والوں میں عورتیں، یہ تو سبھی سمجھ لیں گے، مگر کیا نواسے بھی ہیں؟ یہ اگر میں نہیں سمجھاؤں گا تو اس آیت کی مکمل تفسیر لوگوں کی نگاہوں کے سامنے نہیں آسکے گی۔

آپ خیال کرتے چلے جائیں۔۔ اور اس کے بعد فضائل تو اتنے ہیں کہ میں کہاں تک چھیڑوں گا۔۔ بات بہت دور تک چلی جائے گی اور آپ کو ایک اور بھرپور تقریر سننی ہے، بس اتنا ہی کافی ہے جتنا میں نے عرض کیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد اللہ رب العالمین۔

* * *

خطبہ ششم

عنوان: سچوں کا ساتھ

بمقام: دار العلوم دیوان شاہ بھیونڈی، بمبئی

اَلْفَاتِحَہ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمْ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیْمْ۔
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط
یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِہَا
وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِہَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِہَا
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنْ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنْ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنْ۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنْ۔

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ۔ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنْ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمْ
یَآاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔
(سورۂ توبہ۔ آیت نمبر 119)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمْ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمْ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاهِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیْمْ۔
وَنَفَعْنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمْ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔

مَنَّ عَلَیْنَا رَبُّنَا اِذْ بَعَثَ مُحَمَّدًا   اَیَّدَہٗ بِاَیْدِہٖ اَیَّدَنَا بِاَحْمَدًا
اَرْسَلَہٗ مُبَشِّرًا وَّاَرْسَلَہٗ مُمَجَّدًا   صَلُّوْا عَلَیْہِ دَائِمًا صَلُّوْا عَلَیْہِ سَرْمَدًا
(محدث اعظم ہند سید کچھوچھوی)

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
(ڈاکٹر اقبال)

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود
(اصغر گونڈوی)

بارگاہِ رسالت اور آلِ رسالت میں درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ایک بار اور ہدیۂ صلوۃ پیش فرمائیں

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ایک بار اور نذرانۂ درود پیش فرمائیں

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

﴿اللہ سے ڈرنے کا مطلب﴾

یہاں خطاب ہے ایمان والوں سے، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ پہلا مُطالبہ۔

اب اللہ سے ڈرنے کا مطلب کیا؟ اللہ سے ڈرو، نماز نہ پڑھو!

کیا یہ ڈرنے کا مطلب ہے؟ اللہ سے ڈرو، رمضان شریف کا مہینہ آ گیا روزہ نہ رکھو؟ اللہ سے ڈرو، صاحب نصاب ہو اور زکٰوۃ نہ دو؟ اللہ سے ڈرو، صاحب استطاعت ہو حج نہ کرو؟ اللہ سے ڈرو، شراب پیو؟ اللہ سے ڈرو، جوا کھیلو؟ اللہ سے ڈرو، تھیٹر جاؤ اور سنیما دیکھو؟ اللہ سے ڈرو، ماں باپ کو ستاؤ؟ اور ان کی نافرمانی کرو؟ اللہ سے ڈرو، بیویوں پر ظلم کرو؟ اللہ سے ڈرو، پڑوسیوں کو اذیت پہنچاؤ؟ اللہ سے ڈرو اور بچوں پر زیادتی کرو؟ کیا یہ ڈرنے کا مطلب ہے؟

اللہ سے ڈرنے کا مطلب صرف یہ ہے۔۔ اللہ سے ڈرو، نماز کا وقت آیا، نماز پڑھو! اللہ سے ڈرو، رمضان کا مہینہ آیا، روزہ رکھو! اللہ سے ڈرو، صاحب استطاعت ہو حج کرو! اللہ سے ڈرو، صاحب نصاب ہو زکٰوۃ دو! اللہ سے ڈرو، چھوٹوں پر زیادتی نہ کرو! اللہ سے ڈرو، بڑوں کا لحاظ کرو! اللہ سے ڈرو، ماں باپ کو نہ ستاؤ! اللہ سے ڈرو، بیویوں پر ظلم نہ کرو! اللہ سے ڈرو، شراب نہ پیو! جوا نہ کھیلو! برائیوں کے قریب نہ جاؤ۔۔۔

تو اللہ سے ڈرنے میں پورا اسلام آیا کہ نہیں؟ پورے اسلام کو کما حقہٗ قبول کر لو۔ یہ ہے اللہ سے ڈرنے کا مطلب۔ تقوٰی میں پورا اسلام آ گیا۔

﴿سچوں کا ساتھ ضروری کیوں؟﴾

تو ایمان والے آپ پہلے ہی تھے اور جب آپ نے تقویٰ کی زندگی اختیار کر لی تو آپ عمل والے بھی ہو گئے۔ تو اب آپ غور کیجیے! آپ ایمان والے پہلے ہی سے ہیں اور کچھ تقوٰی کی زندگی جنھوں نے اختیار کر لی وہ عمل صالح والے ہو گئے۔ تو اب اِن دو چیزوں کے بعد کسی تیسری چیز کی ضرورت کیا؟ دین و دنیا کی صلاح وفلاح کے لیے، دین و دنیا کی فیروز بختی کے لیے، مغفرت کے لیے، نجات کے لیے، جنت کی بہاروں کے لیے، جہنم سے چھٹکارے کے لیے، یہاں وہاں کی کامیابی کے لیے صرف ایمان و عمل کافی۔ نیک عمل اور ایمان کافی۔ تو جب ساری چیزیں ایمان و عمل سے مل سکتی ہیں تو اگر ہم ایمان والے ہو چکے تو ہمیں تیسری چیز کے مطالبہ کی ضرورت کیا ہے؟ تیسری چیز کا مطالبہ ہم سے کیوں کیا جا رہا ہے؟ بس ہمیں ایمان و عمل چاہیے، مغفرت کے لیے۔ ایمان و عمل چاہیے، نجات کے لیے۔ ایمان و عمل چاہیے، جنت کی بہاروں کے لیے۔ ایمان و عمل چاہیے، جہنم سے چھٹکارے کے لیے۔ ایمان و عمل چاہیے۔۔ اور صرف ایمان و عمل دین و دنیا کی صلاح وفلاح کے لیے، دین و دنیا کی کامیابی کے لیے کافی ہے تو پھر یہ کیوں کہا جا رہا ہے؟ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ تو ہمیں سچوں کے ساتھ رہنے کی ضرورت کیا؟ ہم ایمان والے ہو گئے، ہم تقویٰ والے ہو گئے، ہم پرہیزگار ہو گئے تو ہمیں کسی سچے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ ہم سے کیوں کہا جا رہا ہے؟ کس لیے ہم سچوں کے ساتھ ہو جائیں؟ مغفرت ہمیں ایمان و عمل سے مل رہی ہے، نجات ایمان و عمل سے مل رہی ہے، جنت کی بہاریں ایمان و عمل سے مل رہی ہیں، جہنم سے چھٹکارا ہمیں ایمان و عمل سے۔۔۔ تو ہمیں سچوں کے پیچھے

جانے کی ضرورت کیا ہے؟

ایمان وعمل کو بچانے کے لیے سچوں کا ساتھ ضروری

اِس چیز کا مختصر سا جواب دے کر کے میں رخصت ہو جاؤں گا۔ دیکھو یہ بات صحیح ہے کہ جنت کی بہاریں، ایمان و عمل سے ملتی ہیں۔ مغفرت، ایمان و عمل سے ملتی ہے۔ نجات کے لیے، ایمان و عمل کافی۔ مغفرت کے لیے، ایمان و عمل کافی۔ دین و دنیا کی صلاح وفلاح کے لیے، ایمان و عمل کافی۔ آخرت کی فیروز بختی کے لیے، ایمان و عمل کافی۔ مگر ایمان و عمل کو بچانے کے لیے سچوں کا ساتھ ضروری۔ دیکھو ایمان و عمل لا کر کے تمہیں ایک دولت مل چکی ہے۔ ایمان بہت بڑی دولت ہے، عملِ صالح یہ بہت بڑا سرمایہ ہے۔ سرمایہ لانے کے بعد مطمئن نہ ہو جاؤ، اِس کے بچانے کا انتظام کرو۔

ایمان کا بچانا بہت ضروری

دوستو! اگر ایسی بات ہوتی کہ ایمان جس کے پاس پہنچ جاتا پھر نہ نکلتا تو مجھے یہ فکر نہیں تھی۔ ایمان اگر کسی کے پاس پہنچتا پھر نہ نکلتا، جس گھر کا وہ مکیں بنتا وہ وہاں سے الگ نہ ہوتا تو مجھے فکر نہ تھی۔ مگر میں تو ایمان کو جاتے ہوئے بھی دیکھا نکلتے ہوئے بھی دیکھا۔ ایمان نکلنا بھی جانتا ہے، ایمان اپنے مکان سے جدا ہونا بھی جانتا ہے۔ یاد رکھو! کیا آپ نے نہیں دیکھا اُس ایمان والے کو۔ وہ ایمان والا تھا بہک گیا، عمل کو برباد ہوتے ہوئے آپ نے نہیں دیکھا! ریاضتوں کو تباہ ہوتے ہوئے آپ نے نہیں دیکھا! مجاہدات تباہ ہو گئے۔ کیا آپ نے نہیں سوچا! بولو انصاف سے بولو، کیا بات تھی؟ ایمان والا تو ابلیس بھی تھا عمل والا، عبادت والا، مجاہدے والا، ریاضت والا۔ مگر وہ اپنے ایمان کو بچا نہ سکا۔ جس طرح وہ ایمان والا تھا ایمان اُسے ایسا چھوڑ دیا کہ پھر کبھی ایمان اُس کے قریب آنے کو تیار نہیں دکھا۔ تو ایمان نکلتا بھی ہے۔ تقریباً چھ کروڑ برس عبادت کی۔۔ مگر عبادت کو وہ بچا نہ سکا۔ آخر یہ تباہ کیوں ہو گیا؟ ایمان کیوں نکل گیا؟ بات صرف مختصر سی تھی، کہا:

اُسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ۔ کہا آدم کا سجدہ کرو! فَسَجَدُوۡا۔ جو سچے تھے وہ جُھک گئے، اِلَّاۤ اِبۡلِیۡس۔ اُس نے سچوں کا ساتھ نہیں دیا۔ سچے جو تھے وہ جُھک گئے اور جو جھکے۔۔ اگر یہ بھی ساتھ دے دیتا تو بچ جاتا۔ تو معلوم ہوا ایمان کا بچانا بہت قیمتی چیز ہے۔ بچانا ہی چاہیے۔۔ اور ایمان کتنا قیمتی ہے اِس کو تو میں سمجھا بھی نہیں سکتا کہ اِس کی قیمت کا حال کیا؟ اور پھر ابلیس بھی نہیں بچا سکا۔

اللّٰھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیه

بد مذہب اور ابلیس کی عبادت میں فرق

میں آپ کو بتاؤں۔ بعض لوگ جوش میں آ کر کہہ دیتے ہیں، وہ ایمان نہیں رکھتے پھر بھی بحث کرتے ہیں، اُنکے تعلق سے یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہاری عبادت جو ہے شیطان کی عبادت ہے، ابلیس کی عبادت ہے، یہ طنزاً کہہ دیتے ہیں۔ میرے خیال میں یہ کہنا صحیح نہیں۔ کبھی بھی بد مذہبوں کی عبادت کو ابلیس وشیطان کی عبادت مت کہنا۔ اِس لیے کہ ابلیس جب عبادت کرتا تھا تو وہ ایمان کی بنیاد پر، جب یہ عبادت کرتا تھا تو وہ ایمان کی بنیاد پر تھا۔ تو وہ عبادتیں جو ایمان کی بنیاد پر ہیں جب وہ اُسے بچا نہ سکا تو وہ عبادتیں کیا بچیں گی جس کی بنیاد ہی ایمان نہیں۔۔

اللّٰھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد کما تحب وترضی بان تصلی علیه

ایسی غلطی بہتوں سے ہو سکتی ہے۔ اور ایسے موقع پر ضرورت تھی کہ وہ معذرت کرتا، مغفرت چاہتا۔ رب تعالیٰ کسی کی معذرت قبول کرے یا نہ کرے یہ تو اُسکے اپنے اختیار کی بات ہے۔ مگر توبہ کرنے میں حرج کیا! معافی مانگنے میں حرج کیا! مگر ذرا سا دیکھو وہ خدا سے مغفرت نہیں مانگتا! مہلت مانگتا ہے۔ مانگنا تھا مغفرت، مانگ رہا ہے مہلت۔ ذرا آپ

خیال کرتے چلے جائیں۔ معذرت کرنی تھی اور مہلت مانگتا ہے۔

﴿گستاخِ رسول مومن نہیں ہوسکتا﴾

دیکھئے میں آپ کو بتاؤں سنتِ الٰہیہ کہاں کیا جاری۔ ایک ہے نبی کا دشمن، ایک ہے نبی کا گستاخ۔ تو دشمن کو تو ایمان مل جاتا ہے، مگر گستاخ کے پاس ایمان نہیں آنا چاہتا۔ حضرت خالد ابن ولید ایمان لانے سے پہلے دشمن تھے گستاخ نہیں تھے، حضرت ابوسفیان دشمن تھے گستاخ نہیں تھے، حضرت عکرمہ دشمن تھے گستاخ نہیں تھے، حضرت عمر ابن خطاب دشمن تھے گستاخ نہیں تھے۔ مگر ابوجہل گستاخ تھا، ابولہب گستاخ تھا، عتبہ وشیبہ گستاخ تھا، ولید ابن مغیرہ گستاخ تھا، جو گستاخ تھے وہ اپنے قوم کے سردار ہونے کے باوجود ایمان سے مشرف نہ ہوسکے۔ مگر جو دشمن تھے وہ ایمان لے آئے۔ کیوں؟ اس لیے کہ دشمن جو ہے اُس کا تعلق پروگرام سے ہوتا ہے اور گستاخی کا تعلق ذات سے ہوا کرتا ہے۔ وہ ذات کا گستاخ۔۔ یادرکھو جو گستاخ ہوجاتا ہے نبی کا اُس سے ایمان کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ اور جب اُس سے ایمان کی توفیق چھین لی جائے گی وہ سب کچھ کرے گا۔۔ مگر ایمان نہیں لائے گا۔

میں قرآن کریم کی روشنی میں بات عرض کروں: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا (سورۂ بنی اسرائیل۔ آیت نمبر 48) اے محبوب دیکھو یہ تمہاری کیسی کیسی مثالیں لاتے ہیں فَضَلُّوْا۔ تو یہ گمراہ ہوگئے، اب یہ راہ پر آنے کی استطاعت بھی نہیں رکھتے۔ اے محبوب دیکھو کوئی تمہیں شاعر کہتا ہے، کوئی تمہیں ساحر کہتا ہے، کوئی تمہیں مجنوں کہتا ہے، کوئی تمہیں اپنے جیسا بشر کہتا ہے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ۔ اے محبوب دیکھو یہ کیسی کیسی مثالیں لاتے ہیں، تو یہ گمراہ ہوگئے ہیں، اب یہ راہ پہ پلٹنے والے نہیں ہیں۔

تو دوستو! باوجود ریاضت ومجاہدہ کے، باوجود علم وعمل کے، شیطان اِسلیے پھر نہیں

سکا۔ اُس نے نبی کی گستاخی کی تھی، نبی کی توہین کی تھی، نبی کو اپنے سے کمتر سمجھا تھا، اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کا لفظ استعمال کیا تھا۔ تو گستاخ کو کبھی ایمان کی توفیق نہیں ملتی۔ اب اگر آپ کہیں سُنیں، کچھ علم والے بہک گئے، عمل والے بہک گئے، عبادت والے بہک گئے، ریاضت والے بہک گئے، بخاری ومسلم پڑھانے والے بہک گئے، لمبی لمبی شرح لکھنے والے بہک گئے، تفسیر وترجمہ کرنے والے بہک گئے۔ تو کبھی آپ یہ نہ کہیے گا کہ علم والا کیسے بہکے گا؟ عبادت والا کیسے بہکے گا؟ عمل والا کیسے بہکے گا؟ اور اگر آپ نے ایسا کہا تو ایسا نہ ہو کہ شیطان خود ہی آکر جواب دے دے: جیسے میں بہکا ایسے ہی بہکے۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿ایمان ہمیشہ کا ساتھی﴾

تو معلوم ہوا ایمان بڑی قیمتی چیز ہے۔ دیکھو اِس کی قیمت کا اندازہ لگاؤ۔ جب ساری دنیا تمہیں چھوڑ دے گی ایمان تمہیں نہیں چھوڑے گا، قبر میں کوئی نہیں جائے گا، مگر تمہارے پاس اگر ایمان ہے تو وہ تمہارے ساتھ جائے گا۔۔ اور یہ جو اعمال آپ کرتے ہیں، یہ تو دارالعمل میں رہ جاتے ہیں، قبر میں یہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ۔۔ اِس کا ثمرہ، اِس کا نتیجہ، اس کا ثواب جاتا ہے۔ مگر عمل دارالعمل کی چیز ہے، وہاں یہ سب چیزیں نہیں ہیں۔ مگر ایمان ساتھ جائے گا۔ جہاں جہاں عمل جائے گا۔ ایمان کبھی نہیں چھوڑے گا تمہیں۔ اگر تم نے ایمان کو نہیں چھوڑا تو ایمان ہر مشکل وقت تمہارے ساتھ ہوگا۔ میں انتہا کی بات عرض کر دیتا ہوں اگر کوئی ایمان والا شامتِ اعمال کی بنیاد پر جہنم میں ڈالا گیا تو ایمان وہاں بھی جائے گا، وہاں بھی ایمان اِس کو نہیں چھوڑے گا۔ اب اگر تم نے ایمان سے پوچھا، تُو جنت کا پھول ہے تُو جہنم میں کیوں جا رہا ہے؟ اِس نے جب مجھے نہیں چھوڑا تو میں بھی اِسے نہیں چھوڑوں گا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و

مولانا محمد کما تحب وترضٰی بان تصلی علیه

﴿صحابۂ کرام اور ایمان کی حفاظت﴾

ذرا سا آپ خیال کرو! کس قدر اہم چیز ہے یہ ایمان، کس قدر قیمتی چیز ہے یہ ایمان۔ اِس لیے وہ لوگ نادان نہیں تھے جنہوں نے خاندان کو چھوڑ دیا ایمان نہیں چھوڑا، وہ لوگ نادان نہیں تھے جنہوں نے وطن چھوڑ دیا، ایمان نہیں چھوڑا۔ بھائیوں کو چھوڑ دیا، ایمان نہیں چھوڑا۔ وہ لوگ نادان نہیں تھے،

وہ تین سو تیرہ (۳۱۳) نفوسِ قدسیہ والے، غزوۂ بدر کے موقع پر تلوار کھینچے ہوئے ہیں اور سامنے کون لوگ ہیں؟ یہ مشرکینِ عجم نہیں، یہ عیسائی نہیں، یہ یہودی نہیں بلکہ مقابلہ ہاشمی کا ہاشمی سے ہے، مطّلبی کا مطّلبی سے ہے، قریشی کا قریشی سے ہے، ماموں کے مقابلہ میں بھانجا ہے، چچا کے مقابلہ میں بھتیجا ہے، باپ کے مقابلہ میں بیٹا ہے۔ یہ تین سو تیرہ نفوسِ قدسیہ والوں نے تلوار کھینچ کر کے بتا دیا اے اللہ کے رسول آپ کا رشتہ مضبوط کرنے کے لیے ہم ہر رشتہ کاٹنے کو تیار ہیں۔ لہٰذا اس کی حفاظت کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔۔ اور ایمان و عمل کی حفاظت ہوتی ہے اس سے **وَ کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ**۔ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

﴿سچوں کے ساتھ ہونے کی اہمیت و ضرورت﴾

سچوں کے ساتھ ہونے کی اہمیت پر ذرا سا توجہ میں دلاؤں۔ بولو! یہ غوث جیلانی، یہ غوثِ زمانہ، یہ امامِ زمانہ، شیخ عبدالقادر جیلانی، (رضی اللہ عنہ) حضرت حسن عسکری کے زمانے کے بعد، حضرت امام مہدی کے زمانے تک، یہ سارا زمانہ غوث اعظم کا زمانہ۔ تو یہ امامِ زمانہ، کیا اِن کے پاس علم کی کمی؟ کیا عمل کی کمی؟ کیا تقوٰی کی کمی؟ کیا پرہیز کی کمی؟ کیا ریاضت کی کمی؟ بُرج اجمیری جن کی ریاضت پر شاہد ہیں اُن کی ریاضتوں کا اگر پوچھنا تو بُرجِ اَوجی سے پوچھو! ذرا سا دیکھو! کیا مقام ہے غوث جیلانی کا! کہ خود ہی مقام تحدیثِ نعمت پر وہ فائز ہوتے ہیں تو زبان سے یہ کلمات نکلتے ہیں:

بِلادُاللّٰہ ملکی تحت حکمی   وقتی قبل قلبی قد صفالٖ
اللہ کے سارے شہر، یہ میرا ملک ہے اور میرے حکم کے ماتحت ہیں۔

وولّانی علی الاقطاب جمعاً   فحکمی نافذٌ فی کل حال
اور اللہ نے مجھے تمام اقطاب پر حاکم بنایا ہے لہذا میرا حکم ہر حال میں نافذ ہے۔

وما منہا شھورٌ او دھورٌ   تمرُّ و تنقضی الّا اتالٖ
اور کوئی مہینہ کوئی سال ایسا نہیں ہے جو میری بارگاہ میں حاضری دیے بغیر آگے بڑھ جائے۔

ذرا سا دیکھو!

نظرت الی بِلادِاللّٰہ جمعاً   کخردلۃٍ علی حکم اتّصالٖ
میں اللہ کے تمام شہروں کو ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسے ہتھیلی پہ رائی کا دانہ۔

فلو القیت سرّی فی بحارٖ   لصار الکل غوراً فی الزوالٖ
اگر میں اپنی توجہ کو سمندروں پہ ڈال دوں تو وہ عالم زوال میں پہنچ جائے۔

ولو القیت سری فی جبالٍ   لدکّت وا ختفت بین الرّمالٖ
اور اگر میں اپنی توجہ کو پہاڑوں پہ ڈال دوں، تو وہ ریگستان کا ریزہ بن جائے،

ولو القیت سرّی فوق میتٍ   لقام بِقدرۃ المولیٰ تعالٖ
اور اگر میری توجہ کو مردے کے اوپر ڈال دوں، تو وہ اللہ کی قدرت سے زندہ ہو جائے

ولو القیت سرّی فوق نارٍ   لخمدت وانطفت من سرّ حالی
اور اگر میری توجہ کو انگاروں پہ ڈال دوں، تو وہ میرے سرِّ حال سے ٹھنڈی ہو جائے۔

(قصیدۂ غوثیہ)

اُس مقام والے غوث، اُس منزل والے غوث، جب ہم اُنہیں ابوسعید کی بارگاہ میں جھکا ہوا پاتے ہیں، تو سمجھتے ہیں، اُنہیں بھی سچے کی ضرورت ہے۔ یہ خواجۂ اجمیری، یہ سلطان الہند، یہ غیر منقسم ہندوستان کا بادشاہ، ہمارے بھارت کی تقسیم ہوئی اور خواجہ کے

بھارت کی نہیں ہوئی، ہندوستان کا بادشاہ۔

بولو! عطائے رسول کیا علم کی کمی تھی؟ کیا تقوٰی کی کمی تھی؟ کیا ریاضت کی کمی تھی؟ اللہ اکبر! وقت وصال، پیشانی پر دست قدرت سے لکھا ہوا نظر آ رہا تھا۔

ھٰذا حَبیبُ اللّٰہ ماتَ فی حُبِّ اللّٰہ

یہ اللہ کا حبیب ہے جو اللہ کی محبت میں وصال کر گیا۔

یاد رکھو!

گروہِ انبیا میں حبیب اللہ خطاب ہے رسول اللہ کا۔۔۔۔

گروہ اولیاء میں حبیب اللہ خطاب ہے خواجہ اجمیری کا۔

ذرا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ بولو! کسی چیز کی کمی ہے اِن کے پاس؟ مگر ایسے خواجۂ خواجگاں، ایسے قطب الارشاد، ایسے غوثِ زمانہ کو ہم شیخ عثمان ہارونی کی بارگاہ میں تہ زانو بیٹھے ہوئے دیکھتے ہیں، تو سوچتے ہیں اُنہیں بھی کسی سچے کی ضرورت ہے، اُنہیں بھی سچے کی ضرورت ہے، اُنہیں بھی سچے کی ضرورت ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ذرا سا آپ خیال کرتے چلو۔ آیئے۔۔ ذرا۔۔ مولانا روم کی بارگاہ میں۔ یہ مولانا روم، اللہ اکبر! موٹی موٹی کتابیں لکھنے والے جہازی سائز کا مثنوی شریف، اللہ اکبر! تو علما و صوفیا میں کس قدر مقبول ہے، ان کا دفتر مثنوی شریف۔ بولو! مولانا روم کے پاس کیا علم کی کمی؟ کیا عمل کی کمی؟ کیا تقوٰی کی کمی؟ کسی چیز کی کمی نہیں۔ مگر وہ تو ایک ہی مصرع میں فیصلہ کر رہے ہیں کہ ؎

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ بود

میں جو ترجمہ پسند کرتا ہوں وہ آپ کے سامنے عرض کروں۔

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نہ بود

(ترجمہ) مولوی ہو کے مولانہ بنا۔۔۔۔۔ جب تک کہ شمس تبریز کا غلام نہ بنا۔

پتہ چلا کہ جو مدرسے ہیں وہ مولوی بناتے ہیں اور خانقاہ جو ہیں وہ مولا بناتے ہیں۔ اُن کو بھی سچے کی ضرورت ہے۔

اُس کے بعد "امام فخرالدین رازی" کی باتیں بھی بہت مشہور ہیں۔ صرف اشارہ کر کے گذر جاؤں، امام فخرالدین رازی اپنے علم و فضل میں حکمتِ یونان میں بھی اپنی امامت کا لوہا منوانے والے امام فخرالدین رازی، تفسیر کبیر کی موٹی موٹی جلدیں لکھنے والے، مگر دوستو! وہ وقت بھی عجیب وقت تھا، جب وصال کا وقت قریب تھا اور ابلیس آیا۔ اور پوچھا اے رازی یہ بتا؟ تو نے بے دیکھے خدا کو ایک کیسے مان لیا؟ توحید کی دلیل مانگ رہا ہے۔ امام رازی دیتے گئے، وہ کاٹتا گیا، شک دلاتا چلا گیا، اب ایک ایسا وقت آ گیا، علم و فضل کے بحر بیکراں کو بھی پریشانی لاحق ہونے لگی، اتنے میں اُنکے پیر و مرشد "حضرت نجم الدین کبرٰی" اُس منظر کو ملاحظہ فرما رہے تھے۔ وہیں سے اشارہ کر دیا، اے رازی! کیوں نہیں کہہ دیتا میں بلا دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں۔ میں بلا دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں۔ جہاں امام رازی نے کہا: میں بلا دلیل خدا کو ایک مانتا ہوں، تو اب دلیل دیا ہی نہیں تو کاٹو گے کیا!!! بحث کس چیز پر؟ جب دلیل ہی نہیں ہے۔ تو کیا سمجھے؟ امام رازی جیسے علم و فضل کے بحر بیکراں کو بھی نجم الدین کبرٰی کی ضرورت ہے۔ ایمان حاصل کرنے کے لیے نہیں ایمان کو بچانے کے لیے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

آپ سمجھتے چلے جائیں۔ ایک بات آ گئی، ذرا سا ہٹ کر کے ہے۔ مگر یاد آ گئی تو میں آپ کے سامنے پیش کروں۔ آج کل لوگ دلیلیں مانگتے ہیں، دلیل مانگتے ہیں، کیا دلیل

ہے قیام تعظیمی کی؟ دلیل دو، میلاد شریف کی؟ دلیل دو، ایصال ثواب کی؟ دلیل دو؟ بڑی دلیلیں۔ اچھا! دلیل مانگتے وقت اِس بات کا احتیاط رکھتے ہیں کہ مفتی غلام مجتبیٰ سے نہیں مانگتے، مفتی عبدالجلیل سے نہیں مانگتے، وہ تلاش کرتے ہیں کہ کوئی ٹانگے والا ملے تو مانگیں۔ مانگنے میں بھی احتیاط ہے۔ یہ احتیاط اِس لیے کہ کہیں ہم ہی کو ماننا نہ پڑ جائے! ہم تو منوانے چلے تھے، کہیں ہمیں کو ماننا نہ پڑ جائے! تو اپنی عوام کے لیے میرے پاس ایک نسخہ ہے، کہ جب وہ معمولات وعقائد ونظریات جو ہمارے اہلسنت و جماعت کے مسلک والوں میں رائج ہیں۔۔ اور علما کی جسے تائید حاصل ہے اُس کے کسی بھی حصہ پر، اگر کوئی یہ کہے دلیل دو؟ تو کہہ دو کہ علما واولیا سے جو چیز ثابت ہوگی اُس کو ہم بلا دلیل مانتے ہیں۔۔ اور جب تم یہ کہو گے، ہم اُسے بلا دلیل مانتے ہیں، تو کاٹے گا کیا! ارے ابلیس بھی ہوگا تو چلا جائے گا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و

مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

بہر حال۔۔ میں یہ بتا رہا تھا۔۔ کہ ایمان کو بچانے کے لیے، سچوں کا ساتھ ضروری وَ کُونُوا مُعَ الصّٰدِقِیۡن۔ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

کس قدر اہتمام بڑھتا جا رہا ہے! اب پھر ایک مختصر سی لسٹ (List) اپنے ذہن میں رکھو۔ خواجۂ خواجگان کو ضرورت ہے، خواجہ عثمان ہارونی کی۔ قطب الدین بختیار کاکی کو ضرورت ہے، خواجۂ اجمیری کی۔ بابا گنج شکر کو ضرورت ہے قطب الدین بختیار کاکی کی۔ محبوبِ الٰہی نظام الدین کو ضرورت ہے، بابا فرید گنج شکر کی۔ نصیر الدین چراغ دہلوی اور حضرت سراج الحق والدین کو ضرورت ہے محبوبِ الٰہی کی۔ گیسو دراز بندہ نواز کو ضرورت ہے، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی کی۔ اور حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کو ضرورت ہے، شاہ علاء الحق پنڈوی کی۔ تو کسی بھی سچے کو دیکھو، ہر سچا کسی سچے سے لگا ہوا ہے۔

لوگ کبھی کبھی پوچھتے ہیں پیر بنانے کی کیا ضرورت؟ کیا ضرورت ہے پیر بنانے کی؟ تو اُن سے کہو ہم سے مت پوچھو، یہ خواجہ صاحب سے پوچھنا، اُنہیں کیا ضرورت تھی؟ مولائے سہرورد سے پوچھنا، اُنہیں کیا ضرورت تھی؟ قطب الدین بختیار کاکی سے پوچھنا، اُنہیں کیا ضرورت تھی؟ محبوب الٰہی سے پوچھنا، اُنہیں کیا ضرورت تھی؟ تو جب علم و فضل، ایمان و تقویٰ جیسے اُن پہاڑوں کو ضرورت ہے تو اُن جاہلوں کو کیوں نہیں ہے!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و

مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ذرا سا سوچو! لہٰذا۔ وَ کُونُوا مُعَ الصّٰدِقِیۡن۔ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ دیکھیے۔ ذرا احتیاط، کس قدر احتیاط کی بات ہو رہی ہے، ارے بھئی ہم کو قرآن کریم کا ساتھی بنایا جاتا تو زیادہ اچھا تھا، یہ لوگوں کے پیچھے کیوں؟ قرآن میں بھی آیت کریمہ اٰمِنُوا کَمَاۤ اٰمَنَ النَّاس۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 13) ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے۔ دیکھیے! یہاں بھی پیچھے چلنے کی بات آرہی ہے، اٰمِنُوا کَمَاۤ اٰمَنَ النَّاس۔ یہاں ایسا نہیں کہا گیا اٰمنوا کما فی القرآن۔ صرف قرآن، جیسا قرآن میں ہے ویسا ایمان لاؤ! یہ نہیں کہا گیا۔ وجہ یہ ہے کہ قرآن سے ایمان تو مل سکتا ہے مگر قرآن کے سمجھنے کی صلاحیت سب میں نہیں ہے۔ اِس چیز کو آپ سمجھنے کی کوشش کریں اِس لیے کہ پہلے نبی آئے، پہلے سمجھانے والا آیا، پھر دھیرے دھیرے کتاب آئی، اور سکھانے والے نے کیا انتظام کر دیا؟ کتاب کو تنہا نہیں چھوڑا۔ کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار معلم بنا دیے، اَصحَابِي كَالنّجوم۔ کتاب تنہا نہیں رہے گی۔ اگر کتاب کے پیچھے تمہیں ڈال دیا جائے۔ تو کتاب خدا کی ہے مگر دماغ تو تمہارا اپنا، اپنے دماغ سے سوچو گے، اپنے علم کی روشنی میں دیکھو گے، اپنی آرزو و تمنا کے سائے میں سمجھنا چاہو گے، اس طرح تم کتاب کو نہیں سمجھ سکتے۔

﴿لطیفه﴾

وہ لطیفہ آ جائے گا، سامنے آئے گی ایک آیت، اَقِیمُوْ الصَّلٰوۃ۔ صلاۃ قائم کرو کماحقہ۔ اب آپ اٹھا کر کے سوچا، کہ لاؤ قاموس دیکھیں،

صلٰوۃ کے معنیٰ کیا ہیں؟ قاموس میں لکھا ملا ''طلب رحمت''، دعا۔ آپ نے دیکھا، اب سمجھ میں آ گیا کہ اَقِیمُوْ الصَّلٰوۃ کا معنیٰ صرف یہ ہے دعا کرو۔ تو کچھ لوگ سمجھ کے آ گئے۔ ایک پارٹی آئی، اَقِیمُوْ الصَّلٰوۃ۔ صلاۃ کے معنیٰ کیا ہیں؟ اور کہا اِس میں کیا ہے؟ اس میں ''بال میں تیل لگا کر سیدھا کرو''۔

اور اب اَقِیمُوْ الصَّلٰوۃ کے معنیٰ ہوئے بال میں تیل لگا کر سیدھا کیا کرو۔ تیسری پارٹی آئی، وہ بھی لغت بغل میں دبائی ہوئی آئی۔ ارے صلاۃ کا معنیٰ کیا ہے؟ کہا: ''کمر پہ ہاتھ رکھ کر گھومو''۔ تو دیکھا آپ نے، اللہ کے رسول نے جب اِتنا سمجھایا تو تہتر ہو گئے، اگر کچھ نہ سمجھایا ہوتا تو تہتر لاکھ ہوتے۔

﴿قرآن اور اهل بیت﴾

تنہا نہیں چھوڑا۔۔ اور پھر اس کے بعد انی تارک فیکم الثقلین (صحیح مسلم، فضائل الصحابہ، من فضائل علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم)

کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی۔ (مشکوٰۃ شریف، باب مناقب اہلِ بیت النبی، الفصل الثانی) اللہ کی کتاب اور اپنی اہل بیت کو دے دیا۔ تمہیں یہ دو وزنی چیز۔ تو کتاب کو تنہا نہیں چھوڑا، اپنی اہلبیت کو کتاب کے ساتھ لگا دیا۔ صحابہ کے ساتھ کتاب کو نہیں لگایا۔ بس یہ ہدایت کر دی صحابہ ستاروں کی طرح ہیں، جن کی پیروی کرو گے تم ہدایت پر رہو گے۔ مگر یہ نہیں کہا میں تمہیں اپنے اصحاب کو دے رہا ہوں اور اللہ کی کتاب کو دے رہا ہوں، یہ نہیں کہا۔ کتاب اللہ و عترتی کی جگہ، کتاب اللہ و اصحابی بھی کہہ سکتے تھے، کہ میں تمہیں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں، اللہ کی کتاب اور اپنے اصحاب۔ مگر نبی نے یہ نہیں کہا، بلکہ کہا اپنی اولاد، کتاب اللہ و عترتی۔ اللہ کی کتاب اور اپنی عترت۔ اِس میں راز کی بات یہ ہے کہ صحابہ سرچشمۂ ہدایت ضرور ہیں، مگر صحابیت کی ایک حد ہے، اس کے بعد کوئی صحابی نہ ہوگا۔ تو صحابیت قیامت تک کتاب کا ساتھ نہیں دے سکتی تھی، مگر اہلِ بیت قیامت تک کے ساتھی ہوں گے۔ آج کل ایسے ساتھی کی ضرورت ہے جو قیامت تک ساتھ دے۔۔ اور قیامت تک کے ساتھی صرف اہل بیت ہیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ذرا سا۔۔ آپ نے دیکھا۔۔ صرف کتاب نہیں چھوڑا۔ اس لیے کہ صرف کتاب ہدایت کے لیے کافی نہیں۔ اگر صرف کتاب ہدایت کے لیے کافی ہوتی تو نبی کو بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی۔ مگر رب تبارک وتعالیٰ نے ہمیں، کتاب دے کر، کہا جا رہا ہے اٰمنوا کما اٰمن الناس۔ ایمان لاؤ جیسے لوگ لائے۔

﴿سچوں کے نقشِ قدم پر چلو﴾

میں آپ کی عقل پہ کیا بھروسہ کروں؟ عقل پہ بھروسہ کرنے سے دھوکا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر آپ مجھ سے پوچھیں کہ مجھے فلاں جگہ جانا ہے، اب آپ نے مجھ سے بمبئی کا راستہ پوچھ لیا یا کسی مکان کا راستہ پوچھ لیا، میں آپ کو بتاتا ہوں، یہاں سے جاؤ، سیدھے جانا، پھر دائیں مڑ جانا، پھر سیدھے جانا، پھر بائیں مڑ جانا۔ اب میں آپ کی عقل پر بھروسہ کر رہا ہوں۔ مگر جہاں دائیں مڑنا تھا، وہاں بائیں مڑ گئے، جانا تھا کہیں اور، کہیں اور چلے گئے۔ تو آپ کی عقل پر بھروسہ کیا تو آپ ناکام رہے۔ مگر ایک طریقہ یہ تھا کہ جس کے گھر آپ جانا چاہ رہے ہیں، میں کہہ دوں، وہ صاحب جا رہے تھے اور آپ نے کہا میں فلاں کے گھر جانا چاہتا ہوں، دیکھو وہ صاحب جا رہے ہیں، اُنہیں راستہ معلوم ہے، اُنہیں کے پیچھے چلے جاؤ۔ اب اِس کے بعد دوسرا آیا، میں نے کہا تو اِس دوسرے کے پیچھے چل، چوتھا

آیا، تو تیسرے کے پیچھے چل، پانچواں آیا، تو چوتھے کے پیچھے چل، وہ کہتا ہے، صاحب! وہ تو خود ہی نہیں جانتا، وہ تو آپ سے پوچھ رہا تھا، میں نے کہا وہ جانتا تو نہیں ہے مگر جاننے والے کے پیچھے جا رہا ہے۔ لہٰذا تو اِس کے پیچھے چل۔

ایک بات میں نے اور بتائی، دیکھو۔۔ نظر ہٹنے نہ پائے، قدم رکنے نہ پائے، اگلے سے نظر ہٹنے نہ پائے، تیرا قدم رکنے نہ پائے۔ اِس نظر جمانے کا نام ہے عقیدہ اور قدم جمانے کا نام عمل۔ نہ عقیدہ خراب ہو نہ عمل خراب ہو۔ ایک کے پیچھے ایک، ایک کے پیچھے ایک چلا گیا۔ اچھا اب اگر کوئی ایسی لائن (Line) سے بنے، تو ایسا کوئی سر پھرا مل جائے، اور کہے: نہیں، میں اگلے کو نہیں دیکھتا، اور منہ موڑ لے، تو کیا ہوگا؟ خود بھی گیا، اُس کے پیچھے جو رہے، وہ بھی گئے۔ اِس لیے جب تم کسی کے پیچھے چلو، تو یہ ضرور دیکھ لو کہ اُس کی نظر اگلے پر ہے کہ نہیں؟ اُس کی نظر غوث جیلانی پر ہے کہ نہیں؟ اُس کی نظر خواجۂ اجمیری پر ہے کہ نہیں؟ اگر اگلوں پر نظر نہ ہوگی تو نہ وہ خود پہونچے گا نہ تمہیں پہنچنے دے گا۔

﴿نکتہ﴾

کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِین۔ سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ اِس میں بھی کتنی احتیاط ہے۔ یہ نہیں کہا کُونُوا مَعَ الصِّدق، کہ سچ کے ساتھ ہو جاؤ! سچائی کے ساتھ ہو جاؤ۔ بھئی، سچوں کا ساتھ ہے نا! یہ نہیں کہا سچ کہ ساتھ ہو جاؤ۔ معاملہ ایسا ہے کہ اگر ہم کہیں سچ کے ساتھ ہو جاؤ، تو پتہ نہیں ہم کس چیز کو سچ سمجھ لیں! اور دوسری بات بتاؤں، بعض لوگوں کی باتیں سچی ہوتی ہیں مگر بولنے والا جھوٹا ہوتا ہے، بعض اِیسے کلمہ پڑھنے والے رسول کی بارگاہ میں آئے کہ اُن کا کلمہ تو سچ تھا مگر کلمہ پڑھنے والے جھوٹے تھے، قرآن کلمے کی سچائی کی بھی بات کر رہا ہے اور پڑھنے والوں کو جھوٹا بھی قرار دے رہا ہے۔ دیکھا آپ نے؟ کتنے ایسے ہوتے ہیں کہ کلمہ تو سچ ہے مگر کلمہ پڑھنے والا جھوٹا ہے، نماز تو سچ ہے مگر بعض نمازی جھوٹے ہیں، حج تو بڑی اچھی چیز ہے، سچ ہے، مگر کتنے حاجی ہیں جو جھوٹے ہیں۔

﴿لطیفہ﴾

اب تو حالت ایسی بگڑی ہے کہ لوگوں نے لطیفے گھڑنے شروع کر لیے، بڑے شرم کی بات ہے۔ کسی نے ایک لطیفہ سنایا، حاجی وہاں جاتے ہیں نا، تو حرم شریف میں وقت کم گذرتا ہے اور مارکیٹ میں زیادہ۔ اور اُس کے بعد۔۔ اور کھانے پینے کے معاملے میں بڑے احساس، وہاں ہو جاتے ہیں۔۔ بہرحال۔۔ جیسا حج کر کے آتے ہیں۔ کیا ارادہ ہے ہر شخص اپنے ارادے کو خوب جانتا ہے۔ ماحول اتنا خراب ہو گیا ہے کہ وہاں سے سامان لے کے آتے ہیں تو یہاں چھپانا چاہتے ہیں۔ ارے بھئی! تم لائے تھے تو کھول کے دکھا دو، یعنی آتے ہی ہندوستان میں جھوٹ شروع، تازہ تازہ حج کر کے آئے، جھوٹ بھی بہت تازہ تازہ، آتے ہی پھر شروع۔

ذرا سا آپ خیال کریں۔ افسوس کی بات ہے، کسی نے ایک لطیفہ سنایا کہ ایک نابینا بھکاری اپنی کشکول لیے بیٹھا ہوا تھا، اُس میں کچھ پیسے پڑے ہوئے تھے، تو ایک صاحب اُدھر سے گذرے، پیسہ اُٹھانے لگے، وہ اندھا چلّانے لگا، ارے حاجی صاحب! ایسا مت کیجیے، ارے حاجی صاحب! ایسا مت کیجیے، اتفاق سے وہ حاجی ہی تھے، اور اُنہیں بڑا تعجب ہوا! یہ اندھا کیسے جان گیا کہ میں حاجی ہوں؟ بولا کہ تجھے کیسے پتہ چلا کہ میں حاجی ہوں؟ کہا صاحب! یہ کام حاجی کے سوا کوئی کرے گا کون؟ اِسی لیے کہا گیا کہ سچائی کا پہچاننا، یہ تمہارے جواز کی بات نہیں ہے، بس سچوں کو تلاش کرو اور جب سچا ملے گا، سچائی بھی وہیں ملے گی۔ کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِین۔ تم سچوں کے ساتھ ہو جاؤ۔

﴿سچوں کا راستہ، سیدھا راستہ﴾

اوور واقعی دوستو! ہم کو دعا بھی ایسی ہی تعلیم دے گی، اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ۔ پڑھے ہو کہ نہیں؟ اے اللہ ہمیں سیدھے راستہ پر چلا۔ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ۔ اُن کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ یہی تو دعا کرتے ہیں نا؟

نماز میں پڑھتے ہو کہ نہیں؟ ہر رکعت میں پڑھتے ہو۔ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ۔ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ۔ اُن کے راستے پر جن پر تو نے انعام کیا۔ پھر کیا؟ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ۔ نماز میں کیا دعا کرتے ہیں؟ اے اللہ ہمیں صالحین کے راستے پر چلا، ہمیں صدیقین کے راستے پر چلا، ہمیں بزرگان دین پر چلا، ہمیں انعام والوں کے راستے پر چلا۔ تو انعام والے یہی ہیں۔

اب اس کا تفصیلی ترجمہ سمجھ لو۔ اے اللہ ہمیں غوث جیلانی کے راستے پر چلا، اے اللہ ہمیں محبوبِ الٰہی کے راستے پر چلا، اے اللہ ہمیں خواجہ اجمیری کے راستے پر چلا، اے اللہ ہمیں محبوب یزدانی کے راستے پر چلا، اے اللہ ہمیں شاہ عالم، قطب عالم کے راستے پر چلا، اے اللہ ہمیں مخدوم ماہمی کے راستے پر چلا۔ یہ دعا کرتے ہو کہ نہیں؟ یہ آپ کی دعا کا حاصل ہے کہ نہیں؟ مجھے تعجب یہ ہے کہ خدا کی بارگاہ میں یہ کہتے ہو، ہمیں بزرگوں کے راستے پر چلا اور جب خدا کی بارگاہ سے ہٹتے ہیں تو یہ کہتے ہیں بزرگوں کو نہ دیکھو، اُن کا راستہ مت دیکھو، اُس راستے پر مت چلو! ارے بھئی، تو چلے یا نہ چلے، تو جانے، مگر خدا کی بارگاہ میں تو جھوٹ بول کے کیوں آتا ہے؟ تجھے چلنا نہیں ہے تو دعا کیوں مانگتا ہے؟

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و

مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿سچوں کو پہچانو!﴾

تو دوستو! ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف ایمان و عمل پر بھروسہ کر کے، آپ بالکل مطمئن نہ ہوئیں۔ بلکہ ایمان و عمل کی حفاظت کا انتظام کریں، اور ایمان و عمل کی حفاظت جو ہوتی ہے وہ بزرگوں کی صحبت سے ہوتی ہے، سچوں کے ساتھ ہونے سے۔ اب ہم یہ کہیں گے مولانا غلام مجتبیٰ کے ساتھ ہو جاؤ! ساتھ تو بعد میں آپ ہوں گے، تلاش پہلے کریں گے، کہ مولانا غلام مجتبیٰ ہیں کون؟ رہتے کہاں ہیں؟ مزاج کیا ہے؟ تو پہلے اُن کی معرفت حاصل کرنا آپ کے لیے ضروری ہے، جب سچوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے تو اُن کی معرفت بھی حاصل کرنا ضروری ہے اور اُن کی فوقیت پر صدق ایمان بھی ضروری ہو گیا۔ وہاں جانا بھی ضروری ہو گیا، ہم پہلے پہچانیں گے تب ہی تو ہم اُن کے اعمال، اُن کے معمولات، اُن کے فیوض و برکات سے کچھ فیض حاصل کریں گے۔ تو۔۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِيۡنَ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

* * * *

خطبہ ہفتم

عنوان: صحبتِ صالحین

بمقام: جبل پور

اَلْفَاتِحَہ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
وَ اٰلِہ وَاَصْحَابِہ اَجْمَعِیْنَ۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمْ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیمْ۔
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط
یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ
عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوبِ وَدَوَائِھَا وَعَافِیَۃِ
الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُورِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِینْ
وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینْ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِینْ۔ وَالصَّلٰوۃُ
وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنْ۔

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنْ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمْ
مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ خَیْرٌ مِّنْھَا ۚ وَھُمْ مِّنْ فَزَعٍ یَّوْمَئِذٍ اٰمِنُوْنَ۔
(سورہ نمل۔ آیت نمبر 89)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیمْ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیمْ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیمْ۔
وَنَفَعْنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیمْ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمْ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست
(ڈاکٹر اقبالؔ)

اس دیارِ قدس میں لازم ہے اے دل احتیاط   بے ادب ہیں کر نہیں پاتے جو غافل احتیاط
اضطرابِ عشق کا اظہار ہو بے حرف و صوت   اے غمِ دل احتیاط اے وحشتِ دل احتیاط
عشق کی خود رفتگی بھی حُسن سے کچھ کم نہیں   ہے مگر اس حُسن کے رخسار کا تل احتیاط
آ بتاؤں تجھ کو میں ارشادِ اَوْ اَدْنَا کا راز   اُن کے ذکرِ قرب میں لازم ہے کامل احتیاط
صرف سدرہ تک رفاقت اور پھر عذرِ لطیف   عقل والو! ہے ادائے عقل کامل احتیاط
بس اُسی کو ہے ثنائے مصطفیٰ لکھنے کا حق   جس قلم کی روشنائی میں ہو شامل احتیاط

نام پر تو حید کے، انکارِ تعظیم رسول ۔۔۔ کیا غضب ہے! کفر کو کہتے ہیں جاہل احتیاط
جی میں آتا ہے لپٹ جاؤں مزار پاک سے ۔۔۔ کیا کروں ہے میرے ارمانوں کی قاتل احتیاط

(شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی)

اگر خموش رہوں تو تو ہی سب کچھ ہے ۔۔۔ جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

(اصغر گونڈوی)

بارگاہِ رسالت اور آلِ رسالت میں درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ایک بار اور ہدیۂ صلوٰۃ پیش فرمائیں۔

صلی اللّٰہ علی النبی الامی و آله صلی اللّٰه علیه و سلم
صلوۃ و سلاما علیک یارسول اللّٰه

ایک بار اور نذرانۂ درود پیش فرمائیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

﴿امام رازی کا علمی مقام﴾

اگر میں، آپ سے یہ کہوں، جس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف میں نے حاصل کیا وہ اسرار و معارف کا اتنا زبردست خزانہ اپنے دامن میں لیے ہوئے ہے کہ کوئی اہلِ علم، صاحبِ صلاحیت، اس سے مسائل کا انبساط کرے اور مسائل نکالنا چاہے، تو کروڑوں مسائل نکال سکتا ہے۔ صرف ایک آیت سے ہزاروں لاکھوں نہیں اور اس میں کروڑوں بھی کہنے میں تسکین نہیں ہوتی۔ کروڑوں۔ آپ بہت حیران ہو جائیں گے۔ ایک آیت کے اندر کروڑوں مسائل! اس سلسلے میں کچھ کہنے سے پہلے، حضرت امام رازی (امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ) کا ایک قول پیش کروں۔ امام رازی نے کہا: ''اگر میں چاہوں تو اعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم سے بارہ ہزار مسائل نکال سکتا ہوں''۔ حضرت امام رازی کہتے ہیں، اگر میں نکالنا چاہوں تو بارہ ہزار مسائل نکال سکتا ہوں۔ لوگ حیران ہو گئے۔ بارہ لاکھ مسائل نکال سکتے ہیں۔ یہ بھی تو بات لینے کی ہے۔ اپنے علم و فضل کے حساب سے۔ ورنہ میں سمجھتا ہوں کہ اُن کا علم اتنا اونچا تھا کہ اگر آپ چاہتے تو بارہ کروڑ مسائل نکال سکتے تھے۔

﴿اعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم سے کتنے مسائل نکل سکتے ہیں؟﴾

میں آپ کی سمجھ سے قریب کرنے کی بات عرض کروں تو آپ کی سمجھ میں آسانی سے آجائے گا۔ بارہ کروڑ کہیں تو بھی صحیح ہے، بارہ لاکھ کہیں تو بھی صحیح، بارہ ہزار کہیں تب بھی صحیح ہے۔ اس میں گنجائش ہے۔ اس لیے کہ اتنے مسائل نکالے جا سکتے ہیں۔ آپ خیال فرمائیں۔ یہی جو آپ خوب پڑھتے ہیں۔

اس کو لے کے چلیں۔ اعوذ باللّٰه من الشیطان الرجیم۔ اس میں آپ پناہ مانگ رہے ہیں۔ اور کس کی پناہ مانگ رہے ہیں؟ اور کس سے پناہ مانگ رہے ہیں؟ ہے کہ نہیں؟ پناہ مانگتے وقت ہی فوراً پہلا تصوّر وہ عقیدہ آپ کا بنتا ہے کہ آپ کمزور ہیں۔ اس لیے کہ خود کمزور نہ ہوں تو پناہ مانگنے کی ضرورت ہی کیا؟ اور اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ آپ جس سے خوفزدہ ہیں، اس کی طاقت کو بھی مان رہے ہیں۔ جس سے خوفزدہ ہیں، اس سے بچنے کی ترکیبیں بھی آپ سوچ رہے ہیں۔ اس کے تصرف اور اختیارات کو بھی آپ مان رہے ہیں۔ وہ غیر خدا ہی صحیح۔ مگر۔۔ اگر آپ اس کے تصرف اور اختیار کو نہ مانیں تو اس سے گھبرانے کی ضرورت کیا؟

یہاں دوسرا عقیدہ ملا کہ، خدا نے دوسرے کو بھی اختیار دے رکھا ہے۔ مسئلہ ملا کہ نہیں؟ اور اتنا اختیار دے رکھا ہے کہ، سبھی اس سے گھبرا رہے ہیں۔ کوئی کہیں بھی ہو، سب گھبرا رہے ہیں۔ چھوٹا ہو تو گھبرا رہا ہے، بڑا ہو تو گھبرا رہا ہے، بادشاہ ہو تو گھبرا رہا ہے، فقیر ہو

تو گھبرا رہا ہے۔ انتہا کی بات عرض کروں مسجد کے اندر بیٹھا ہوا متقی، وہ بھی پناہ مانگ رہا ہے، صوفی ہو تو پناہ مانگ رہا ہے، ولی ہو تو پناہ مانگ رہا ہے، سبھی گھبرا رہے ہیں۔ اتنی طاقت، اتنا تصرف دے دیا۔ اب ضرورت ہوئی کہ ایسے سے پناہ مانگو جہاں اس کی طاقت ٹوٹ جائے۔ اب کوئی کمزور سہارا دے نہیں سکتا۔ اب وہی سہارا دے سکتا ہے جس کا تصرف سب کے تصرف سے بڑھ کر ہو، جس کی قوت سب کی قوت سے بڑھ کر ہو، جس کا اختیار سب کے اختیار سے بڑھ کر ہو۔ ابھی ترجمہ بھی نہیں ہوا عقیدے بنتے چلے گئے۔ ابھی ترجمے کی منزل بھی نہیں آئی اور عقیدے بنتے چلے گئے۔ تو آپ کہیں گے، آپ تلاش کرو اس میں پناہ مانگنے والے کون ہیں؟ کہیں گے، میں خود پناہ مانگ رہا ہوں۔ ہر شخص اپنے طور پہ کہے گا، میں پناہ مانگنے والا۔ اور کس کی پناہ؟ خدا کی پناہ۔ اور کس سے؟ شیطان سے پناہ مانگ رہے ہیں نا؟ اب شیطان اس سرکش کو کہیں گے جس کو خدا کی رحمت سے دور کر دیا گیا۔ جو بھی معنی لے لیجیے۔ چاہے سرکش معنی لیں تو بھی خدا کی رحمت سے دور۔ اس لیے دور کر دیا گیا کہ اس نے سرکشی کی۔ یہاں ان سب کا ذکر کر کے اس بات کی وضاحت کر دی گئی کہ پناہ مانگنے والے کی وجہ ہونی چاہیے۔ وجہ کیا ہے؟ شیطان سے پناہ مانگنے کی تفصیل کیا ہوتی ہے؟ جتنے بھی گناہ انسان کرتا ہے، جتنی بھی برائیاں ہوتی ہیں، چاہے کفر ہو، شرک ہو، ارتداد و فسق ہو، نفاق ہو، کچھ بھی ہو، جتنی بھی برائیاں ہیں یہ سب شیطان کے اغوا سے ہوتے ہیں۔ اس کی تحریک سے ہوتے ہیں۔ ساری برائی کرانے کی تحریک وہی پیدا کرتا ہے۔ یاد رکھو! اس کا کام صرف تحریک پیدا کرنا ہے، برائی کرنا تو آپ کے اختیار کی بات ہے۔ شیطان میں یہ خدا نے طاقت ہی نہیں دی ہے کہ بالجبر تم سے برائی کرا سکے۔ وہ برائی کا خیال دیتا ہے، وہ برائی کی تحریک پیدا کرتا ہے۔ برائی کرنا تو تیرا کام۔ مگر تحریک اسی کی طرف سے، برائی کی۔ اور آپ کو ہر برائی سے بچنا چاہیے۔ تو چاہتے ہیں کہ اس کے محرک ہی کیوں نہ دور ہو جائے۔ تو اب شیطان سے پناہ مانگنے کا مطلب کسی ایک ذات

سے پناہ مانگنا نہیں ہے، ہر برائی سے پناہ مانگنا۔ دنیا میں جتنی برائی پھیلتی ہے اور دنیا میں جتنی برائی ہوتی رہے گی۔ ہم سب خدا کی پناہ مانگتے ہیں، کفر سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، ارتداد سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، نبی کی دشمنی سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، دوسرے کے حق مارنے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، شریعت کے خلاف چلنے سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں، دنیا میں جتنی برائیاں ہیں، اب ہر ایک سے تم نے پناہ مانگی کہ نہیں مانگی؟ اس لیے دوستو! قرآن میں بھی شیطان کا لفظ جو افراد کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ شیطان سے مراد صرف 'عزازیل' ہی مت سمجھ لینا، انسان کو بھی قرآن نے شیطان کہا ہے۔ جس کے اندر سرکشی ہو، جو خدا کی رحمت سے دور ہو وہ شیطان۔ قرآن میں ہے **وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ**۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 14) جب یہ لوگ اپنے شیاطین کے پاس تنہا ہوتے ہیں، **وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ**۔ یہاں شیطان۔ **وَاِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا**۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 14) جب یہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو ہم بھی ایمان لائے۔ **وَاِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ**۔ اور اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں۔ تو اُن جماعتوں کے جو امیر ہیں اُن کو قرآن 'شیطان' کہہ رہا ہے۔ جماعت کے امیروں کو قرآن شیطان کہہ رہا ہے۔ تو جب یہاں ہم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے والے، اور جب اپنے امیروں سے ملتے تو کہتے ہیں کہ ہم اُن سے مذاق کر رہے تھے، ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تو قرآن ایسے لوگوں کو شیطان کہہ رہا ہے۔ دیکھو انسان کے لیے شیطان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ یہ تو قرآن کا لفظ ہے نا؟ اور قرآن کے ماننے والے پر بھی لازم ہو گیا نا؟ اسے شیطان ہی سمجھو وہ تو ہے ہی، یہ تو ماننا ہی پڑے گا۔ ایسا تھوڑی ہی نہیں کہ قرآن کے بعض باتوں کو مانو اور بعض باتوں کو نہ مانو۔ اچھا دیکھو یہاں عزازیل شیطان کو سبھی جانتے ہیں۔ انسانوں کے لیے شیطان کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اور حدیثوں میں آیا ہے: "الغضب الشیطان الحسد الشیطان" یہ غضب بھی شیطان ہے، یہ کینہ کپٹ بھی شیطان ہے۔ تو دل کی

برائیوں کے اوپر بھی شیطان کا لفظ آیا کہ نہیں۔ آیا نا! اب جب تم شیطان سے پناہ مانگ رہے ہو تو جتنی بھی برائیاں ہوں، چاہے شیطان صفات کی صورت میں ہو.... چاہے شیطان انسان کی صورت میں ہو، چاہے شیطان جنوں کی صورت میں ہو، چاہے شیطان برے اخلاق کی صورت میں ہو، سب سے پناہ مانگی کہ نہیں مانگی؟ سب سے پناہ مانگی۔

دوستو! آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ سوچیے برائیوں کی کوئی انتہا ہے؟ کوئی شمار کر سکتا ہے؟ ایک لاکھ برائیاں ہیں، یا دو لاکھ برائیاں ہیں، یا کروڑ برائیاں۔ اگر کروڑوں اَربوں برائیوں کی ایک لِسٹ بناؤ اور ہر ایک کا حساب لگاؤ، میں اس سے بھی پناہ مانگتا ہوں ہم تو کہہ ہی نہیں سکتے کروڑوں مسئلہ یوں ہی نکل آتے ہیں۔ ایک ایک چیز پہ تفصیلی گفتگو کی جائے تو ایک ایک مسئلہ پہ گفتگو کرتے رہو تو صبح قیامت تک اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کی تشریح ہو گی بھی نہیں۔ میں بھی جو اشارہ کر کے گذرا ہوں اس میں خاص بات یہ پناہ مانگنے کی سخت ضرورت ہے۔

﴿شیطانیت سے پناہ کہاں ملے گی؟﴾

اچھا ایک بات اور بھی۔۔ جب میں یہ کہوں مصیبت آرہی ہے، پناہ ڈھونڈو! پہلے آپ دیکھیں گے کہ کس ٹائپ کی مصیبت آرہی ہے؟ ارے بھئی! ہلکی ہوا آرہی ہے تو پر دے سے بھی کام چل جائے گا۔ مگر زوردار آندھی آرہی ہے تو مضبوط کوئی چیز ہونا چاہیے۔ میں کہوں گا آندھی آرہی ہے، بچاؤ اپنے کو، تو کدھر جاؤ گے؟ آندھی آرہی ہے، پناہ بھیجو اپنے چراغ کو۔ تو گُل ہونے مت دو۔ کیا کرو گے اس کی تیزی کا اندازہ لگا کر؟ پھر چراغ کی حفاظت کا سامان کرو گے۔ اگر دیکھا کہ ہاتھوں سے ہم نے بچا لیا تو بچا لیا، نہیں تو لے کے گھر میں چلے گئے، اس کو ہم نے بجھنے نہ دیا، اور دیکھا کہ گھر بھی کمزور ہے، کسی پختے محل میں لے کے چلے گئے، دیکھا محل بھی کمزور ہے تو کسی قلعہ میں لے کے چلے گئے۔ اس لیے کہ ہوا جتنی زوردار ہے، جہاں جائیں گے وہاں لے جائیں گے، جہاں آندھی کا اثر نہ پڑے، جہاں ہواؤں کی تیزی نہ پہنچے، جہاں آندھی کی قوت نہ پہنچے، ایسی ہی جگہ پہ جانا ہوگا۔ تو ایسے قلعے اگر تعمیر نہ ہوں تو جب پناہ کی صورت ہوگی تو جائیں گے کدھر؟ اگر ایسے قلعے تعمیر نہ ہوں تو جب پناہ کی صورت ہوگی تو جائیں گے کدھر؟ تو دوستو! جب مصیبت تمہارا پیچھا کر رہی ہے، جب شیطانیت تمہارا پیچھا کر رہی ہو اور تمہیں پناہ کی ضرورت ہو تو کوئی جگہ چاہیے، جہاں پناہ ملے۔ تو آواز آتی ہے، تمہیں وہیں پناہ ملے گی جہاں بلال حبشی (رضی اللہ عنہ) کو پناہ ملی تھی، وہیں پناہ ملے گی جہاں سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کو پناہ ملی تھی۔

﴿سارے عالم کو پناہ بارگاہِ مصطفٰی سے ملتی ھے﴾

وَمَا أَرۡسَلۡنَاكَ إِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعَالَمِينَ (سورہ انبیاء، آیت نمبر 107) سارے عالم کو اگر پناہ دینے والا ہے تو وہی ہے۔ اسی لیے سرکار امام اعظم (ابوحنیفہ) نے کیا پیاری بات کہی: ؎

یاسید السادات جئتك قاصدا   أرجو رضاك وأحتمي بحماك

اے سیّدوں کے سیّد۔ یہاں اصطلاحی سید نہیں مراد ہے۔ سیّد کا ایک لغوی معنٰی بھی ہے۔ آپ، حضرات حسنین کی اولاد کو اصطلاحاً سید کہہ رہے ہیں۔ مگر سیّد کا ایک معنی ہے، ''سیّد وہ ہے تکالیف میں جس کی پناہ لی جائے''، جن کی پناہ ڈھونڈی جائے۔ تو اے سیّدوں کے سیّد! پناہ دینے والوں کے پناہ دینے والے۔ تشریحی ترجمہ سنو گے تو میں دورُخ کا ترجمہ کروں گا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے، میں کہوں کہ حضرت آدم پناہ دینے والے ہیں، اپنا کلمہ پڑھنے والوں کو۔ حضرت نوح اپنے چاہنے والوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں، حضرت ابراہیم اپنے چاہنے والوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں، حضرت کلیم اپنے چاہنے والوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں، حضرت مسیح اپنے چاہنے والوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں۔ مگر قیامت میں ظاہر ہوگا ان پناہ دینے والوں کو کوئی پناہ دے رہا ہے، اپنے پرچم کے تلے، لواءِ حمد کے سائے۔ اے سیّدوں کے سیّد! اے پناہ دینے والوں کے پناہ دینے والے!

اور ایک ترجمہ کروں جو تمہارے ذہنوں میں آسانی سے اُتر جائے۔ غوث اعظم قادریوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں، خواجہ اعظم چشتیوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں، آقائے نقشبند نقشبندیوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں، حضرت قطب المدار مداریوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں، مخدوم اشرف اشرفیوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں، آقائے سہرورد سہروردیوں کو پناہ دیے ہوئے ہیں۔ ان پناہ دینے والوں کو گنبدِ خضرا والا پناہ دے رہا ہے، ان پناہ دینے والوں کو گنبد خضرا والا پناہ دے رہا ہے۔ یا سیدۃ السادات! اے پناہ دینے والوں کو پناہ دینے والے۔ یہیں سے دو اشارہ ہو گیا۔ دیکھو یہ بھی پناہ دینے والے ہیں، اور وہ بھی پناہ دینے والے ہیں۔ اب تو دیکھ تجھے قربت کس سے حاصل ہے؟ یہ بھی انہیں کی پناہ ہے، خواجہ کی بارگاہ میں تم چلے گئے رسول کی پناہ میں پہنچ گئے، غوث کے آستانے پر پہنچ گئے، مخدوم کی چوکھٹ پر چلے گئے، رسول کی پناہ میں پہنچ گئے۔ اس لیے کہ یہ ہمیں پناہ دیتے ہیں اور جب خود رسول کی پناہ میں جاتے ہیں تو وہ ہمیں چھوڑ کے نہیں جاتے، ساتھ لیکے جاتے ہیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿ولیوں سے دور رہنے کا نقصان﴾

مگر ایک بات ہے دوستو! آندھیاں تو یہی چاہینگی، اس لیے کہ اگر تم قلعہ کے اندر چلے گئے تو چراغ گُل کیسے ہوگا! اگر تم مضبوط قلعہ کے اندر پہنچ گئے تو تمہیں ہم کیسے اُڑا سکیں گے، مگر باہر آؤ تا کہ اُڑانے میں آسانی ہو۔ اس لیے میں دیکھتا ہوں جو اللہ کے ولیوں کی پناہ میں ہے، جہاں بھی ہے، مستقل ہیں۔ جنہوں نے پناہ سے اپنے کو نکال لیا، وقت کی ہوائیں انہیں اُڑا رہی ہیں،۔ پتہ ہی نہیں آج یہاں، کل کہاں جائیں گے!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿بری صحبت سے پناہ مانگو!﴾

پناہ دینے والوں کا حال عجیب ہے! ہم پناہ جب مانگ رہے ہیں تو جس کی پناہ مانگ رہے ہیں، یہ عقیدہ ہے، وہاں تک نہ شیطان کی قوت چل سکے گی، نہ اختیار چل سکے گا، نہ تصرف چل سکے گا۔ جب ایسی پناہ میں ہم پہنچ رہے ہیں، اسی پناہ گاہ کا نام گنبدِ خضرا ہے۔ تو دیکھو پناہ مانگی تم نے، تو اس میں سب سے زیادہ۔۔ دوستو! بچنے کی جو چیز ہوتی ہے۔۔۔ تباہ کردینے والی، ایمان کو بھی تباہ کردینے والی، اعمال کو بھی تباہ کر دینے والی۔ کفر و نفاق کی بنیاد اور جڑ۔

وہ کیا ہے؟ بروں کی صحبت۔ جب تم نے اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم کہا تو برے کی صحبت سے پناہ مانگی کہ نہیں؟ مانگی خدا سے۔ ہم کہتے ہیں: اے خدا بروں کی صحبت سے ہمیں بچا! بروں کی صحبت سے بچانے کا مطلب کیا ہے؟ اچھی صحبت میں پہنچا۔ مانگتے ہو کہ نہیں؟ جب بھی تم اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو گے اور اس کے تفصیلی ترجمہ پر غور کرو گے، تو یہ مفہوم نکلے گا کہ نہیں؟ اے اللہ! ہمیں بروں کی صحبت سے بچا۔ اب اس کے بعد بھی بروں کے ساتھ رہ گئے اور اس کے بعد بھی بروں کے ساتھ لگے، تو سمجھ لو کہ تم پڑھتے ضرور ہو مگر سمجھتے نہیں۔ میں یہ کیسے کہوں کہ سمجھ کے پیچھے جا رہا ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿نبی اور ولی کی صحبت کا اثر﴾

اور بات صحبت کی آ گئی تو کہتا چلوں۔ دوستو! یہ عجیب و غریب چیز ہے۔ صحبت کا جو اثر ہوتا ہے وہ کسی عمل کا بھی نہیں ہوتا، بنانے میں بھی اور بگاڑنے میں بھی۔ صحبت اگر بگاڑنے پر آئے تو ایسا بگاڑتی ہے کہ چہرہ پہچانا نہیں جاتا۔ اور صحبت بناتی ہے تو فرشتے حیران رہ جاتے ہیں۔ صحبت کا عجیب معاملہ ہے! ارے میں ایک بات بتاؤں، زندگی بھر اخلاص

کے ساتھ نماز پڑھو، صرف نمازی ہی رہو گے، اخلاص کے ساتھ حج کرو، حاجی ہو جاؤ گے، جہاد کرو، غازی ہو جاؤ گے، فیصلہ کرو قاضی ہو جاؤ گے، جہاد کرو مجاہد ہو جاؤ گے، مگر تمہارا کوئی عمل صحابی نہیں بنائے گا۔ کعبہ دیکھتے رہو، قیامت تک صحابی نہیں بنو گے، قرآن پڑھتے رہو، قیامت تک صحابی نہیں بنو گے، نفلیں پڑھتے رہو، صحابی نہیں بنو گے۔ تو صحابی کیسے بنتے ہیں؟ عمل سے نہیں، صحبت سے بنتے ہیں۔ صحابیت ملتی ہے رسول کی صحبت سے۔ یہی حال ہے دوستو! صحابی کی صحبت مل جائے ایمان کے ساتھ تو تابعی ہو جائے، تابعی کی صحبت مل جائے تو تبع تابعی ہو جائے۔

یادرکھو! ایک بات سنو! کوئی ولی ہو ہی نہیں سکتا بغیر صحبت کے، عمل سے کوئی ولی بن ہی نہیں سکتا، کسی ولی کی نظر ضرور چاہیے، کسی ولی کی صحبت ضرور چاہئے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں، جن کی ولایت میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، وہ بھی کسی کی صحبت میں نظر آرہے ہیں۔ مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کی ولایت میں کیا شبہ ہے! مگر۔۔ 'شاہ علاؤالحق پنڈوی' کی بارگاہ میں وہ جھکے ہوئے ہیں۔ شاہ علاؤالحق پنڈوی کی عظمت میں کیا شبہ ہے! مگر۔۔ حضرت 'اخی سراج' کے آگے وہ بھی زانو تہہ کیے ہوئے ہیں۔ ان کی عظمت ودرویشی میں کیا شبہ ہے! مگر۔۔ 'محبوب الٰہی' کے آگے وہ بھی جھکے ہوئے ہیں۔

ان کی عظمت ومحبوبیت میں کیا شبہ ہے! مگر۔۔ 'بابا فرید گنج شکرؒ' کے آگے وہ بھی جھکے ہوئے ہیں۔ ان کی عظمت وولایت میں کیا شبہ ہے! مگر۔۔ 'قطب الدین بختیار کاکی' کے یہاں وہ بھی جھکے ہوئے ہیں۔ ان کی قطبیت میں کیا شبہ ہے! مگر۔۔ خواجۂ خواجگاں کی بارگاہ میں وہ بھی جھکے ہوئے ہیں۔ اور یہ خواجۂ خواجگاں، یہ عطائے رسول، سلطان الہند جب وصال کریں تو پیشانی پر دستِ قدرت سے لکھا ہوا نظر آئے "ھذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ" یہ اللہ کا حبیب ہے اور اللہ کی محبت میں وصال کر گیا۔ اس لیے میں عرض کرتا ہوں۔۔۔

گروہِ انبیاء میں حبیب اللہ خطاب ہے اللہ کے رسول کا۔۔۔۔۔

اور گروہِ اولیاء میں حبیب اللہ خطاب ہے خواجۂ اجمیری کا۔

یہ اللہ کے حبیب ہیں۔ جس کی محبت کی شہادت کاتبِ تقدیر دے رہا ہے۔ کیا ان کی عظمتوں میں شک! مگر۔۔ یہ بھی 'حضرت شیخ عثمان ہارونی' کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

ذرا سا دیکھو! کوئی تو ایسا نہیں ملتا جو صحبت سے بے نیاز ہو، کوئی تو ایسا نہیں ملتا۔ دیکھو! جن کی ولایت مسلّم وہ بزرگوں کے پیچھے چلیں۔۔۔ جن کی جہالت مسلّم انہیں بزرگوں کی ضرورت نہیں ہے!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

﴿حضرت عیسٰی علیه السلام کی صحبت کا فائده﴾

صحبت والوں کا حال ہی کچھ اور ہے۔ صحبت کے انوار میں جب حدیث پڑھی تو میں حیران تھا! میری سمجھ میں بات نہیں آرہی ہے۔ وہ کیا؟

حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا میرا زمانہ نبوت ورحمت کا زمانہ۔ میرے بعد خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ۔ خلافت ایسی خلافت جو نبوت کی روشنی پر کام کرے، نبوت کی اتباع وپیروی کرتے ہوئے کام کرے۔ وہ زمانہ آئے گا۔ اس کے بعد حضور نے فرمایا بادشاہت آجائے گی، بادشاہت کے بعد جبری حکومت کا دور چلے گا۔ اور پھر سرکار کہتے ہیں آخر میں پھر وہی خلافۃ علی منہاج النبوۃ۔ آخر میں پھر وہی۔

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں، یہ جبری بادشاہت کا دور ہے۔ اسلام کا مستقبل روشن ہے۔ ایک دور آئے گا پھر خلافۃ علیٰ منہاج النبوۃ۔ تو سوال ذہن میں یہ اُٹھتا تھا اب تو صحابہ نہیں ہیں، تابعی نہیں ہیں ان کا دور کیسے؟ افراد نہیں تو ان کا دور کیسے آئے گا؟

لوگ تو یہی رہیں گے نا؟ یہی بگڑے ہوئے لوگ، یہ اُس خلافت کا نمونہ کیسے پیش کریں گے؟ مگر دوستو! کوئی تدبیر اس مسئلہ کو حل نہیں کر سکتی۔

مگر ذہن اس بات کی طرف گیا، میرے سرکار نے کیا اچھا انتظام فرما دیا، صرف تاریخ کا ایک ورق آگے کر لو بات آگے بڑھاؤں، وہ کیا؟ معراج کی رات، پہلے علما سے پوچھ لینا، صحابی کسے کہتے ہیں؟ نبی کو اسی ظاہری زندگی میں دیکھے، دیکھنے والا بھی ظاہری زندگی میں ہو، دنیوی زندگی میں ہو، حیاتِ برزخی کی بات نہیں کر رہا ہوں میں، ایمان کے ساتھ دیکھے، ایمان کی نظر سے دیکھے، روحانی طور پر نہیں، خواب میں نہیں۔ جیسے ہم آپ کو دیکھ رہے ہیں۔ ایمان کے ساتھ دیکھے، یہ صحابی۔ اور اسی پر جو صحابی کو دیکھیں وہ تابعی۔ تو معراج کی رات حضور جب بیت المقدس گئے تو سارے انبیا آئے تھے کہ نہیں؟ سب آئے تھے۔ تو سب کا وصال ہو چکا تھا۔ مگر حضرت عیسیٰ (علیٰ نبینا وعلیہ السلام) ابھی اُسی جسمانی زندگی کے ساتھ آئے، اُن پر وفات طاری نہیں ہوئی۔ جب ان پر وفات طاری نہیں ہوئی تو اسی جسمانی زندگی کے ساتھ آئے، نبی کو اُسی جسمانی حالت کے ساتھ، ایمان ہی کے ساتھ نہیں، امام بنا کر دیکھا۔ ایمان تو اپنی جگہ ہے ہی، امام بنا کے دیکھا۔ قریب سے دیکھا۔ صحابیت کے جتنے شرائط ہیں اُس کے ساتھ دیکھا۔ اس لیے حضرت عیسیٰ اُٹھا لیے گئے۔ اور قیامت جب قریب ہو، پھر بھیجے جائیں گے۔ زندگی ابھی وہی ہے، وہی جسمانی زندگی۔ تو اب ان کو جو جو دیکھے گا، وہ تابعی ہو گئے۔ امام مہدی بھی تابعی ہو گئے۔ اُس دور کے سارے مسلمان تابعی ہو گئے۔ یہیں سے پتہ چلا کہ زمانہ آ گیا، صحابیوں کا زمانہ آ گیا، تو اب ان کو بتاؤ یہ عمل سے نہیں ہوا، صحبت سے ہوا ہے۔ یہ عمل سے نہیں ہوا، صحبت سے ہوا۔

﴿صحبت کا اثر کائنات کے دوسرے اشیاء پر﴾

آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ ایک بات اور نکتے کی اس سلسلے میں عرض کروں۔

دیکھو! عمل کا فائدہ کس کو ہوتا ہے؟ نیک عمل کرو تو کس کو فائدہ ہوگا؟ برا عمل کرو تو کس کو نقصان ہوگا؟ تو سنو! نیک عمل کا فائدہ صرف انسانوں کو اور جنوں کو، یہ مکلف اچھا عمل کریں گے اچھا ہوگا، برا عمل کرو گے تو برا ہوگا۔ دیکھا اور یہ جو دوسری مخلوقات ہیں، جو ذکر الٰہی میں مشغول ہیں۔ اُن کا جو فطری عمل ہے جزا نہیں۔ اس کا کوئی بدلہ نہیں ہے۔ ان کی عبادتوں کی نوعیت الگ ہے، ان کی تسبیحات کے نتائج الگ ہیں۔ جزا اور سزا کا مفہوم، وہ صرف انسانوں اور جنوں کے لیے ہے۔ اگر وہ اچھا عمل کریں گے اچھا ہوگا۔ تو عمل کا فائدہ انسان اور جن اُٹھائیں گے۔ مگر صحبت کا معاملہ ایسا ہے ذرے ذرے، پتے پتے، ایک ایک سنگ ریزہ، دریا کا ہر قطرہ۔۔۔۔

یہ مثل سچ ہے کہ ہو جاتا ہے صحبت کا اثر
آدمی کیا در و دیوار بدل جاتے ہیں

تو میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں، صحبت کا اثر کائنات کے دوسرے اشیاء پر کیسے پڑتا ہے۔ بری صحبت ملی تو برے، اچھی صحبت ملی تو اچھے۔

﴿بری صحبت کا برا اثر۔ چند واقعات﴾

وہ واقعہ یاد کرو۔ قوم ثمود پر عذابِ الٰہی آیا تو قوم ثمود کے علاقے میں جو کنواں تھا، یعنی وہ علاقہ جہاں عذابِ الٰہی آیا، جو کنواں تھا اس سے صحابی پانی لے کر آئے، آٹے کو گوندھا۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس آٹے کو پھینکوا دیا۔ یہ عذاب والی قوم کا کنواں ہے۔ حالانکہ یہ کنویں نے کوئی کفر نہیں کیا، کبھی کوئی شرک کی بات نہیں کہی، کبھی بھی اس نے بے عملی نہیں کی۔ بروں کی صحبت میں پڑ گیا تو اس لائق نہیں رہا کہ اس کا پانی پیا جائے، بروں کی صحبت میں پڑ گیا تو اس لائق نہیں رہا۔ تو اپنے ماحول کو لائق بنانا ہے، اپنے محلّوں کو بروں سے خالی کرانا ہی پڑے گا۔

آپ خیال کرو۔ بروں کی صحبت سے ایسا پڑا کہ سرکار نے آٹا پھینکوا دیا۔ یہی نہیں۔

۔ کہ ابرہہ کے لشکر پر اصحاب فیل، وہ ہاتھی والے جب آئے، تو کعبہ کو ڈھانے کے لیے۔ ۔ اور۔ ۔ ان پر جب عذاب نازل ہوا تھا تب۔ اچھا بھئی، ''وادِیِ مُحَسِّر'' (مکہ شریف میں مزدلفہ ومنیٰ کے درمیان یہ وادی ہے)

میں یہ حکم ہے، وہاں جاتے وقت جلدی گذر جاؤ، یہ عذاب والی زمین ہے۔ یہ رکنے کے لائق نہیں، یہ کھڑنے کے لائق نہیں۔ ارے بھئی! ایسی زمین پر کھڑے ہو جائیں جو کھڑے رہنے کے لائق رہے۔ وہ علما تو ٹھیک ہی کہتے ہیں، جب مسجد سے نکال کر مسجد دُھلاتے بھی ہیں۔ ۔ ۔ ۔

اب آپ خیال کریں۔ ارے صاحب! زمین پر گذر جاؤ، میں زمین کی بات کر رہا ہوں، آپ کی جانی پہچانی چیز پیش کروں، منیٰ پہنچتے ہی شیطان کو پتھر مارتے ہیں کہ نہیں؟ رجم الشیطان کہہ کر مارتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان کے حاجی بھی عجیب ہیں! یہ چھوٹا شیطان ہے، یہ بڑا شیطان، وہ منجھلا شیطان۔ وہ چھوٹا شیطان۔ ارے بھئی! تیرے علاقے میں تین سائز کے ہوں تو یہ تھوڑی ہی ہے۔ مگر بہر حال یہ ایسے ہی کہتے ہیں۔ رجم الشیطان، رجم الشیطان۔ میں پوچھتا ہوں، شیطان کو مارتے ہیں، شیطان وہاں ہے؟ بات کو سمجھو۔ آپ کہیں گے: بھئی شیطان تو نہیں ہے۔ ۔ ۔ ۔

ایک واقعہ ہے۔ کیا واقعہ؟ حضرت اسمٰعیل (علیہ السلام) یہاں کھڑے ہوئے تھے، شیطان یہاں کھڑا ہوا تھا، حضرت اسمٰعیل کو دھوکہ دینے کے لیے، حضرت ابراہیم (علیہ السلام) نے کنکریاں ماری، دوسری جگہ کھڑا ہوا، تیسری جگہ کھڑا ہوا، ہاں جہاں کھڑا ہوا تھا وہاں آج کھمبے لگا دیے گئے ہیں۔ تو کھمبا ہی ہے نا؟ شیطان تو نہیں ہے؟ وہ کھمبا ہی ہے۔ کچھ لوگ آتے ہیں، جوتا مارتے ہیں، یہ غیر شرعی انداز ہے۔ جوتا مارتے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ مل گیا، آج تو چھوڑیں گے نہیں۔ تو مجھے بتاؤ کہ اب تک لوگ پتھر مار رہے ہیں، قیامت تک ماریں گے کہ نہیں؟ ماریں گے۔ اور یہی تو کہیں گے کہ وہاں شیطان کھڑا ہوا ہے۔

شیطان اتنا بے وقوف نہیں ہے کہ جوتا کھانے کے لیے کھڑا رہے۔ ۔ ۔ کیا شیطان کو اور بھی کوئی کام نہیں، جوتا کھائے گا! اِدھر اُدھر بھی تو اس کا کام ہے نا۔

تو آپ کہیں گے: نہیں شیطان اس وقت ہے یا نہیں، بحث اس سے نہیں۔ مگر اس جگہ شیطان کھڑا تھا، اس زمین کو شیطان سے صحبت مل گئی، اس زمین کو شیطان سے اگر صحبت مل گئی، اس زمین کو شیطان سے اگر صحبت مل گئی تو قیامت تک اس زمین پر پتھراؤ۔ یہ شیطان کی توہین ہے، یہ شیطان کی اہانت ہے۔ معلوم ہوا۔ ۔ ایک مرتبہ وہ کھڑا ہوا تھا، آج تک زمین پتھر کھا رہی ہے۔ ۔ اور وہ زمین سوچتی بھی ہوگی یہ خبیث کہاں سے آ گیا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ذرا سا خیال کرو۔ صحبت کا یہ اثر کہ ایک بار کھڑا ہو تو پھر اثر کر جائے اور اس زمین کی توہین، شیطان کی توہین بن جائے۔ اے لوگو! خدا کا دشمن اس زمین پر کھڑا ہو تو وہ زمین قیامت تک مستحق عذاب بن جائے اور خدا کا دوست مزار میں آرام کر رہا ہو۔ ۔ ۔ دیکھو! ۔

یہ مثل سچ ہے کہ ہو جاتا ہے صحبت کا اثر
آدمی کیا در و دیوار بدل جاتے ہیں

﴿نیک صحبت کا نیک اثر۔ چند نکات﴾

بولو یہ صحبت ہی کی بات ہے نا؟ یہ صحبت ہی کی چیز ہے جو علما نے یہ مسئلہ بتایا۔ اللہ کے رسول آج جہاں آرام فرما رہے ہیں، زمین کا وہ حصہ جسم رسول سے لگا ہوا ہے، وہ کعبہ سے بھی افضل ہے اور عرش سے بھی افضل ہے، قرآن سے بھی افضل ہے۔ الفاظ پر غور کیجیے گا، زمین کا وہ حصہ جزوے رسول نہیں ہے، وہ رسول سے لگا، میں جزوے رسول کی بات نہیں کر رہا ہوں، وہ جزوے رسول نہیں جسم رسول سے لگا ہوا ہے، وہ عرش سے افضل۔ جب وہ عرش سے افضل، وہ کعبہ سے افضل، وہ حصہ ہے جو جسم رسول سے لگا ہوا ہے۔ تو بولو!

وہ اجزا جو مصطفیٰ کا خمیر بن گئے ہوں، ان کی مثال دو؟ تو کائنات میں کہاں ملے گی؟ وہی افضل ہے۔ جو غیر ہیں، افضل ہیں، وہ غیر ہیں مگر لگے ہوئے ہیں۔ جب وہ افضل ہیں جو شریعت کا عین ہو، ان کی فضیلت کو کوئی کیا سمجھ سکے گا!

دیکھا آپ نے! صحبت نے کہاں سے کہاں تک پہنچایا۔ کہنے والوں نے کیا کہہ دیا: ”المدینة خیر من المکه“۔ مدینہ مکہ سے بہتر ہے۔

بڑا محتاط لفظ بولا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ افضل ہے، کہا بہتر ہے۔ افضل نہیں کہا۔ بہتر ہے۔ ورنہ کتنے لوگ جھگڑنے کو تیار ہو جاتے۔ حالانکہ سوچو! تم ایک بات سوچ سکتے ہو، یہ کیسے کہہ دیا کہ بہتر ہے، بہتر کیسے، کیوں؟ اس لیے کہ علما سے تم نے سنا ہوگا، مکہ میں مسجدِ حرام ہے۔ اور مسجدِ حرام میں ایک نیکی کرو تو ایک لاکھ کے برابر۔ ہے کہ نہیں؟ اور مدینے میں مسجد نبوی۔ اور مسجد نبوی میں ایک نیکی کرو تو پچاس ہزار نیکی کے برابر۔ بولو بہتر کون؟ یہاں ایک لاکھ، وہاں پچاس ہزار۔ اگر حرم میں، مسجد حرام میں، دو نیکی دو لاکھ، تین نیکی تین لاکھ، چار نیکی چار لاکھ۔ اور یہاں ایک نیکی پچاس ہزار، دو نیکی ایک لاکھ، تین نیکی ڈیڑھ لاکھ، چار نیکی دو لاکھ۔ بہتر یہ کہ وہ؟

مگر ایک بات سوچ لو! دونوں طرف سے سوچ لینا کہ مکہ میں مسجد حرام ہے اور اُس کی ایک نیکی برابر ایک لاکھ نیکی۔ اور ایک گناہ برابر ایک لاکھ گناہ۔ ذرا غور کر لینا! جب حساب ہی کرنا تو پورا حساب ہی کر لینا۔ ایک نیکی برابر ایک لاکھ نیکی اور ایک گناہ برابر ایک لاکھ گناہ۔ اور مسجد نبوی میں ایک نیکی برابر پچاس ہزار اور ایک گناہ برابر ایک گناہ۔ دو نیکی برابر ایک لاکھ اور دو گناہ برابر دو گناہ۔۔۔۔ ؎

یہ مثل سچ ہے ہو جاتا ہے صحبت کا اثر
آدمی کیا درو دیوار بدل جاتے ہیں

اے مدینہ تیرا جواب نہیں   فرش پہ کعبہ عرش پہ کعبہ
یہ بشر کو، وہ قدسیوں کو ملا   دل ہے کعبہ بقول اہلِ صفا
الغرض ہے جواب کعبہ کا   اے مدینہ تیرا جواب نہیں
ان کو لانا ہے تو ایسا کیجیے   کعبۂ دل کو مدینہ کیجیے
وہ بھی ہے سینہ جس میں نہ ہو مدینہ   زیبائش مکاں ہے زیبائش مکیں سے

﴿صحابی کے گھوڑے کا قدم اور اس کی برکت﴾

میں آپ کو ’حضرت ذوالنون مصری‘ (رحمۃ اللہ علیہ) کا ایک واقعہ سناؤں۔ مصر سے حج کے ارادے سے نکلتے ہیں، ”میدان قادسیہ“ (عراق) سے ان کا گذر ہوتا ہے۔ پہلے تاریخ کے اس ورق کو نظر کے سامنے کر لیں کہ حضرت خالد بن ولید سیف اللہ، وہاں جو ایک مشہور جنگ ہوئی تھی ”جنگ قادسیہ“۔

وہی میدان ہے جس سے حضرت ذوالنون مصری گذر رہے ہیں۔ جب میدان سے گذر ہوا، یک بارگی گھوڑے سے کود پڑے اور لُوٹنے لگے۔ لوگ دوڑے، شائد لو لگ گئی، گرمی لگ گئی، ٹھنڈا پانی لے کر دوڑے۔ مگر کیا معاملہ ہے! ٹھنڈا پانی لے کر آئے شائد آپ کو گرمی لگی ہے۔ نہیں یہ بات نہیں ہے۔ ارے۔۔ کیا تمہیں یاد نہیں ہے کہ یہ میدان، جہاں صحابیِ رسول خالد بن ولید کے گھوڑے دوڑے تھے، میں دیکھ رہا ہوں جہاں اُن گھوڑوں کے ٹاپ پڑے تھے، اُن ذروں میں انوار کی بارش ہو رہی ہے، آج تک وہ ذرّے منور ہیں، آج تک وہ ذرّے نور دے رہے ہیں۔ اسی لیے میں لُوٹ رہا ہوں تاکہ اُنہی انوار میں مَیں بھی نہا لوں، اُنہیں انوار کا غسل کر لوں۔ اُن کا فیض حضرت ذوالنون مصری لے رہے ہیں۔ دیکھو دیکھو! گھوڑے کا ٹاپ پڑا تھا، حضرت خالد تو گھوڑے پہ تھے نا؟ یہ گھوڑے کا ٹاپ پڑا، ذرّے منور ہو گئے۔ صحابی کا قدم نہیں ہے، صحابی کے گھوڑے کا قدم ہے۔ جہاں قدم رکھے، وہ منور ہو جائے۔

حضرت جبرئیل کے گھوڑے کا قدم اور اس کی برکت

ایک بات۔ دوستو! ایک منظر اور بھی دیکھنے والوں نے دیکھا، حضرت جبرئیل جا رہے ہیں، گھوڑے کی پشت پر آگے آگے جا رہے ہیں اور جہاں جہاں گھوڑے کی ٹاپ پڑ رہے ہیں ذرّے میں زندگی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ اس منظر کو سامری نے دیکھ لیا۔ اس نے مٹی کے حصے کو جمع کر لیا۔ اور جمع کر کے اپنے بنائے ہوئے بچھڑے کے منہ میں ڈال دیا۔ تو وہ بھی بولنے لگا، بچھڑے کے اندر زندگی آ گئی۔ ان ذرّوں کو نسبت ہے حضرت جبرئیل کے گھوڑوں کے قدم سے۔

ذرا سا آپ خیال کریں۔ صحبت کا اثر۔ حضرت جبرئیل گھوڑے کو کیا دے رہے ہیں، گھوڑا ذرّوں کو کیا دے رہا ہے، ذرّا بچھڑے کو کیا دے رہا ہے۔ خاک کے ذرّے زندگی دیں اور رسول عربی زندگی نہ دیں! ذرا سا سوچو۔ ذرا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ ؎

یہ مثل سچ ہے ہوجاتا ہے صحبت کا اثر
آدمی کیا درودیوار بدل جاتے ہیں

وہ بابرکت زمین جس نے مصطفٰی کے قدم چومے

اور میں تمہیں آگے لے چلتا ہوں۔ اس سلسلے میں۔ حضرت عبداللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) کی یہ عادت کریمہ تھی، جب وہ مکہ جاتے، جہاں جہاں رسول قیام فرماتے، وہاں وہاں ضرور ٹھہرتے۔ حضرت امام بخاری نے اُن سارے مقامات کی نشاندہی کی ہے جہاں سرکار نے نمازیں پڑھی ہیں۔ تاکہ لوگ جا کر وہاں نماز پڑھیں۔ نماز تو خدا کی ہے۔ مگر اس جگہ کی کوئی اور شان ہے۔ جہاں نبی نے نماز پڑھی ہو، جہاں نبی نے پیر رکھ دیا ہو، جہاں جہاں نبی نے سر رکھ دیا ہو، اس جگہ کی تلاش کی جاتی ہے۔ اس لیے دوستو! ؎

یہ مثل سچ ہے ہوجاتا ہے صحبت کا اثر
آدمی کیا درودیوار بدل جاتے ہیں

صحبت کا اثر

آؤ میں تمہیں آگے لے جاؤں۔ ذرا غور کرو! بیٹا، وہ نبی کا بیٹا، کافروں کے ساتھ رہے تو غرق کیا جائے۔ حضرت نوح کا بیٹا، بلاواسطہ نبی سے نسبت رکھنے والا، کافروں کی صحبت میں رہا، غرق ہو گیا کہ نہیں؟ کوئی مصلحت اس کے کام نہ آ سکی۔ اور یہ تو بیٹے کی بات ہوئی نا؟ وہ نہ نمازی تھا، نہ حاجی تھا، نہ غازی تھا، اصحاب کہف کے ساتھ ہو تو جنتی ہو جائے۔۔۔ ذرا سا آپ خیال کرو۔ صحبت کا اثر۔ میں دیکھ رہا ہوں کتّا جنتیوں کے ساتھ رہے تو جنتی ہو جائے اور بیٹا کافروں کے ساتھ رہے تو کافر رہے!

یہ مثل سچ ہے ہوجاتا ہے صحبت کا اثر
آدمی کیا درودیوار بدل جاتے ہیں

اور اس کتے کی بات کیا عرض کروں۔ اس کا ذکر قرآن میں ہے اور مقامِ مدح میں۔ ویسے ذکر تو ابولہب کا بھی ہے، ویسے ذکر نہ جانے کس کس کا ہے۔ مقام مدح میں، مقام تعریف میں کتے کا ذکر اور مقام لعنت میں نبی کے بیٹے کا ذکر۔ آپ خیال کرو صحبت کا کیا اثر ہوتا ہے۔

ایسا وظیفہ جس کے پڑھنے سے کتّا نہیں کاٹتا

وَكَلۡبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيۡهِ بِالۡوَصِيدِ (سورۂ کہف، آیت نمبر 18) کوئی کیسا ہی پاگل کتا کیوں نہ ہو، تم اس کو دیکھ کر اس آیت کو پڑھو گے وہ تمہیں نہیں کاٹے گا۔ آپ خیال کرو ایک کتا جو اصحابِ کہف کا کتا ہے، دنیا کے سارے کتے اس کتے کا لحاظ کر رہے ہیں۔ اس کا ذکر ہو جائے تو پاگل کتا بھی نہ کاٹے۔ کتنا پاگل کتا بھی کیوں نہ ہو، نہ کاٹے۔ یہ انسان کیسا ہے! ہوشیار ہو کر بھی پاگل نظر آ رہا ہے، تعجب کی بات ہے! کتا کتے کا لحاظ کرے اور اُمتی نبی کا خیال نہ کرے!

مقصد کی کامیابی کے لیے مجرب عمل

ایک دوسرا عمل اور سنا دوں۔ وہ بھی مجرب عمل ہے۔ اگر کسی کا کوئی مسئلہ اتنا پیچیدہ ہو کہ حل نہ ہو سکتا ہو۔ تو کوئی مقصد۔ تو وہ اپنے مقصد بر آئی کی نیت سے، مقصد کو پورا ہونے کی نیت سے، اصحاب کہف کا توشہ بنائیں۔ یہ نیت آپ نے کر لیا اور کرنے کے بعد

ان شاء اللہ مقصد ضرور پورا ہوگا۔ تو پھر کرنا کیا ہوگا؟ توشہ پکائے، کھانا پکائے، سات آدمیوں کی دعوت کرے، متقی نیک آدمی کی دعوت کرے۔ مگر شرط ایسی ہے کہ ایسے کی دعوت نہ کرے جو حقہ پیتا ہو۔

وہ حقہ کی شرط ہے، وہ حقہ نہ پیتا ہو۔ مفتی صاحب کی دعوت نہ کیجیے گا۔ اور صرف ایسے ہی سات آدمیوں کی دعوت کیجیے۔ اپنے شہر کے کسی بھی کالے کتے سے آپ یہ کہیں: ''قطمیر فلاں وقت فلاں جگہ میرے گھر پر تیری دعوت ہے'' یہ کہہ کے آپ چلے آؤ۔ شہر میں کہیں بھی رہے گا۔ اس وقت آجائے گا۔ آجائے تو اسے بھی بھرپور خوراک دی جائے۔ اب آپ یہ بتاؤ! آدمی راستے کا پتہ معلوم نہیں کر پاتا۔ ریلوے اسٹیشن سے آئے گا تو دس آدمیوں سے پوچھے گا، بازار قریب کدھر ہے؟ فلاں کا مکان کدھر ہے؟ فلاں اسٹریٹ (street) کدھر ہے؟ فلاں روڈ کدھر ہے؟ مگر کتے کو کچھ نہیں بتانا۔ نہ مکان کا نمبر بتانا ہے نہ راستہ کا نمبر بتانا ہے۔ بس اپنے گھر کا نام بتادو۔ وہ خود ہی آجائے گا۔ ذرا سا آپ خیال کرو۔ کیا معاملہ ہے! اس نام کے اندر کیا تاثیر ہے! اور رب تبارک وتعالیٰ نے اس کو کیا فراست دے رکھی ہے! یہ سوچنے کی بات ہے۔۔۔

یہ مثل سچ ہے ہوجاتا ہے صحبت کا اثر   آدمی کیا درودیوار بدل جاتے ہیں

﴿وہ جانور جو نیک صحبت کی وجہ سے جنت میں جائیں گے﴾

بھئی! گدھے کو تو سب بے وقوف کہتے ہیں۔ ہے کہ نہیں؟ کسی کو بے وقوف کہنا ہے، تو بالکل گدھا ہے، گدھا کہتے ہیں۔ مگر ایک گدھا وہ بھی تو تھا جو حضرت عیسیٰ کی صحبت میں تھا۔ سمجھ لو چار جانور ہیں جو آدمی کی شکل میں جنت میں جائیں گے۔ ایک اصحاب کہف کا کتا، ایک حضرت صالح کی اونٹنی، ایک حضرت عیسیٰ کا گدھا، ایک ہمارے سرکار کا ناقہ شریف (اونٹنی)۔ یہ چار جانور ہیں جو آدمی کی شکل میں جنت میں جائیں گے۔ ذرا سا آپ خیال کرو۔ یہ ساری فضیلت ان کو کیسے ملی؟ صحبت سے۔

﴿حضرت شاہ عالم احمدآبادی کے مٹھو کا واقعہ﴾

میں آپ کو بتاؤں۔ احمد آباد جو نہیں گئے ہیں، جائیں۔ تو انہیں معلوم ہوگا کہ حضرت شاہ عالم کا آستانہ ہے۔ اُن کے پاس ایک تھا مٹھو، مٹھو۔

وہ بھی حافظِ قرآن۔ حضرت شاہ عالم پڑھتے تھے وہ سنتا تھا۔ وہ پڑھتا تو حضرت شاہ عالم سنتے۔ مجال نہیں کہ کوئی غلط پڑھ کے نکل جائے۔ ؎

یہ مثل سچ ہے ہوجاتا ہے صحبت کا اثر   آدمی کیا درودیوار بدل جاتے ہیں

﴿حضرت مخدوم اشرف جھانگیر سمنانی کی بلّی کا واقعہ﴾

ذرا آپ خیال کرو۔ ہمارے مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کی بلی کا نام سنا ہوگا۔ اس کی ڈیوٹی (Duty) بھی عجیب تھی، ڈیوٹی کیا تھی؟ کہ جاکر کے باورچی خانے میں باورچی کو اطلاع دے کہ کتنے مہمان آئے۔ وہ اتنی آواز لگاتی تھی جتنے مہمان آئے ہیں۔ ایک مرتبہ اس نے ایک آواز لگائی۔ اور آنے والے دو تھے۔ آنے والے دو تھے۔ بعد میں حساب ہوا کہ آنے والے دو ہیں، بلی نے تو ایک آواز لگائی۔ مگر اب تو کھانا پک ہی چکا تھا۔ جو تھا بٹھا دیا کہ دونوں کا کام چل جائے گا۔ مگر جب دوسرے کو بلایا۔ تو کہا میں تو روزے سے ہوں، میں تو روزے سے ہوں۔ مجھے بتاؤ! بلی کو یہ روشن ضمیری کس نے دی؟ مخدوم کی صحبت نے۔ جب مخدوم کی صحبت اپنی صحبت یافتہ بلی کو ایسا روشن ضمیر بنائے تو سوچو میرے آقا کے علم وفضل کا کیا عالم ہوگا! ان کی روشن ضمیری کا عالم کیا ہوگا! ان کی فراست کا عالم کیا ہوگا!

یہ مثل سچ ہے ہوجاتا ہے صحبت کا اثر   آدمی کیا درودیوار بدل جاتے ہیں

﴿صحبت کا اثر﴾

متقی کی صحبت میں انسان متقی ہوجاتا ہے، بروں کی صحبت میں انسان برا ہوجاتا ہے۔ دیکھو یہی تل (sesame) کا دانہ چمبیلی میں بسا دو۔ اور پھر تم اس کو پیستے جاؤ تو تل کا تیل نہیں نکلتا چمبیلی کا تیل نکلتا ہے۔ یہ کہاں سے آیا؟ صحبت کا اثر ہوگیا کہ نہیں! یہی کالا

کوئلہ انگاروں کے حوالے کردو۔ کالا لوہا انگارے کے حوالے کردو۔ نکلتا ہے تو سرخ ہو کے نکلتا ہے۔ پوری حرارت لے کے نکلتا ہے۔ پوچھو! تُو کالا تھا، یہ سرخی کہاں سے آ گئی؟ تُو تو ٹھنڈا تھا یہ حرارت کہاں سے آ گئی؟ جواب ملے گا، کسی حُسن والے کی صحبت مل گئی، کسی سرخ والے کی صحبت مل گئی، کسی حرارت والے کی صحبت مل گئی، جو مجھ میں تھا نکل گیا جو اُس میں تھا مل گیا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

﴿معراجِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم﴾

ذرا سا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ سوچتے چلے جاؤ۔ صحبت کا یہ۔۔ یہیں پر میں کبھی ٹھہر کر پوچھتا ہوں۔ معراج کا واقعہ آپ نے بہت پڑھا ہوگا اور سنا ہوگا۔ کہ سرکار معراج کی رات یہاں گئے۔ اس کو آپ معراج سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ سرکار کی معراج کی رات ہے۔ ویسے معراج کی تعبیر کرنے میں مجھے کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر یہ کہہ لینے میں ضرور مضائقہ ہے کہ میں یہ کہہ دوں نبی بیت المقدس گئے تو نبی کی معراج، نبی آسمان پر گئے تو نبی کی معراج، نبی عرش پر گئے تو نبی کی معراج، نبی جنت میں گئے تو نبی کی معراج، نبی سدرہ پر گئے تو نبی کی معراج، مقام دنا فتدلّٰی پر گئے تو نبی کی معراج۔۔۔ یہ کہتے ہوئے مجھے تحمل اس لیے ہو رہا ہے کہ عرش ہی سے آئے تھے وہاں گئے تو کونسی معراج ہوئی؟ وہیں سے آئے تھے، وہاں گئے تو کون سی معراج ہوئی؟ ہاں اس معنی میں معراج کی رات تم کہہ سکتے ہو کہ نبی معراج کرنے نہیں نکلے ہیں، معراج کرانے نکلے ہیں۔ جہاں جہاں جائیں گے آج بیت المقدس کی معراج ہے، آج پہلے آسمان کی بھی معراج ہے، آج چاند و سورج کی معراج ہے، آج جنت کی معراج ہے، آج سدرۃ المنتہٰی کی معراج ہے، آج عرش معلّٰی کی معراج ہے۔ تو پھر نبی کی معراج کیا؟ یہ جو سفر مکانی ہے اس کو معراج رسول نہ کہو۔ یہ تو کائنات کی معراج ہو رہی ہے۔ اور وہاں سے جب پلٹ کے آئے تو نماز کا تحفہ لائے۔ تا کہ امت کی بھی معراج ہو جائے۔ دیکھو! نبی معراج کرانے نکلے ہیں، کرنے نہیں۔

اب اگر نبی کی کوئی معراج ہو سکتی ہے تو یہی ہو سکتی ہے کہ نبی ایک روحانی سفر کر رہے ہیں تو صفاتِ ربانی سے گذر رہے ہیں۔ صفاتِ ربانی سے۔ حضرت امام عبدالوہاب شعرانی نے کیا پیاری بات کہی ہے: میرا رسول صفات ربانی کی سیر کر رہا ہے کبھی صفت **الکریم** سے گذر رہا ہے، کبھی صفت **القادر** سے گذر رہا ہے، کبھی صفت **المختار** سے گذر رہا ہے، کبھی صفت **المقتدر** سے گذر رہا ہے، کبھی صفت **الغفور** سے گذر رہا ہے۔۔۔ اور جس جس صفت سے گذر رہا ہے اس اس صفت کا اثر لے رہا ہے۔۔ لیتا جا رہا ہے۔۔۔ صفت **القادر** سے گذرا تو **قادر** ہو گیا، صفت **الکریم** سے گذرا تو **کریم** ہو گیا، صفت **المختار** سے گذرا تو **مختار** ہو گیا۔

یہ مثل سچ ہے ہو جاتا ہے صحبت کا اثر　　آدمی کیا در و دیوار بدل جاتے ہیں

﴿صحبت کے مختلف اثرات﴾

آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ صحبت کا اثر کتنا ہوتا ہے۔ میں آپ کو بتاؤں، صحبت کا اثر دیکھنا ہے تو یہ تار پھیلے ہوئے ہیں، یہاں پر کوئی کھلا ہوا تار پہ ہاتھ لگا کر دیکھ لے تو پتہ چلے گا۔۔۔

یہ مثل سچ ہے ہو جاتا ہے صحبت کا اثر　　آدمی کیا در و دیوار بدل جاتے ہیں

اس لیے کہ جب تم اس برقی تار کو پکڑو گے تو تمہارے اندر کی چیز غائب اور اس کے اندر کی چیز اندر۔۔۔ جو اس میں ہے وہ تمہارے اندر اور جو تمہارے اندر ہے وہ باہر۔ اب یہاں ایک اور خاص بات میں آپ کو بتا دوں۔ جو اثر۔۔۔ جاننے والے میں جتنی قوت ہو صحبت کے اثرات بھی ویسے ہیں۔ سب کی صحبت کا اثر ایک جیسا نہیں ہوتا۔ نبی کی صحبت کا اثر کچھ اور ہے صحابہ کی صحبت کا اثر کچھ اور۔ تابعین کی صحبت کا اثر اور۔ جیسا قوی

اثر ڈالنے والا ہوگا ویسے ہی اس کی صحبت کا اثر۔۔۔ اچھائیوں کے معاملے میں۔ ایسے ہی برائیوں کے معاملے میں۔ جتنا بڑا خبیث، اتنی بڑی خباثت۔ ہر ایک کا اثر الگ الگ ہے۔ اس کے اندر جتنی حرارت، جتنی گرمی اتنا ہی اثر دے گا۔ اسی لیے قرآن کریم میں اس کے لیے بڑی خاص تاکید کی ہے۔ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ (سورۂ انعام، آیت نمبر 68) جان بوجھ کر ظالم قوموں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ مت بیٹھنے کا مطلب سمجھا دوں۔ یعنی ان سے الفت و محبت کا تعلق نہ قائم کرو۔ ایسے رشتے ختم کردو جو اُلفت و محبت سے بنتے ہیں۔ یہ مطلب ہر گز نہیں ہے، آپ ٹرین پر جارہے ہیں کہ دیکھا وہ بھی ہے تو کود جاؤ۔ یہ نہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ آجائے تمہاری دکان پہ خریدنے کے لیے تو ترازو لے کے گھر میں گھس جاؤ۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ بس پہ چڑھے تھے، پیشانی دیکھی، پیشانی دیکھی اور بس سے اترنے لگے۔ ایسا بھی نہیں کہ محبت و الفت والا تعلق۔ نہیں۔ سوچو! جو تمہارے رسول کو نہیں چاہتا تمہارے لیے کیا جواز ہے کہ تم اسے چاہو۔ محبت و الفت کا تعلق۔۔۔ دلی تعلق۔۔۔

صحبت کے اقسام

صحبت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ بات آگئی تو عرض کردوں۔ صحبت کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ ایمانی صحبت اور عرفانی صحبت، جسمانی صحبت، روحانی صحبت، قلبی صحبت۔ بعض احکام وہ ہیں جو جسمانی صحبت سے مرتب ہوتے ہیں۔ جیسے صحابیت وغیرہ۔ جسم کی قربت چاہیے۔ مگر فیض ہر طرح کی صحبت سے ہوتا ہے۔ یاد رکھو! تم جبل پور میں اگر مدینے کے خیال میں ہو تو مدینے میں ہو۔ تم مدینے میں بھی رہ کر میرے رسول کے خیال سے دور ہو تو مدینہ میں نہیں ہیں۔ وہاں رہ کر بھی نسٹ (خراب) میں ہیں۔ یاد رکھو! مدینہ کی یاد میں اگر تم یہاں مرو تمہیں یہاں نہیں چھوڑا جائے گا۔ مدینے کی یاد میں تم اپنے دل میں سچی تڑپ پیدا کرو! خدا موت ہمیں مدینے میں دے، مدینے کی سرزمین پر مرنے کی سچی تمنا کرلو! میں

تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر موت کسی زمین پہ لکھی ہے تو ادھر تمہارے لوگ قبر میں اتاریں گے اُدھر فرشتے مدینے پہنچا دیں گے۔ یہ مدینے کی تڑپ ہے مدینے پہنچا دیں گے۔ اور پوچھو گے ہماری قبر میں کون آئے گا؟ اُدھر والا بھی کوئی ہوگا نا؟ اُسے اِدھر پھینک دیا جائے گا۔ (تفسیر نعیمی، جلد اول، صفحہ نمبر 693)

ذرا آپ خیال کرو۔ روحانی بھی ایک صحبت ہوتی ہے۔ دیکھو! کسی ماں کے دل سے پوچھو! ماں کے دل سے پوچھو! جب بچہ کہیں دور ہوتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے، ماں کو تکلیف کا احساس ہوتا ہے۔ وہ اندرونی اضطراب محسوس کرتی ہے۔ یہ کیا ہے؟ یہ قلبی تعلق ہے۔ یہ قلبی صحبت ہے۔ تو دور سے بھی یاد رکھو! ؎

دل پہ دلدار کی ہر وقت نظر رہتی ہے　　　ان کی سرکار میں کچھ بھی نہیں نیت کے سوا

عمل میں نیت کا اعتبار

نیت صحیح ہو تو کعبہ کے حجر اسود کو بوسہ دو، ہونٹوں سے، ثواب ملے گا، ہاتھ لگا کے دو، وہی ثواب، چھڑی لگا کے، چھڑی چوم لو، وہی ثواب۔ دور سے سلام کرلو۔ تو جو اِدھر ہے تو قرب، دور نہیں دیکھا جاتا۔ قریب اور بعید نہیں دیکھا جائے گا۔ دل کا اخلاص دیکھا جائے گا، دل کی تمنا دیکھی جائے گی۔ ؎

دل پہ دلدار کی ہر وقت نظر رہتی ہے　　　ان کی سرکار میں کچھ بھی نہیں نیت کے سوا

نبی کا چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا تفصیلی واقعہ

اس سلسلے کا میں ایک واقعہ آپ کے سامنے پیش کروں۔ تو یہ بات بہت واضح ہو جائے۔ تو روحانی اثرات کا کیا عالم؟ چاہے جسم دور ہی ہے مگر فیض دور دور تک پہنچ رہا ہے۔ وہ واقعہ قصیدہ بردہ شریف کی شرح میں حضرت امام خریوتی ایک واقعہ لکھتے ہیں۔ وہ کیا لکھتے ہیں کہ ابوجہل کا ایک دوست، یمن میں زبردست خطیب، بہت ہی ذکاوت و فراست والا، اُس کا نام تھا حبیب۔ تو ابوجہل نے حبیب کے پاس ایک خط لکھا۔ کہ مکہ میں ایک نیا دین

نکلا ہے، ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کر دیا ہے، اس کے ماننے والے بڑھ رہے ہیں آؤ اپنے زورِ خطابت کا جوہر دکھاؤ۔ اسلام کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکو۔ خوب اس نے اس کو اُبھارا۔ مختصر یہ کہ وہ آیا۔ آنے کے بعد بڑی خاطر و مدارت ہوئی۔ ابوجہل کی ساری باتیں اس نے سنیں۔ تمہاری تو میں سن چکا۔ اب جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اس کی بھی تو سن لوں۔ اس کا دل دھڑکا، دل میں گھبراہٹ ہوئی۔ یہ بھی گیا تو کہیں مشکل نہ ہو جائے۔ بہت پریشان۔ کہیں معاملہ الٹ نہ جائے۔ مگر کہیں کیسے؟ کہ نہ ملو۔

آخر میں طے ہوا کہ نبی کو بلایا جائے۔ حبیب یمنی کے کہنے پر نبی کو بلایا گیا۔ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) صدیق اکبر کے ساتھ آئے۔ سرکار کا وہ رعب و دبدبہ، کسی میں لب کشائی کی ہمت نہیں ہوئی۔ یہاں تک کہ سرکار نے خود بات شروع کی۔ آخر کس لیے بلایا؟ تو حبیب نے بات شروع کی: میں نے سنا ہے آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ سرکار نے فرمایا: میں نبی ہوں، صحیح ہے، میں نبی ہوں۔ حبیب نے کہا: میں دو سوال کروں گا اس کا آپ جواب دیجئے۔ کیا سوال؟ کہا: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس وقت چودھویں کا چاند نکلا ہوا ہے، آپ اشارہ کر کے اس کے ٹکڑے کر دیں۔ حبیب سمجھدار تھا، دُنیا کا کوئی مطالبہ نہیں کیا۔ اس لیے کہ وہ سمجھتا تھا، دنیا کی چیزوں پر جادو بھی چل سکتا ہے۔ مگر چاند ستاروں پر جادو نہیں چل سکتا۔ وہاں کسی کے جادو کا اثر نہیں ہوسکتا۔ ایسا سوال کرو نبی کے سوا کوئی نہ کر سکے۔ مگر سوچو! کافر ہے، حالت کفر ہے، حالت کفر میں ہے۔ مگر یہ سوچ رہا ہے، جو نبی ہوگا وہ دھرتی پہ رہ کے بھی آسمان پر اختیار چلائے گا۔ حالت کفر میں۔۔

ذرا سا بتاؤ! کلمہ پڑھ کے بھی اس کو عقل نہیں آئی۔۔۔ جس کو وہ حالت کفر میں سمجھ رہا ہے۔۔۔ اور نبی نے اس کے مطالبے کو ناجائز بھی قرار نہیں دیا ہے۔ اگر نبی یہ کہہ دیتے کہ یہ مطالبہ غلط ہے۔ ہم سمجھ لیتے کہ نبی کا اختیار آسمان پر نہیں چلتا۔ کہا۔ چلو۔ شور ہو گیا۔ پہنچ گئے جبل ابوقبیس کے اوپر، جلوہ افروز ہوئے۔ کفار موجود۔ ہجوم لگی ہوئی ہے۔ اور نبی

نے صرف اشارہ کیا، طاقت نہیں لگائی، زور آزمائی نہیں کی گئی۔ وہ کچھ اور لوگ ہیں پوری طاقت لگا دیں تو دھمشق ٹوٹے۔ یہاں تو اشارے سے چاند چلتا ہے۔ اشارہ کیا تو چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ چاند اِدھر اُدھر ہو گیا۔ اشارہ کیا، مل گئے۔ یاد رکھو! شیشہ توڑ کر کے ملانا ناممکن ہے کہ اس کے اندر بال نہ رہے، ناممکن ہے، کہ اس کے اندر شگاف کا نشان نہ رہے۔ مگر نبی نے توڑا بھی اور ملا بھی دیا۔ اور کوئی نشان بھی نظر نہیں آ رہا ہے، کوئی نشان بھی باقی نہیں رکھا۔ اصلی حالت پہ پہنچا دیا۔ اشارے سے سننا تھا، حبیب چیخ پڑا۔ اے ابوجہل! سن لے۔ اے عتبہ وشیبہ! سن لے۔ اے ابن مغیرہ! سن لے۔ اے قریشیو! سن لو

اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمد رسول اللہ۔

لائے تھے کہ یہ سمجھائیں گے، بلایا تھا کہ یہ سمجھائیں گے۔ مگر صحبت ایسی ملی کہ سمجھ گیا۔ اس کے بعد پھر کیا ہوا؟ کہا: اے حبیب! ایک دوسری بات بھی تم نے سوچی تھی۔ اب حبیب ایمان سے مشرف ہو گیا، اب ایمان کا نور مل گیا۔ کہتے ہیں اے اللہ کے رسول! وہ بات آپ ہی بتا دیں کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ ایمان لاتے ہی غیب پر ایمان لائے۔ کلمہ پڑھتے ہی غیب داں سمجھ لیا۔

ذرا سا آپ خیال کرو۔ گویا ایمان لانے کا پہلا یہی مطالبہ ہے کہ نبی کو غیب داں مان لو۔ ایمان لاتے ہی پہلی تحریک پیدا ہوتی ہے، نبی کو غیب داں مان لو۔ جس نے مانا ہی نہیں اُس کو کیوں کہیں کہ وہ ایمان والا ہے۔۔۔ حبیب آؤ! حضور آپ ہی بتائیے۔ کہا: حبیب! میں جانتا ہوں، تیری ایک بیٹی ہے، اپاہج ہے، لولھی لنگڑی ہے، چل نہیں سکتی، ایک جگہ رہتی ہے، تیرے لیے وہ دردسر ہے۔ ایک مستقل مسئلہ ہے۔ تو چاہتا ہے کہ اس بچی کو صحت ہو جائے۔ سوچتے ہیں، حبیب سوچتا ہے، حبیب یمنی دیکھ رہے ہیں۔ حبیب خدا۔ ذرا سا دیکھو دل میں حبیب یمنی کے کیا ہے؟ یہ حبیبِ خدا دیکھ رہے ہیں۔ تو چاہتا ہے کہ میں اسے شفا کر دوں۔ حبیب، سرکار کی بارگاہ سے مستفیض ہو کر کے جب یمن پہنچے تو وہ

لڑکی جو اپنی چار پائی سے اُٹھ نہیں سکتی تھی، آ کے دروازہ کھولتی ہے۔ دروازہ کھلا تو لڑکی سامنے صحت مند۔ کہا: کہ بیٹی یہ کیا معاملہ ہے کیسے تو اچھی ہوگئی؟ کہا: فلاں تاریخ میں، فلاں رات کا وقت تھا، عجیب عالم تھا، ایک نورانی چہرے والے آئے، ایک نورانی چہرے والے آئے۔ اور آ کے انہوں نے دعا فرمادی، دست شفقت پھیر دیا، میں تندرست ہوگئی۔ اور انہوں نے کہا: بیٹی میں مکہ میں تیرے باپ کو کلمہ پڑھا رہا ہوں تو یہاں پڑھ لے۔ تو وہ لڑکی کہہ پڑی کہ

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لاشریک لہ واشھد ان محمد رسول اللّٰہ۔

دوستو! پتہ چلا جس وقت میرا حبیب، اللہ کا حبیب، ساری کائنات کا حبیب، جس وقت مکے میں تھا اسی وقت یمن میں بھی تھا، مکے میں باپ کو مسلمان کر رہا تھا، یمن میں بیٹی کو اسلام دے رہا تھا۔ میرا رسول اس کے فیض کو محدود نہیں کیا جا سکتا۔ ایک وقت میں وہ جہاں چاہے، جتنی جگہ چاہے جا سکتا ہے۔ جہاں چاہے، جتنی جگہ چاہے۔۔۔ یہ وہ کونسا فیض ہے؟ یہ روحانی فیض ہے، یہ ایمانی وعرفانی فیض۔ ؎

یہ مثل سچ ہے ہوجاتا ہے صحبت کا اثر
آدمی کیا در و دیوار بدل جاتے ہیں

﴿بزرگوں کی صحبت سے فیضیاب ہونے کے طریقے﴾

اب ایک بات میں تمہیں چلتے چلتے بتاؤں۔ اگر آپ بیٹھے بیٹھے یہ چاہیں حضرت امام غزالی کی صحبت کا مزا ملے، اُن کی صحبت کا فیض ملے تو کیسے ملے؟ غوث جیلانی کی صحبت میں، خواجہ اجمیری کی صحبت میں، مخدوم سمنانی کی صحبت میں رہنا چاہیں تو کیسے؟ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آپ اُن کے آستانوں کے قریب ہوجائیں، ایک روحانی صحبت ہوگئی۔ مگر سنو! ان بزرگوں کی صحبت میں رہنا چاہیں تو کیسے؟ اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے ان کی ملفوظات اور اُن کی لکھی ہوئی کتابوں کو پڑھو۔ امام غزالی کی کتابیں پڑھیں گے تو امام غزالی کی صحبت کے اثرات ملیں گے۔ امام رازی کی کتابیں پڑھو تو امام رازی کی صحبت میں ہو۔ شیخ محدث دہلوی کی کتابیں پڑھو گے تو ان کی صحبت میں ہو۔ جس کی کتاب تم پڑھو گے اُن کی صحبت میں ہو۔ تو کسی کی صحبت میں رہنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے کہ اس کی کتاب پڑھو۔ یا ایک طریقہ یہ بھی ہے اگر اس کی کتاب نہیں پڑھ سکتے تو اس کے چاہنے والوں کے پاس بیٹھو۔

﴿بدمذھبوں کی صحبت سے بچو!﴾

تو سنو! جس طرح اچھوں کی کتاب پڑھنا اچھوں کی صحبت ہے ایسے ہی بروں کی کتاب پڑھنا بروں کی صحبت ہے۔ ہمارے علما یہ بھی کہتے ہیں کہ بدمذہبوں کے جلسوں میں جانا حرام، اُن کی تقریر سننا حرام، اُن کی کتابیں پڑھنا حرام۔ یہ نہ سمجھ لو کہ یہ اپنے دل سے گڑھ کے کچھ کہہ رہے ہیں۔ کسی بھی طرح تم بدمذہبوں کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اُن کی کتابوں کا پڑھنا، اُن کی مجالسوں میں جانا حرام ہے۔ (انوار الحدیث، صفحہ نمبر 103)

مگر کچھ لوگ کہتے ہیں ارے جانے سے کیا ہوتا ہے؟ کچھ نہیں۔ ہم تو جائیں گے۔ ارے بھئی! جاؤ گے، کس لیے جاؤ گے؟ کہا جو اچھی بات ہے اسے لے لیں گے جو بری بات ہے اُسے چھوڑ دیں گے۔ ہم جائیں گے جو اچھی بات ہے، اسے لے لیں گے، جو بری بات ہے، اُسے چھوڑ دیں گے۔ تو میں پوچھتا ہوں، تو اتنا قابل ہے کہ اچھا برا خود ہی سمجھ رہا ہے تو تجھے جانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔۔۔ ؎

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو
تم ایسے رحمت للعالمیں ہو

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العلمین۔

☪ ☪ ☪ ☪

خطبہ ہشتم

عنوان: تخلیقِ انسان کا مقصد

بمقام: نامعلوم

اَلْفَاتِحَۃُ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِی شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمْ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیْمْ۔
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہُ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَبَارِکْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِھَا
وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ دَائِمًا اَبَدًا۔

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔

وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِیْمْ
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ
(سورۃ الذاریات، آیت نمبر 56)
صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمْ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمْ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمْ۔
وَنَفَعْنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمْ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز   نہیں معلوم ہوتی ہے سحر کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود   ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا
یہ نکتہ میں نے سیکھا بو الحسن سے   کہ جان مرتی نہیں مرگ بدن سے
چمک سورج سے کیا باقی رہے گی   اگر بیزار ہو اپنی کرن سے
کوئی اندازہ کرسکتا ہے اسکے زور بازو کا   مردِ مومن کی بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو پیام دے گئی ہے مجھے باب صبح گاہی   کہ خدا کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی
نمود شان ربانی ظہور نور یزدانی   خدا کا دوسرا کوئی نہ کوئی آپ کا ثانی

(ڈاکٹر اقبال)

غوث کو یا غوث کہتے کہتے ہو جاتے ہیں غوث   خواجگی مل جاتی ہے خواجہ کا تو دم بھر کے دیکھ
ہمارے دین کی حقانیت کے دونوں شاہد ہیں   معین الدین اجمیری محی الدین جیلانی

(محدث اعظم ہند سید کچھوچھوی)

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے   ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

(ڈاکٹر اقبالؔ)

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے   جو کچھ کہا تو ترا حسن ہو گیا محدود

(اصغر گونڈوی)

بارگاہ رسالت اور آل رسالت میں درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

ایک بار اور ہدیۂ صلوۃ پیش فرمائیں۔

صلی اللّٰه علی النبی الامی و آله صلی اللّٰه علیه و سلم
صلوۃ و سلاما علیک یا رسول اللّٰه

ایک بار اور نذرانۂ درود پیش فرمائیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه

﴿انسانی زندگی کا سفر﴾

آپ تھوڑی دیر کے لیے، عالم خیال میں، میرے ساتھ وہاں سے سفر شروع کریں جہاں سے انسان کی ظاہری زندگی کا سفر شروع ہوتا ہے۔ ایک بہت ہی چھوٹی دنیا سے نکل کر ایک بچہ جب اس بڑی دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو اس کی نگاہیں کچھ سوال کر رہی ہیں۔ اس لیے کہ اس بچہ کے سامنے ہر تصویر اجنبی ہے، ہر نقش نیا ہے، نیا ماحول ہے، اجنبی صورتیں ہیں اور وہ سب کو سمجھنا چاہتا ہے۔ ہم نے سوچا ذرا بچے کا شعور کچھ بیدار ہو، اس کی سمجھ کے مطابق اس کے ہر سوال کا جواب دیں گے۔ وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟ وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ ہم کیوں ہیں؟ وہ سمجھنا چاہتا ہے کہ ہمارے سامنے یہ تصویریں کس کی ہیں؟ یہ کیا ہے؟ یہ کیا ہے؟ یہ کیوں ہے؟ یہ کیسے ہے؟ مختلف سوالات کے الفاظ ہیں، ہمارے جانے پہچانے ہیں۔ وہ بچہ سمجھنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد ذرا سا ہوشیار ہوا تو ہم نے اسے سمجھانا شروع کیا۔

دیکھ یہ تیری ماں ہے، یہ باپ ہے، یہ بھائی ہے، یہ بہن ہے۔ اور بچے کا بھی مزاج دیکھو کہ ہم نے جیسے ماں کہا، اس نے بھی اسے ماں کہنا شروع کر دیا۔ ہم نے جیسے باپ کہا اس نے اسے باپ کہنا شروع کر دیا۔ ہم نے جسے بھائی بہن بتایا وہ وہی رٹ لگایا۔ گویا بچے کا مزاج آپ سمجھو۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ آپ کہیں گے یہ ماں ہے اور وہ کہے یہ کیسے؟ تو جسے میری ماں قرار دے رہا ہے میں اسے ماں ماننے کو تیار نہیں ہوں۔ ایسا کچھ نہیں۔ وہ سمجھتا جا رہا ہے اور اس کی سمجھ، اس کے خیالات کو آپ اسی حد تک چاہتے ہیں کہ اس کے ذہن میں اتاریں جتنا وہ اچھی طرح سے سمجھ سکے۔ پھر بچہ اور آگے بڑھا پھر ہم نے اور بھی چیزیں اسے سمجھانا شروع کیا۔ یہ چاند ہے، یہ سورج ہے، یہ زمین ہے، یہ آسمان ہے۔ ایک بات اور ہم بتائیں؟ بچہ ہر چیز کو اپنے کھانے ہی کی چیز سمجھتا ہے، ہر چیز اپنی تفریح کا سامان سمجھتا ہے۔ اس کا بھی ہمیں بڑا خیال ہے۔ اگر بچہ کبھی انگارے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو بچہ یہ نہیں جانتا کہ انگارے کا کیا کام ہے؟ بچہ ہے، دماغ ابھی اس کا اتنا بیدار نہیں ہوا ہے۔ وہ سمجھتا ہوگا یہ انگارہ نہیں ہے کوئی قیمتی کھانے کی چیز ہوگی یا کھلونا جیسی کوئی چیز ہوگی۔ بچہ انگارے کو کھلونا سمجھتا ہے، انگارے کو اپنی تفریح کا سامان سمجھتا ہے، انگارے کو مسرت و انبساط کی چیز سمجھتا ہے۔ مگر ایسے وقت میں باپ اور ماں کی ذمہ داری کیا ہے؟ کہ جب وہ انگارے کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے تو باپ اس کے ہاتھ کو جھٹک دیتا ہے،

انگارے کے قریب ہونے نہیں دیتا۔ ایسے ہی بچہ جب سانپ کو کھلونا سمجھ کر پکڑنا چاہتا ہے تو بھائی اس کے ہاتھ کو کھینچ لیتا ہے۔ حالانکہ ہاتھ کے کھینچنے سے بچہ روتا بھی ہے، چلاتا بھی ہے، اس چیز کو لینے کا اصرار کرتا ہے۔ مگر کوئی باپ ایسا نہ ملے گا جو بچے کے رونے کا خیال کر کے اس کے ہاتھ انگارہ لا کے رکھ دے، کوئی بھائی ایسا نہ ہوگا جو بچے کے پیر پٹخنے کو دیکھے اور اس کو سانپ کے حوالے کر دے! کوئی ایسا چچا نہ ہوگا جو بچہ کو بھیڑیے کے منہ کے قریب لے جا کر کے اس کے حوالے کر دے! بچہ کچھ بھی سمجھے مگر بچہ یہ نہیں جانتا کہ انگارے کا کام کیا ہے؟ تو جاننے والے کا بھی کچھ فریضہ ہے۔ وہ تو جانتے ہیں کہ انگارے کا کام کیا ہے۔ یہ نادان بچہ نہیں سمجھتا۔ اب اسے نہیں جانے دیں گے، ہم اس کے ہاتھ کو کھینچ لیں گے، وہ چلّائے گا ہم اس کے چلّانے کی پرواہ نہیں کریں گے، وہ روئے گا آپ اس کے رونے کی پرواہ نہیں کریں گے۔ انتہا یہ ہے کہ بچہ اگر غصے میں آ کر کے اپنے باپ کے دامن کو بھی چیر دے باپ اسے بھی برداشت کر لے گا، وہ چار ہاتھ بھی لگا دے اس کو بھی برداشت کر لے گا۔ مگر یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ انگارے کو باپ بیٹے کے حوالے کر دے، یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ سانپ کے حوالے کر دے۔ تو دوستو! بچے وہ نہیں سمجھ رہے ہیں، ہلاکت کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ یہ تو ایک باپ کا فریضہ ہے۔ بتاؤ اس باپ کو ہم ظالم کہیں گے؟ یا اس باپ کو ہم دشمن کہیں گے؟ کیا اس باپ کو ہم بدخواہ کہیں گے؟ کیا کہیں گے؟ حالانکہ اس نے سختی کی ہے، ہاتھ کو جھٹکا ہے۔ اس نے سختی کی ہے، بچہ کی رونے کی پرواہ نہیں کی ہے، اس کے ہاتھ پیر پٹخنے کی پرواہ نہیں کی ہے۔ اس کے باوجود ہم باپ کو کیا کہیں گے؟ آپ کہیں گے باپ بڑا دانا ہے، باپ رحم دل ہے، باپ بڑا رحیم الفطرت ہے۔ اپنے بچے کو بچانے کے لیے کتنی محنت کر رہا ہے، کتنی قوت لگا رہا ہے، کتنی مشقت کر رہا ہے۔

﴿علماء کا فریضہ اور عوام کی ذمہ داری﴾

تو دوستو! جو نہیں جانتے وہ ہلاکت کی طرف اگر جا رہے ہیں۔۔ یہ تعجب کی بات نہیں ہے۔ ہم نے بچوں کو بھی دیکھا ہے وہ لاعلمی میں انگارے کی طرف جاتے ہیں۔ مگر یہ ہمارے علماء کرام جو ہیں یہ ان کا فریضہ ہے۔ یہ تو جانتے ہیں نا کہ وہ چیز ہلاک کرنے والی ہے، وہ چیز جہنم میں لے جانے والی ہے، وہ چیز تباہ کرنے والی ہے۔ تو اب ان کا فریضہ یہ ہے کہ وہ چلّاتے ہیں۔ مگر یہ ہاتھ پکڑ کر جھٹکتے ہی رہیں گے، یہ دامن پکڑ کر کھینچتے ہی رہیں گے، یہ جہنم کے راستوں کی وضاحت کرتے ہی رہیں گے، یہ بتاتے ہی رہیں گے تم چلّاتے رہو، انہیں گالی دیتے رہو، ان کو برا بھلا کہتے رہو۔ مگر ان کا جو کام ہے وہ کرتے رہیں گے۔ اس لیے کہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے، وہ بھی کوئی رہنما ہے جو ہلاکت میں جاتے خاموش رہے، وہ بھی کوئی پیشوا ہے جو جہنم میں گرنے سے کچھ بولی بھی نہ بولے، وہ بھی کوئی باپ ہے جو بیٹے کو انگارے کے حوالے کر دے! وہ بھی کوئی چچا ہے جو بھتیجے کو سانپ کے حوالے کر دے! وہ بھی کوئی بھائی ہے جو لے جا کر درندوں کے حوالے کر دے!

تو دوستو! نبی کے جو جانشین ہوتے ہیں، نبی کی حیثیت امت میں ایسی ہوتی ہے جیسے روحانی باپ کی ہوا کرتی ہے۔، جیسے روحانی باپ کی حیثیت ہوتی ہے۔ جو جانشین ہیں ان کے لیے بھی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ منہاج نبوت پر چلتے رہیں، روشِ مصطفی اور سنتِ مصطفی کو اپناتے ہوئے وہ بھی ہلاکت خیزیوں سے تمہیں آگاہ کرتے رہیں۔ اور تم ادھر جاؤ تو وہ زبردستی اور پوری قوت وتوانائی کے ساتھ تمہیں کھینچیں، ارے کدھر جا رہے ہو؟ ادھر آؤ! اب اس کھینچنے میں چاہے اسے پسند کریں چاہے ناپسند کریں۔ حقیقت یہ ہے ہم انورحم دل ہی کہیں گے، ہم ان کو مروّت والا ہی کہیں گے، ہم ان کو شفیق ہی کہیں گے، ہم ان کو مہربان ہی کہیں گے، ہم اس کو مہربان نہیں کہیں گے جو اندھے کو کنویں میں جاتا دیکھے اور جانے دے، ہم اس کو مہربان نہیں کہہ سکتے جو جہنم کے راستے پہ دوڑتا ہوئے دیکھے اور آواز تک نہ دے، ہم ایسے کو مہربان نہیں کہہ سکتے۔ یہ دنیا عجیب ہے مہربان کو گالی دے رہی ہے، مہربان کے خلاف سینہ سپر ہے۔ یہ بچے بھی عجیب ہے ہیں مہربان ہی کو گالی دے رہے ہیں!

﴿تقلید کرنا انسانی فطرت ہے﴾

یہ بچہ ہے ذرا اس کی عقل کو بڑھنے دو۔ اور اس کے بعد یہ بچہ تھوڑا سا اور ہوشیار ہوا۔ تو ہم نے سوچا اپنے یہاں کے رسم و رواج کے مطابق، جب چار سال چار ماہ چار دن کا ہوا۔ تو ہم نے بغدادی قاعدہ لا کے سامنے رکھ دیا۔ اس قاعدے کی بھی ہر تصویر اس کے لیے نئی تھی۔ مگر ہم نے تو سمجھانا شروع کیا یہ ’’الف‘‘ اس نے کہا ’’الف‘‘۔ ہم نے کہا ’’ب‘‘، کہا ’’ب‘‘۔ ہم نے کہا یہ ’’ت‘‘ جو ہم بولتے گئے وہ بولتا گیا۔ وہاں یہ نہیں بولتا جیسے تو ’’الف‘‘۔ کہے گا ہم نہیں مانیں گے، جیسے تو ’’ب‘‘ کہے گا ہم نہیں مانیں گے۔ معلوم ہوا کہ ایک انسان پر بھروسہ کرنا، انسان پر اعتماد کرنا یہ انسان کی فطرت ہے۔ اگر شروع ہی سے بداعتمادی پیدا ہو جائے۔ تو آپ آگے پہنچ نہ پائیں گے۔ آپ کو کوئی دوسری ڈگری کیا ملے گی اگر شروع ہی سے بداعتمادی کی فضا ہو جائے۔ اور ددیکھو! ایک شاگرد استاد پر بھروسہ کرتا ہے کہ نہیں؟ ایک بیمار ڈاکٹر پر بھروسہ کرتا ہے کہ نہیں؟ ایک مقتدی اپنے امام پر بھروسہ کرتا ہے کہ نہیں؟ ارے، اس ایک پر بھروسہ کرنے کا نام ہی تو تقلید ہے، اس ایک پر بھروسہ کرنے کا نام۔ ہر معاملے میں تم تقلید کرتے ہو، بھروسہ کرتے ہو، کیوں؟ اسلیے کہ یہ تمہاری فطرت ہے اور انسان جو ہے بھروسہ اگر نہ کریں تو اس کی گاڑی ہی نہیں چل سکتی۔

﴿انسان کے فکر و خیال کی ترقی کیسے ہوتی ہے؟﴾

بہرحال، ہم بچہ کو یہ سب پڑھاتے ہیں۔ اس کے بعد بات ختم نہیں ہو جاتی۔ پھر ’’زبر، زیر‘‘ لگانا شروع ہو جاتا ہے۔ ہم نے سوچا کے بچے کو پڑھنے دو، ذرا اور پڑھ لے گا تو اس کے سوالات کے جوابات خود اسے مل جائیں گے۔ ابھی تو وہ کتابوں کے نقوش کے بارے میں سوال کر رہا ہے، خوب پڑھاؤ۔ مگر ایک بات بتاؤں، میں جتنا پڑھاتا جاتا ہوں اتنے ہی اس کے سوالات بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ بچہ جب عالم ہوتا ہے، یہی بچہ جب سائنسداں ہوتا ہے، یہی بچہ جب پروفیسر ہوتا ہے، یہی بچہ جب ڈاکٹر ہوتا ہے، یہی بچہ

جب انجینئر ہوتا ہے، یہی بچہ جب فلسفی ہوتا ہے۔ تو پہلے کتابوں کے نقوش کے بارے میں پوچھ رہا ہے، یہ سورج کیوں ہے؟ یہ ستارے کیوں ہیں؟ یہ آبشار کیوں ہیں؟ یہ گردش لیل و نہار کیوں ہیں؟ یہ مغرب و مشرق کیوں ہے؟ یہ شمال و جنوب کیوں ہے؟ یہ دریا کیوں ہے؟ آبشار کے نغمے کیوں ہیں؟ یہ دریا کی روانی کیوں ہے؟ میں نے یہ سمجھا تھا جب یہ فلسفی بنے گا، اب زیادہ ’’کیوں‘‘ نہیں چھیڑے گا۔ میں نے یہ سمجھا تھا جب یہ سائنسداں ہو جائے گا تو ایسے اس کے ہر ’’کیوں‘‘ کا جواب اسے مل جائے گا۔ مگر نہیں دوستو! ’’کیوں‘‘ بڑھتا ہی چلا گیا۔ تو میں نے سوچا، ذرا اس کو اور پڑھ لینے دو، اور قابل ہو جانے دو۔ اور جب بہت زیادہ قابل ہو جائے گا، اپنے وقت کا ’’جالینوس‘‘ (Galenus) ہو گیا، ’’افلاطون‘‘ (Plato) ہو گیا، ’’سقراط‘‘ (Socrates) ہو گیا، ’’بقراط‘‘ (Hippocrates) ہو گیا، ’’فارابی‘‘ (Alpharabius) ہو گیا۔ ہو جانے دو، ساری کائنات کے ’’کیوں‘‘ کو یہ سمجھ لے گا۔

مگر دوستو! یقین جانو۔ یہی بچہ جب ’’افلاطون‘‘ ہوتا ہے، ’’جالینوس‘‘ ہوتا ہے، ’’سقراط و بقراط‘‘ ہوتا ہے، جب یہ ’’ارسطو‘‘ ہوتا ہے، جب یہ ’’بوعلی سینا‘‘ ہوتا ہے۔ تو یہ مت سمجھ لینا کہ اس کا ’’کیوں‘‘ جو ہے وہ ختم ہو جاتا ہے۔ ارے پہلے جب تک یہ بقراط نہیں ہوا تھا پوچھ رہا تھا، زمین کیوں ہے؟ آسمان کیوں ہے؟ اور یہی جب افلاطون بنا، تو اب یہ سوچ رہا ہے خدا کیوں ہے؟ رسول کیوں ہیں؟ مذہب کیوں ہے؟ دین کیوں ہے؟ کعبہ کیوں ہے؟ یہ لیجیے صاحب، علم بڑھتا جا رہا ہے تو ’’کیوں‘‘ بھی بھیانک ہوتا جا رہا ہے، ’’کیوں‘‘ بھی خطرناک ہوتا جا رہا ہے۔ سوال کے اندر بڑی گمبھیرتا (गंभीरता) (متانت) پیدا ہوتی جا رہی ہے۔

﴿سوال کب اور کس سے کیا جائے؟﴾

آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ سوچو بے شمار ’’کیوں‘‘، لاکھوں ’’کیوں‘‘، کروڑوں

’’کیوں‘‘ کے اندر الجھا ہوا انسان۔ اور اب تو ’کیوں‘ کی بارش اگر دیکھنا ہو تو ہوٹلوں میں چلے جاؤ، چوراہوں پہ چلے جاؤ۔ اب تو دین کے مسئلہ پر بھی ’’کیوں‘‘ لگا رہے ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ یہ کیوں ہے؟ پہلے فتویٰ دار الافتا سے لکھا جاتا تھا اب ہوٹلوں میں تیار ہوتا ہے۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

بالکل عجیب انداز کی بات ہے! دین کے مسائل میں بھی کیسا ’’کیوں کیوں‘‘ لگاتے ہیں! اور اس پر بڑی ہنسی بھی آتی ہے، افسوس بھی ہوتا ہے! انسان کو کیا ہو گیا! آپ خریدنے گئے عطر کی شیشی اور آپ کو لینا تھا ’عطر حنا‘ یا ’عطر گلاب‘، کچھ بھی لینا تھا۔ مگر جب تم تحقیق کرو گے، جہاں تم ثابت کرنے کی بات کرو گے، پیسہ واپس کریگا، شیشی واپس لے گا۔ کہا: گیٹ آؤٹ (Get Out) یہ بے وقوف کو دیکھو! دکان پر آ رہا ہے، بنانے والوں کی بات پوچھ رہا ہے! دکاندار سے لیبل لگا ہوا مال لے لو، بنا کہاں ہے، جا کے جھگڑنا وہاں کہ اس نے کیسے بنا دیا؟ کیوں بنا دیا؟ کیوں ’کیوڑا‘ بنا دیا گیا؟ تو فیکٹری اور ہے دکان اور ہے۔ تو فیکٹری والا سوال دکان پر نہ کرو، دکان پر وہ سوال کرو جو دکاندار کے علم میں ہو اور جو فیکٹری والے سوال ہیں وہاں جاؤ! وہاں کے راز کو وہاں سے سمجھو! کیا چیز کیسے بنی۔۔۔

تو دوستو! چاہے یہ امام اعظم کی فیکٹری ہو، چاہے یہ امام شافعی کی فیکٹری ہو، چاہے یہ امام احمد بن حنبل کی فیکٹری ہو، چاہے یہ امام مالک کی فیکٹری ہو۔ قرآن و حدیث کا عطر نچوڑ کر کے انہوں نے اپنی اپنی فیکٹریوں سے، شیشوں میں لگا لگا کر، لیبل لگا لگا کر، یہ حنفی لیبل ہے، یہ شافعی لیبل ہے، یہ حنبلی لیبل ہے، یہ مالکی لیبل ہے، علما کی دکانوں میں سجا دیا ہے۔ اب تم اگر حنفی مسئلہ لو گے تو یہ حنفی لیبل والا عطر پیش کریں گے۔ اگر مالکی ہو تو مالکی عطر پیش کر دیں گے۔ اگر تم حنبلی ہو تو حنبلی عطر پیش کر دیں گے۔ اگر تم شافعی ہو تو شافعی عطر پیش کر دیں گے۔ ان کا کام مسائل پھیلانا ہوتا ہے۔ تو عالموں سے یہ کیا پوچھتے ہو! یہ کیوں ہے؟ قیام تعظیمی کیوں ہے؟ یہ میلاد کیوں ہے؟ ارے بیوقوف! سوال کرتے ہو دکانداروں سے فیکٹری والا!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا
محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

﴿دینی مسئله علماء سے پوچھو!﴾

آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ بس عالم کا کام صرف اتنا ہے کہ اپنے امام کے دیے ہوئے عطر کو تمہارے سامنے پیش کر کے تمہیں معطر کر دے، تمہیں مُجلّٰی و مُصفّٰی بنا دے اور کہے یہ عطر ہے تمہارے امام کا، یہ فقہ ہے تمہارے امام کی۔ تو دوستو! بنانے والے اور ہوتے ہیں اور سمجھانے والے اور ہوتے ہیں۔ مگر خیر، غنیمت ہے کہ عالم سے آ کر پوچھو۔ عالم یہ نہیں ہے کہ صرف عطر ہی دے گا، یہ کیسے بنا ہے اس کو بھی اس کے اماموں نے سمجھا دیا ہے۔ وہ تمہیں اس طرح بھی مطمئن کرے گا۔ مگر بڑی مشکل کی بات یہ ہے۔ مسئلہ ہے دین کا اور پوچھتے ہو رکشے والے سے! مسئلہ ہے دین کا اور پوچھتے ہو ٹانگے والے سے! مسئلہ ہے دین کا اور پوچھتے ہو چائے خانے والوں سے! مسئلہ ہے دین کا احتیاط سے پوچھتے ہو کہ جو سب سے بڑا جاہل ہے اس سے سب سے بڑا مسئلہ پوچھا جائے۔ اس لیے کہ مولانا سے تم پوچھنے نہیں آتے۔ کیوں نہیں پوچھنے آتے؟ تمہارا مقصد علم حاصل کرنا نہیں ہے عوام کو گمراہ کرنا ہے۔ اگر تمہیں علم حاصل کرنا ہوتا تو مولانا کے پاس آتے۔ مگر سوچتے یہ ہیں کہ میں مولانا کہ پاس اگر چلا گیا تو مجھے خود ہی سمجھنا پڑ جائے گا۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا
محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

﴿ہر انسان اپنی تخلیق پر غور کرے﴾

ہاں تو میں یہی کہہ رہا ہوں، نہ جانے کتنے ’کیوں‘ میں لوگ الجھے ہوئے ہیں،

سینکڑوں ’کیوں‘۔ یہ کیوں؟ وہ کیوں؟ ایسا کیوں؟ ویسا کیوں؟ زمین کیوں؟ آسمان کیوں؟ دنیا کیوں؟ آخرت کیوں؟ برزخ کیوں؟ قبر کیوں؟ حشر کیوں؟ کتنے لاکھوں کروڑوں ’کیوں‘ میں یہ انسان الجھا ہوا ہے۔ مگر انہیں کروڑوں ’کیوں‘ میں ایک ’کیوں‘ اور بھی ہے۔ جس کی طرف دھیان نہیں دے رہا ہے۔ انہیں کروڑوں ’کیوں‘ کے اندر ایک ’کیوں‘ اور بھی ہے۔ یہ تو جاننا چاہتا ہے کہ زمین کیوں ہے؟ آسمان کیوں ہے؟ دریا کیوں ہے؟ آبشار کے نغمے کیوں ہیں؟ بلبل کی چہک کیوں ہے؟ پھولوں کی مہک کیوں ہے؟ موتی کی چمک کیوں؟ گردش لیل ونہار کیوں ہے؟ عطارد کیوں ہے؟ مریخ کیوں ہے؟ مشتری کیوں ہے؟ زحل کیوں ہے؟ شمس کیوں ہے؟ قمر کیوں ہے؟ دنیا کیوں ہے؟ آخرت کیوں ہے؟ عرش کیوں ہے؟ فرش کیوں ہے؟ لوح کیوں ہے؟ کرسی کیوں ہے؟ قلم کیوں ہے؟ ادیان کیوں ہیں؟ ارے! ان اتنے ’کیوں‘ کو سمجھنا چاہتا ہے اور کبھی یہ نہیں غور کرتا خود کیوں پیدا کیا گیا؟ دنیا کے کیوں سے تجھے کیا مطلب؟ تو یہ کیوں نہیں سوچتا تو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ تجھے کیا مطلب کہ زمین کیوں،؟ تجھے کیا مطلب کہ آسمان کیوں ہے؟ تجھے کیا مطلب کہ چاند وسورج کیوں ہیں؟ تیرے سمجھنے کی چیز تو یہ تھی کہ تو کیوں؟ مگر اپنا ہی ’کیوں‘ نہیں سمجھ رہا ہے۔

اچھا شیطان بھی بڑا ہوشیار ہے۔ اس معاملے میں، دھوکہ دینے میں بھی بہت چالاک ہے۔ اس نے سوچا اس کو دنیا کے ’کیوں‘ میں الجھا دو۔ اتنا کہ ’کیوں‘ کا جواب حاصل کرتے کرتے یہ مر ہی جائے۔ پورے کیوں کا جواب بھی اس کو نہ ملے۔ مگر اپنا کیوں سمجھنے نہ دو۔ اگر یہ دنیا کے ’کیوں‘ میں الجھ گیا اور اس بے شمار ’کیوں‘ کا جواب بھی مل گیا تو کیا بنے گا؟ فلسفی بنے گا، ڈاکٹر بنے گا، پروفیسر (Professor) بنے گا، لکچرر (Lecturer) بنے گا، لیڈر (Leader) بنے گا، سیاستدان بنے گا، سقراط بنے گا، بقراط بنے گا، افلاطون بنے گا، جالینوس بنے گا، سب کچھ بن جائے گا مگر مومن نہیں بنے گا۔ مومن بنانے والا ’کیوں‘ تو یہ ہے، تو کیوں پیدا کیا گیا؟ دوسرے ’کیوں‘ میں تم پڑ کر کے سب کچھ بن جاؤ گے مگر مومن نہ بن سکو گے۔ اسی لیے شیطان چاہتا ہے کہ بے شمار ’کیوں‘ میں تم الجھ جاؤ اور اپنا کیوں سمجھو گے ہی نہیں کہ تمہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ بس تم یہی سمجھو کہ صرف تمہیں ’کیوں کیوں‘ کے لیے پیدا کیا گیا ہے؟ قبر میں تم جاؤ گے ایک بھی ’کیوں‘ نہیں چلے گی۔ سوچو گے کہ سارا کیوں تو ادھر ہی رہ گیا۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

﴿خدا نے جن و انسان کو کیوں پیدا کیا؟﴾

قربان جاؤ اسلام کے اوپر اور خدا کی مہربانی پر۔ تم تو نہیں سمجھنا چاہتے کہ تم کیوں؟ مگر خدا تمہیں سمجھا رہا ہے۔ تمہارا ذہن ادھر نہیں جانا چاہتا مگر خدا کہہ رہا ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ ہم نے جن اور انسانوں کو صرف عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ’کیوں کیوں‘ کرنے کے لیے نہیں پیدا کیا ہے۔ صرف اپنی پرستش کے لیے پیدا کیا ہے دوسرے کام کے لیے نہیں پیدا کیا ہے۔

﴿جو چیز جس کام کے لیے بنائی گئی ہو اس سے وہی کام لو﴾

دیکھو جو چیز جس کام کے لیے بنائی جاتی ہے اس چیز سے وہی کام لینا صحیح ہوتا ہے۔ اور اس کے علاوہ اگر کوئی کام لے لو تو لوگ اس کو نادانی اور بیوقوفی کہتے ہیں۔ اس کی مثال دوں، تو آپ کی بھی سمجھ میں آجائے گا۔ گلاس کو کس لیے بنایا گیا ہے؟ پانی پینے کے لیے۔ اور یہ اگالدان کس لیے بنایا گیا ہے؟ تھوکنے کے لیے۔ تو تھوکدان جو ہے اسے کس لیے بنایا گیا ہے؟ تھوکنے کے لیے۔ اچھا ایک بات بتاؤ! میں مرادآباد سے بالکل نیا تھوکدان لے کر آؤں اور آپ مجھ سے مانگے پانی، اور میں اسی میں بھر کے دیدوں، تو آپ پی لیں گے؟ حالانکہ آپ فتویٰ لے لیجے، پانی ناپاک نہیں ہے۔ پینا چاہیں تو آپ ٹھاٹ

سے پی سکتے ہیں۔ اور ابھی اس اگالدان کو استعمال بھی نہیں کیا گیا ہے۔ کیا کچھ کراہت اس طرح کی ہو۔۔ بالکل نیا، دکان سے لے کر آیا ہوں۔ تو کیا پانی پیئیں گے؟ بلکہ آپ میری عقل پر افسوس کریں گے، یہ تھوکنے کے لیے بنایا گیا ہے اس میں تم پانی لاؤ! اور اگر کبھی تھوکنے کی ضرورت محسوس کرو، اور مجھ سے مانگوں اگالدان، اور میں پیش کروں گلاس۔ تو تمہارا دماغ اور گرم ہو جائے گا۔ یہ کیا! پانی پینے کے لیے۔ اتنی بھی تمیز نہیں! یہ تھوکنے کے لیے ہے۔۔

پتہ یہ چلا، جو چیز پانی پینے کے لیے ہے اس میں تھوکنا صحیح نہیں۔ جو چیز تھوکنے کے لیے ہے، اس میں پانی پینا بھی عقل مندی کی بات نہیں ہے۔ مگر سنو! گلاس کو پانی پینے کے لیے کس نے بنایا؟ انسان نے۔ اگالدان کو تھوکنے کے لیے کس نے متعین کیا؟ انسان نے۔ انسان نے کہا۔ یہ اسلیے ہے، وہ اسلیے ہے۔ وہ الٹا بھی کہہ سکتا تھا، گلاس کو تھوکنے کے لیے بھی کہہ سکتا تھا، اگالدان کو پانی پینے کے لیے بھی کہہ سکتا تھا۔ مگر اس نے کہہ دیا کہ انسان کی وضع، انسان کا تقرر، انسان کی بناوٹ کا تمہیں اتنا خیال کہ انسان جس کو جو کام کے لیے کہہ دے اس کے خلاف تم استعمال نہ کرو۔ اور خدا کی بناوٹ کا کچھ خیال نہیں! خدا کی تخلیق کا کچھ خیال نہیں! کہ خدا بتا رہا ہے کہ میں نے تم کو اسلیے بنایا ہے، تمہیں صرف عبادت کے لیے بنایا ہے۔ تو اب عبادت کے سوا۔۔ اب۔۔ اگر تم نے کوئی کام کیا، تو بالکل ایسا ہی ہے کہ اگالدان میں پانی پی لیا، یا گلاس میں تھوک دیا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

﴿عبادت کا مفہوم﴾

آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ تو انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہاں پر آپ ایک بات سوچیں گے کہ بڑی مشکل میں پہنچ گئے۔ اس لیے کہ ہم

صرف عبادت ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں تب تو مسجد میں بیٹھے رہو، نماز کے اوقات میں نماز پڑھ لیں، کچھ نفلیں بڑھا دیں، تسبیح چلاتے رہیں۔ تو صرف ہم اللہ اللہ کرتے رہیں، ذکر الٰہی و ذکر و اذکار میں مشغول رہیں، نماز پہ نماز، روزے پہ روزہ رکھتے رہیں۔ تو ہماری دکان پہ کون بیٹھے گا؟ ہمارا کھیت کون جوتے گا؟ ہمارے بچوں کی نگاہداشت کون کریگا؟ ہم صرف عبادت کے لیے ہیں، تجارت کے لیے نہیں ہیں؟ زراعت کے لیے نہیں ہیں؟ گھریلو حالات کے سدھار کے لیے نہیں ہیں؟ ہم تو صرف خدا کی عبادت کے لیے ہیں۔ جانتے ہو سوال کیوں پیدا ہو؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوا کہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ نماز پڑھنا ہی عبادت ہے، روزہ رکھنا ہی عبادت ہے، عمر میں ایک حج کر لینا ہی عبادت ہے، صاحب نصاب کے لیے سال میں ایک بار زکوٰۃ نکال دینا ہی عبادت ہے۔ تو بے شک یہ سب عبادتیں ہیں، سب افضل ترین عبادتیں ہیں۔ اس کے عبادت ہونے میں کیا شک ہے! مگر یہی عبادت صحیح ہے؟ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں مومن کا اٹھنا بیٹھنا عبادت ہے، مومن کا سونا جاگنا عبادت ہے، مومن کی زراعت و تجارت عبادت ہے، مومن کا حقوق العباد کا لحاظ کرنا عبادت ہے، مومن کا ایک ایک لمحہ عبادت، ایک ایک حرکت عبادت، ایک ایک سکون عبادت۔ مومن کا اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا سب عبادت۔ شرط یہ ہے کہ تمہاری کوئی حرکت، تمہارا کوئی سکون، خدا اور رسول کے قانون کو نہ توڑے اور ہر کام خدا اور رسول کی رضا کے لیے کرو۔ تو خدا اور رسول کی رضا کے لیے جو کچھ کرو گے وہ سب عبادت۔ خدا اور رسول کی رضا کے لیے سو جاؤ تو سونا عبادت، جاگ جاؤ جاگنا عبادت۔ اور اسلامی قانون کے مطابق تجارت کرو تو تجارت عبادت ہے، اسلامی قانون کے مطابق زراعت کرو تو عبادت ہے۔ تو تمہیں صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہارا عمل اسلام کے قانون کو نہ توڑے۔ ذرا سا دیکھو رب تبارک و تعالیٰ کی نوازش۔ ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں

وہ دینے والا تو سب کو دے رہا ہے۔ مگر لینے کا بھی سلیقہ ہونا چاہیے۔

﴿دو درویش کی عبادت کا واقعہ﴾

ایک مشہور واقعہ میں آپ کے سامنے رکھوں۔ ایک درویش نے، اپنے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے والے کو پلیٹ میں کھانا دیا اور کہا، دیکھ! ”ندی کے اس کنارے ایک دوسرا درویش رہتا ہے، یہ کھانا اسے جا کر دے آ“۔ اس نے کہا: حضور رات کا وقت ہے، کشتی بھی نہیں ملے گی، بیچ میں ندی ہے، کیسے پار کریں گے؟ کہا: ”کہہ دینا، اس ندی سے کہہ دینا کہ میں ایک ایسے انسان کے پاس سے آیا ہوں جو آج تک اس نے بیوی قریب ہی نہیں گیا“۔ تو سوچنے لگے کہ حضرت تو صاحبِ اولاد ہیں، یہ کیسی بات کہہ رہے ہیں۔ مگر بولے نہیں۔ کہ یہ فقیروں کا معاملہ ہے۔ پتہ نہیں ان کا کیا مطلب! خاموشی کے ساتھ وہ گیا اور جاکے ندی سے اسطرح کہہ دیا۔ کہ میں ایسے انسان کے پاس سے آرہا ہوں جو آج تک اپنی بیوی کے قریب ہی نہیں گیا۔ فوراً راستہ بن گیا۔ ندی نے راستہ دے دیا۔ وہ کنارے لگ گیا۔ پھر راستہ برابر ہو گیا۔ دوسرے درویش کے سامنے کھانا رکھا۔ انہوں نے ان کے سامنے پوری پلیٹ صاف کر دی، پورا کھا چکے۔ کہا: حضرت اب تو جانے کا وقت آ گیا، واپس جائیں کیسے؟ آنے کا تو نسخہ مل گیا تھا، جانے کا تو کچھ نہیں میرے پاس۔ کہا: جا کے کہہ دینا کہ ”میں ایسے فقیر کے پاس سے آیا ہوں جس نے آج تک ایک لقمہ کھانا کھایا ہی نہیں۔“ انہوں نے کہا یہ اور مشکل کی بات، پوری پلیٹ میرے سامنے کھا چکے۔ اگر گھر میں، اندر لے جاکے کھایا ہوتا، تو شاید مجھے شبہ تھا کہ شاید یہ نہیں کھایا۔ سامنے ہی صاف کیا! مگر اب وہاں بھی کچھ نہیں بولنا، فقیروں کی بات ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ خیر وہاں سے پلٹے، جاکے دریا سے یہی کہہ دیا کہ ”دریا، میں ایسے انسان کے پاس سے آیا ہوں، جس نے آج تک ایک لقمہ کھانا نہیں کھایا“۔ اس نے پھر راستہ دے دیا۔ پھر یہ پار ہو گئے۔ پھر راستہ برابر۔ مگر آکر پہلے حضرت کے پاس پہنچا۔ وہ کہا: حضور نہ آپ کی بات سمجھ میں آئی نہ ان کی بات سمجھ میں آئی، یہ معاملہ کیا ہے؟ آپ کہتے ہیں: کہ میں بیوی کے پاس نہیں گیا۔ آپ صاحب اولاد کیسے؟ اور انہوں نے کہا میں ایک لقمہ نہیں کھایا۔ میرے ہی سامنے صاف کیا، پوری پلیٹ میرے سامنے صاف کی۔ کتنا بڑا لقمہ ان کا ہوتا ہے کہ ایک لقمہ نہیں بنا؟۔ تب انہوں نے کہا: ”نادان تو نہیں جانتا، ہم فقیروں کی اصطلاح کو تُو نہیں سمجھتا۔ سن لے! اگر ہم اپنی بیوی کے پاس گئے تو اپنی خواہش اور اپنے نفس کی خواہش کی تکمیل کے لیے نہیں گئے، رسول کی سنت ادا کرنے کے لیے گئے۔ اور اگر اس کا لقمہ اٹھانا، اس کی نیت یہ تھی۔ تاکہ ہمارے اندر عبادت کی قوت موجود رہے، ہم خدا کی عبادت و ریاضت کرتے رہیں۔ اس لیے اس نے لقمہ اٹھایا۔ تو اس کا لقمہ اٹھانا، لقمہ اٹھانا نہیں ہے وہ عبادت ہے۔ میرا بیوی کے پاس جانا، بیوی کے پاس جانا، بیوی کے پاس جانا نہیں ہے یہ بھی عبادت ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں

﴿نماز کا انتظا کرنا بھی ثواب ھے﴾

عبادت پر کتنا اجر ملتا ہے۔ تم عشاء کی نماز پڑھ کر کے فجر کی نماز کا اہتمام شروع کرو کہ فجر نہیں چھوڑیں گے۔ اہتمام شروع کر دو، فجر کا وقت آیا نماز پڑھو۔ ظہر کا خیال جمالو، ظہر پڑھنی ہے، ظہر پڑھنی ہے۔ کچھ بھی کام کرو مگر ظہر کے خیال میں لگا رہے۔ ظہر کا وقت آئے، ظہر پڑھو۔ اب عصر کا خیال جمالو۔ عصر کے وقت عصر پڑھ لو۔ پھر مغرب کا خیال جمالو۔ مغرب کا وقت آیا، مغرب پڑھ لو۔ پھر عشاء کا خیال جمالو۔ عشاء کا وقت آیا، عشاء پڑھو۔ فجر کا خیال جمالو۔

فجر کا وقت آئے فجر پڑھ لو۔ اسی طرح خیال، ایک کے بعد دوسرے نماز کا خیال جماتے رہے۔ تو تم نماز وقت ہی پر پڑھو گے اور خدا کے نزدیک چوبیس گھنٹے نماز میں ہو۔ انتظار کرو۔ ”انتظارِ صلوٰۃ بھی صلوٰۃ کا ثواب“۔ انتظار کے معنی یہ نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کے

انتظار کرو۔ انتظار کا معنی یہ ہے کہ ہر وقت اسی کے ذکر میں رہو۔ انتظارِ صلوٰۃ بھی صلوٰۃ۔ یعنی خدا کے نزدیک تم چوبیس گھنٹے نماز میں۔ دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ دکان پہ بیٹھا ترازو تول رہا ہے، دنیا یہ دیکھ رہی ہے کھیت میں ہل جوت رہا ہے، دنیا یہ دیکھ رہی ہے گھر میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہے اور خدا کے یہاں دیکھا جا رہا ہے یہ نماز میں ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں

خدا کی نوازش اور اس کی عبادت کا یہی نکتہ دیکھو۔ عشاء کی نماز پڑھ لو اور اسی ارادے سے سو جاؤ کہ تہجد بھی پڑھنی ہے، تہجد کی نیت سے سو جاؤ۔ اور بشری تقاضے سے آنکھ لگ گئی۔ اور آنکھ کھلی تو فجر کا وقت آ گیا۔ اب آپ فجر پڑھ لیجیے۔ مگر کیونکہ تم نے نیت تہجد کی کر لیا تھا، تمہیں تہجد کا بھی ثواب ملے گا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں

اچھی نیت کا فائدہ

نیت کرنے میں کونسی چیز ہے؟ نیت کرنا چاہئے۔ آج کل لوگ نیت بھی نہیں کرتے۔

مجھ کو ایک مرید یاد آ گئے۔ اپنے پیر صاحب کو لے گئے۔ اپنے مکان کو بڑا اچھا مکان بنایا تھا۔ ہر طرف جنگلے، ہر طرف روشندان، ہر طرف کھولی ہوئی فضا۔ تو پیر صاحب نے پوچھا۔ ’’بیٹے تو نے یہ اتنے جنگلے کیوں بنا رکھے ہیں‘‘؟ تو کہتا کیا ہے کہ حضور ’’ہوا خوب آئے۔ اس لیے بنایا ہے‘‘۔ ارے! کہا: ’’نادان تو نے نیت کیوں نہیں کی کہ اذان کی آواز آئے‘‘! تو کیا اگر اذان کی نیت کرتا تو کیا ہوا نہ آتی؟ کیا روشنی نہ آتی؟ ارے آنے والے کو تو آنا ہی ہے۔ مگر اذان کی نیت کرتا تو مکان بنانا عبادت ہو جاتا۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے؟ رہروِ منزل ہی نہیں

اللہ کی رحمت دولت نہیں چاہتی ہے بہانا چاہتی ہے۔ ایک منظر کو دیکھنا ہے۔ اگر تمہیں ایک واقعہ یہاں کا، اس دنیا کا۔ دو واقعے قیامت میں ہونے والے وہ سناؤں گا۔

بنی اسرائیل کے ایک گناھگار نوجوان کا واقعہ

توبہ کی نیت کرنے کا فائدہ

دنیا کا واقعہ کیا ہے؟ بنی اسرائیل کے زمانے میں ایک جوان تھا۔ بڑا ظالم تھا۔ اس نے ننانوے انسانوں کو قتل کیا۔ اس کے بعد اس کو توبہ کا خیال پیدا ہوا۔ بڑا ظلم میں نے کیا۔ مرنے سے پہلے توبہ کر لینا ٹھیک ہے۔ تو ایک صاحب کے پاس گیا۔ کہ حضور ہمیں توبہ کرا دیجئے۔ کہا: تیری غلطی کیا ہے؟ کہا: ننانوے انسانوں کا قتل کیا ہے۔ وہ لرز گیا۔ ارے! ننانوے انسانوں کا قاتل ہے۔ تیری تو توبہ قبول ہی نہیں ہوگی۔ اس نے کہا میری توبہ قبول نہیں ہوگی؟ کہا: نہیں ہوگی۔ تب تو کیا فرق پڑتا! ان کو بھی صاف کیا۔ پھر ایک کم کیا! زیادہ۔ جب توبہ ہی نہیں قبول ہوگی تو ان کو بھی صاف کر دیا۔ اور جب پلٹا، پھر خیال آیا، بڑی غلطی ہو گئی۔ میں تو گیا تھا توبہ کرنے کے لیے پھر ایک گناہ اور ہو گیا۔ اس کے ایک دوست نے اس سے کہا: دیکھ فلاں جگہ چلا جا، وہ تیری توبہ کرا دیں گے۔ وہ جب اپنے گھر سے اس توبہ کی منزل کی طرف چلا تو بیچ ہی راستہ میں تھا کہ حضرت ملک الموت کو حکم الٰہی ہوا، انہوں نے روح نکالی۔ روح نکالنا تھا کہ رحمت کے فرشتے اور عذاب کے فرشتے دونوں آئے۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا رب العٰلمین کا ہمیں حکم ہوا۔ ہم اس کی روح کو لے کے چلیں۔ اس لیے کہ یہ توبہ کے لیے قدم نکال چکا تھا۔ وہ عذاب کے فرشتے کہتے ہیں، اے اللہ تو جانتا ہے یہ توبہ کے لیے قدم تو نکال چکا تھا مگر ابھی توبہ نہیں کی تھی۔ لہٰذا ہمیں حکم ملے کہ ہم لیکے چلیں۔ رب تبارک وتعالیٰ کی رحمت تو دیکھو۔ اچھا اے فرشتو! تم ایسا کرو، پیمائش کر کے دیکھو! کہ یہ اپنے گھر کے قریب ہے یا توبہ والے گھر کے۔ پیمائش کرو! قریب کس کے ہے؟ اتفاق دیکھو، بالکل بیچ و بیچ تھا۔ رحمت کے فرشتے توبہ والے گھر سے چلے، عذاب کے فرشتے اس کے گھر سے چلے، پیمائش کر رہے ہیں۔ اور ادھر حکم

الٰہی زمین کو ملا، اے زمین! بڑی امیدیں لیکر یہ نکلا ہے، اسے مایوس نہ کروں گا توبہ کے گھر کے قریب کردے۔ ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے؟ رہرِوِ منزل ہی نہیں

﴿میدان قیامت کے دو واقعات﴾

﴿بروزِ قیامت ہمدردی کا فائدہ﴾

اور میدان قیامت میں جانتے ہو کیا؟ دو واقعے پیش آئیں گے۔

(۱) ایک صاحب ایسے ہونگے جن کے پاس ایک نیکی کی کمی۔ تو معروضہ پیش کریں گے۔ اے اللہ! مجھے مہلت دے دے، میں اہل محشر میں کہیں سے ایک نیکی لے آؤں۔ دے دیا فرصت۔ اب نیکی جب مانگنے چلا تو کوئی اس کو پہچاننے کے لیے تیار ہی نہیں۔ باپ کہتا ہے دنیا میں میرا کوئی بیٹا ہی نہیں تھا، تو کہاں سے آ گیا! انتہا یہ ہے کہ بیٹا بھی یہی بولتا ہے، دنیا میں تو میرا باپ ہی نہیں تھا تو کہاں سے آ گیا تھا! بغیر باپ کے آ گئے؟ نہ بیوی پہچانتی ہے، نہ بھائی پہچانتا ہے، نہ چچا نہ بھتیجا، کوئی نہیں۔ ہاں ایک پہچاننے والا مل گیا، وہ کون تھا؟ جس نے اس سے دوستی کی تھی خدا کی رضا کے لیے۔ تو ہم لوجہِ اللہ کام کریں گے مل کر۔

تو وہ جب دوست ملا، اس نے کہا تو کیوں پریشان ہے؟ کہا: اے دوست ایک نیکی کی کمی ہے، ہر طرف سے مایوس ہو کے آ رہا ہوں، کوئی دینے والا نہیں ہے۔ دینا تو بڑی بات، پہچاننے والا بھی نہیں ہے۔ اچھا ایک نیکی کی کمی ہے تیرے پاس؟ تو دوست کہتا ہے: میرے پاس صرف ایک ہی نیکی ہے، جب تجھے ایک نیکی نہیں مل رہی ہے تو مجھے اور کیا ملے گا! مجھے تو جانا ہی ہے، یہ لے میری نیکی تو لے جا۔ کم سے کم تیری تو نجات ہو جائے، تو جنتی ہو جائے۔ اِدھر بندے نے اپنی نیکی دی تھی، اُدھر خدا نے اپنی رحمت کو آواز دیا۔ اے فرشتو! اعلان کرو۔ جب بندہ اتنا بندہ نواز ہے تو میری بندہ نوازی تو اس سے بڑھی ہوی ہے، میری رحمت و مہربانی اس سے بڑھی ہوی ہے۔ اے فرشتو! اعلان کرو۔ اے لینے والے تو بھی جنتی، اے دینے والے تو بھی جنتی۔ رحمت حق دیکھیے، ہمدردی کا کتنا بڑا اپھل ملا۔ جس کے سارے گناہ خدا نے معاف کر دیے۔ بس اس لیے کہ وہاں پر اس نے ہمدردی کی تھی۔

(۲) اور ایسے ہی ایک دوسرا واقعہ میدان قیامت میں پیش ہوگا۔ دو انسان، دونوں کو حکم الٰہی ملا، جاؤ جہنم میں! تو ایک دوڑتا ہوا جائے گا۔ ایسا دوڑا جیسا جنت میں جا رہا ہو! اتنا تیز جا رہا ہے۔ اور ایک آہستہ آہستہ۔ مڑ مڑ کے پیچھے بھی دیکھ رہا ہے۔ تو خدائی حکمت کو ظاہر کرنے کے لیے فرشتے کو بھیجا جاتا ہے۔ پوچھو دوڑتا ہوا کیوں جاتا ہے؟ اور یہ آہستہ آہستہ؟ تو فرشتے پہلے کے پاس پہنچے۔ ارے کہاں جا رہا ہے؟ جہنم میں۔ جہنم میں ایسا دوڑتا ہوا جا رہا ہے؟ کہا: اے فرشتو! میں وہ بدنصیب انسان ہوں جو خدا کی کسی حکم کی تعمیل، میں نے دنیا میں نہیں کی، اب یہ خدا کا آخری حکم ہے، اب اس کے بعد وہ مجھے کوئی حکم نہیں دے گا۔ تو میں نے سوچا اس کی تعمیل جلد ہو جائے۔ چاہے جہنم میں جانا پڑے۔ ذرا بھی دیر نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اسی حکم کی تعمیل ہے۔ اور دوسرے کو پوچھا تو آہستہ آہستہ کیوں جا رہا ہے؟ کہا: کہ میں مڑ مڑ کے دیکھتا ہوں، کہیں خدا کی رحمت پکار تو نہیں رہی ہے۔ تو اِس کے دل میں رحمت کا خیال اور اُس کے دل میں اطاعت کا خیال آیا۔ حکم الٰہی ہوا کہ دونوں کا رخ موڑ دو اور کہہ دو کہ جنت میں جاؤ۔ رحمت حق دیکھیے۔ ؎

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے؟ رہرِوِ منزل ہی نہیں

﴿ہر ہر لمحہ عبادت میں گذارنے کا طریقہ﴾

تو تمہیں صرف عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اے بولنے والو! بولو، مگر ایسی بولی بولو کہ تمہاری بولی عبادت ہو جائے۔ اے چلنے والو! چلو، مگر ایسی چال چلو، تمہاری رفتار عبادت بن جائے۔ اے سونے والو! سوؤ، مگر غافل ہو کے مت سونا، تا کہ تمہارا سونا

عبادت بن جائے۔ اے جاگنے والو! جاگو، مگر نافرمانوں کی بیداری نہ ہو، تاکہ تمہارا جاگنا عبادت بن جائے۔ مطلب یہ ہے کہ تم کچھ بھی کرو، خدا کے رسول کی رضا کے لیے کرو، تمہارا ہر ہر لمحہ عبادت۔

تو تمہیں ہم نے صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ دوسرے کام کے لیے پیدا ہی نہیں کیا ہے۔ یہاں ایک بات آپ سوچیں گے، یہ تو بڑی پابندی لگ رہی ہے۔ انسان عقل والا اور عقل والے پر پابندی نہیں لگتی، پابندی پاگلوں پر لگتی ہے۔ دیوانوں، مجنوؤں کے پیر میں بیڑی ڈالی جاتی ہے، دیوانوں مجنوؤں کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈالی جاتی ہے۔ عقل والا آزاد رہتا ہے۔ ہم عقل والے ہیں، ہم پر کیسی پابندی؟ یہی سوچو گے نا۔ مگر میں کہوں گا۔ دوستو! تم عقل والے ہو اسی لیے پابندی ہے، اسلیے کہ پابندی دیوانوں پر نہیں ہوتی، بے عقلوں اور مجنوؤں پر نہیں ہوتی۔ تم عقل والے ہو اسی لیے تمہیں پابند کیا جا رہا ہے۔

﴿مثال﴾

ایک مثال چھوٹی سی دوں تاکہ سمجھ میں آپ کی آجائے۔ جگہ جگہ آپ کہیں لکھا ہوا پائیں گے۔ یہاں ”پیشاب کرنا منع ہے“، دیواروں پہ۔ اچھا اگر کوئی گدھا جاکے پیشاب کردے۔ تو کونسی قلم لگے گی اس کے اوپر اور کس دفعہ میں اسے گرفتار کیا جائے گا؟ اچھا، گدھا پیشاب کر کے پلٹا اور ایک دوٹانگ والا بیٹھ گیا۔ انسان، اس نے بھی پیشاب کیا۔ اور جب وہ پلٹا تو آپ نے فوراً کہا ادھر آؤ! کیا معاملہ ہے؟ ارے دیکھا نہیں؟ لکھا ہوا تھا۔ وہاں بیٹھ گئے۔ اندھا ہے؟ نہیں دیکھا، یہاں پیشاب کرنا منع ہے۔ تو اب اگر وہ کہے، ارے صاحب! آپ کیوں اتنا گرم ہوتے ہیں؟ مجھ سے پہلے بھی ایک آیا تھا، ایک گھڑا ڈال کے چلا گیا۔ اور آپ گرم ہی نہیں ہوئے۔ میں تھوڑا سا بیٹھ گیا آپ اس پر غضب ہو رہے ہیں، گرم ہو رہے ہیں۔ آپ کیا جواب دیں گے؟ یہی تو جواب دیں گے کہ اگر آپ بھی گدھے ہوتے تو ہم آپ کو بھی کچھ نہ کہتے۔

پابندی گدھوں کے لیے نہیں ہے انسانوں کے لیے ہے۔ قانون گدھوں کے لیے نہیں ہے انسانوں کے لیے ہے، عقل والوں کے لیے ہے۔

جب عقل ہی نہیں تو پابندی کیا!

﴿لطیفہ﴾

ایک انگریز کا وہ لطیفہ یاد آگیا۔ وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا اور دفتر کے سامنے ایک بورڈ لگا ہوا تھا (NO ADMISSION) اندر آنے کی اجازت نہیں۔ اتنے میں مچھروں کی پوری جماعت چلی، آگئی پوری جماعت۔ اب اس میں یہ ہمیں پتہ نہیں امیرِ جماعت کون تھا! بہرحال یہ بغیر بلائے آتے ہیں، گن گناتے ہوئے۔ ایسا آئے جیسا اپنے گھر میں آرہے ہیں۔ پوری جماعت گن گناتے ہوئے چلی آئی۔ اب انگریز سوچنے لگا، میں نے تو لکھ دیا تھا کہ اندر آنے کی اجازت نہیں، بغیر اجازت یہ آئے کیسے؟ اب وہ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد خود ہنسنے لگا۔ نہیں اس میں میری ہی غلطی ہے، میں جو بورڈ لگایا تھا وہ انگلش میں اور یہ ہندوستانی مچھر ہیں، یہ بیچارے انگریزی کیا جانیں!!! پابندی جو ہے جاننے والوں کے لیے ہے نہ جاننے والوں کے لیے نہیں ہے۔

﴿عقلِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ساری کائنات کی عقلوں سے اعلٰی﴾

تو تم جتنا اپنے کو عقل والا کہو گے، قانون اتنا ہی اپنے شکنجے میں جکڑتا رہے گا۔ سنو! انسان زیادہ عقل والا ہے، انسان کی پابندیاں بھی جانوروں سے زیادہ۔ اور انسانوں میں مومن کی عقل بڑھ گئی تو اس کی پابندیاں بھی بڑھ گئیں، ولی کی عقل بڑھ گئی تو ان کی پابندیاں بھی بڑھ گئیں، ولی میں شہدا کی عقل بڑھ گئی تو ان کی پابندیاں بھی بڑھ گئیں، شہیدوں میں صدیقین کی عقل بڑھ گئی تو ان کی ذمہ داری بھی بڑھ گئی، نبیوں میں سے رسول کی عقل بڑھ گئی تو ان کی ذمہ داری بڑھ گئی اور سب سے زیادہ عقل والے ہیں **محمد**

رسول اللہ ﷺ۔ ساری کائنات کی عقلیں عقلِ رسول کے سامنے ایک ذرے کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ لہٰذا ان کی ذمہ داری بہت بڑھ گئ۔ بے شمار گناہگاروں کو بخشوانا ہے، بے شمار گناہگاروں کی شفاعت کرنی ہے۔ تو عقل بڑھتی گئی تو پوری کائنات کی ذمہ داری مل گئی۔ معلوم ہوا کہ عقل بڑھ گئی تو ذمہ داریاں بھی بڑھتی ہی چلی جائیں گی۔

﴿نفس کو لگام لگائو!﴾

یہاں پر ایک بات اور سوچیں، کہ اللہ نے اتنی خوبصورت دنیا میں پیدا کیا، ہر طرف خدا کی نعمتیں اور پابندی الگ۔ ادھر مت دیکھو، وہ مت کرو، یہ مت کھاؤ، ادھر مت جاؤ۔ ارے! یہ کیا معاملہ ہے! پھر ایسی دنیا میں پیدا کیوں کیا؟ جدھر ہر طرف جمال ہی جمال ہو، نعمت ہی نعمت ہو۔ پابندی اتنی! یہ تو ایسے ہی ہوگیا کسی بیل کو کھیت میں ڈال دے اور کہو بیل ادھر بھی نہ کھانا، ادھر بھی نہ کھانا۔ وہ سنے گا؟ کھیت میں ڈالا ہی کیوں؟ جب ڈالو گے تو وہ ادھر بھی منہ مارے گا ادھر بھی منہ مارے گا۔ آپ چلاتے رہو گے وہ نہیں سنے گا۔

ہمیں پیدا کیا ہے اس دنیا میں اور نفس کا بیل بھی دیدیا اور پابندی یہ، کہ یہ مت دیکھو وہ مت دیکھو، وہ مت سنو یہ مت سنو، یہ مت کھاؤ وہ مت کھاؤ۔ یہ مطلب کیا ہے؟ سنو! خدا نے اگر تمہیں نفس کا بیل دیا ہے تو بیل کی لگام بھی دی ہے۔ یہ صحیح ہے تم اگر بیل کو یوں ہی کھیت میں چھوڑ دو گے وہ ادھر بھی منہ مارے گا ادھر بھی منہ مارے گا۔ مگر اس بیل کے منہ میں جال دیدو۔ جال باندھ کے چھوڑ دو۔ تو یہ اِدھر جاتا ہے نہ اُدھر جاتا ہے۔ سیدھے چلا جارہا ہے۔ یہی تو بیل ہے نا؟ بیل تو یہی ہے۔ مگر جال باندھ دیا تو اب کیا معاملہ بالکل اب سیدھے اِدھر کھا رہا ہے نہ اُدھر کھا رہا ہے۔ اونٹ کی ناک میں نکیل لگا دو، فرماں بردار ہوجائے۔ گھوڑے کے منہ میں لگام لگا دو آپ کا اطاعت شعار ہوجاتا ہے۔ تو سنو! تمہیں نفس کا بیل ضرور ملا ہے۔ مگر۔ اگر عقل کی لگام اس میں لگی رہی تو اس دنیا میں بھی رہ کر کے بھی بہک نہیں سکتا۔

ایک بات بتاؤں، یہاں پر وہ خاص بات۔ کیا کسی اونٹ کے ناک میں کسی اونٹ نے نکیل ڈالی ہے؟ کسی گھوڑے کے منہ میں کسی گھوڑے نے لگام لگایا؟ کسی بیل کے منہ میں کسی بیل نے جال باندھا ہے؟ نہیں۔ باندھنے والا کون ہے؟ جو جانور سے بھی زیادہ اپنے اوپر قابو رکھتا ہے، وہ انسان ہے۔ کہ جب تم کسی کے بنو گے تبھی تو جال بنے گا، جب کسی کے بنو گے تبھی تو لگام لگے گی، جب کسی کے بنو گے تبھی اس کی نکیل تمہاری ناک تک پہنچے گی۔

﴿اپنے نفس کو بزرگوں کے حوالے کردو!﴾

آپ خیال کرو۔ جس طرح بیل کے منہ میں بیل جال نہیں ڈال سکتا۔ تو اے نفس والو! تمہارے اوپر بھی لگام کوئی نفس والا نہیں لگا سکتا۔ لہٰذا ضرورت ہے ایسے بے نفسوں کی کہ اسی دنیا میں رہیں مگر نہ ان کی نظر بہکے نہ ان کی زبان بہکے، نہ ان کے قدم بہکے نہ ان کے قلم بہکے۔ نہیں بہکے۔ تو ان کے حوالے اپنے کو کردو۔ جب تم ان کے حوالے ہو جاؤ گے تو ان کا جال تمہارے منہ میں ہوگا، ان کی لگام تمہارے منہ میں ہوگی، ان کی نکیل تمہاری ناک میں ہوگی۔ تم ان کے قابو میں ہوں گے۔ اس لیے ہم کہے رہے ہیں کہ حوالے کردو، اپنے کو خواجہ اجمیری کے حوالے کردو! اپنے کو غوث جیلانی کے حوالے کردو! اپنے کو آقائے نقش بند کے حوالے کردو! اپنے کو مولائے سہرورد کے حوالے کردو! اپنے کو شاہ عالم، قطب عالم کے حوالے کردو! اپنے کو سید جلال الدین بخاری کے حوالے کردو! اپنے کو وجیہ الدین گجراتی کے حوالے کردو۔ جب ان کے ہوجاؤ گے تو اپنے کا خیال اُنہیں کرنا ہی پڑیگا، اپنے کو بچانا ہی پڑے گا۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیہ۔

ہم نے دیکھا۔ جناب والا! آپ کے امام صاحب کا عجیب وغریب منظر۔ آپ

کے امام صاحب نے ایک بکری پال رکھی تھی۔ مثال عرض کر رہا ہوں۔ یہی بکری ایک صاحب کے کھیت میں گھس گئی۔ امام صاحب کی نظر پڑی دوڑے ہوئے گئے۔ جلدی سے پکڑا اور لگام لگائی اور کھینچا کنارے، اتنی جلدی کہ مالک کو پتہ نہ چلے۔ بکری اِن کی تھی اسی لیے جلدی لگائی۔ اگر مالک نے دیکھ لیا تو مشکل ہو جائے گی۔ بکری کو پکڑ کے لے آئے، لگام لگا کے، کھینچ کے گھر میں پہنچ گئے۔ اور یہی امام صاحب تھے، جب جا رہے تھے، انہوں نے کسی اور کی بکری گھُسی ہوئی دیکھ لی، کسی کے کھیت میں، اب اسے پکڑ نے نہیں جا رہے ہیں۔ او مالک! اوکھیت والے! تو کدھر ہے؟ دیکھ کس کی بکری پڑی ہوئی ہے۔ اوکھیت والے! تو کہاں ہے؟ دیکھ یہ کس کی بکری؟ ارے جناب! جب آپ کی بکری گھُسی تھی تو مالک کو کیوں نہیں بلایا تھا؟ کھیت والے کو کیوں نہیں بلایا تھا؟ ارے وہ اپنا تھا، اسے بچانا ہے، یہ غیر ہے پیٹے تو حرج کیا ہے!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

حوالے کردو اپنے کو خواجہ اجمیری کے، غوث جیلانی کے، ان شاء اللہ عتاب الٰہی آنے سے پہلے وہ بچالیں گے۔ اور جب تم ان کے نہ ہوؤ پھر عتاب آئے۔ تو شکایت کیا ہے؟ ان کو بھی کیا پرواہ۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

﴿خالق کی بات مانو مخلوق تمہاری بات مانے گی﴾

دوستو! خدا نے تمہیں عقل دی ہے، تمہیں سمجھ دی ہے۔ اور اس سے سمجھنا بھی چاہیے۔ جب بیل و جانور کی بات آ گئی تو ایک بات اور آپ کے سامنے، اصلاحی طور پر، آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ ذرا غور کرو۔ سوچو۔ کہ خدا نے تمہیں کچھ جانوروں کا

مالک بنایا ہے، چاہے وہ بیل ہو، چاہے وہ گھوڑا ہو، کچھ بھی ہو۔ کچھ جانوروں کا تمہیں مالک بنایا ہے۔ اب تمہارا مزاج کیا؟ تمہارا مزاج جانتے ہو کیا ہے؟ جس وقت تم کہو، بیل تمہاری فرماں برداری کرے۔ اس سے تم یہ سننے کے لیے تیار نہیں ہو۔ اے مالک! یہ جاڑے کی رات ہے، اے مالک! یہ گرمی کی دو پہر ہے، اے مالک! میں بھوکا ہوں، اے مالک میں پیاسا ہوں۔ نہیں۔ میں جس وقت گاڑی چلانا چاہوں اس وقت چلنا ہی پڑے گا۔ چاہے تو بھوکا ہو، چاہے تو پیاسا ہو، چاہے جاڑا ہو، چاہے گرمی ہو۔ اور نہیں چلے گا تو ڈنڈے پڑیں گے۔ کرتے ہو کہ نہیں؟ خدا نے تمہیں مالک بنایا، یہ تمہارے مملوک ہیں۔ ان کے ساتھ یہ کرتے ہو۔ تو کرتے وقت سوچا ہے تُو نے؟ تیرا بھی کوئی مالک ہے! وہ بھی تجھ سے کچھ چاہتا ہے۔ جب جاڑے کا موسم آتا ہے تب اپنے مالک کے حکم کی بات آتی ہے، بڑی ٹھنڈک ہے، کون فجر میں اٹھے گا!۔ گرمی ہے کون ظہر کو نکلے۔ ذرا سا سوچو! اپنے مالک کی بات سنو! تم مالک کس کے ہو؟ اس بیل کے تم مجازی مالک ہوئے۔ اس کے تم حقیقی مالک نہیں، خالق نہیں، رازق نہیں۔ اس کے آنکھوں میں روشنی تم نے نہیں دی، بیلوں کے پیروں میں طاقت تم نے نہیں دی، تم نہ اس کے رازق ہو نہ اس کے رب ہو، نہ اس کے خالق ہو۔ کچھ نہیں ہو۔ پھر بے کار ملکیت تمہیں مل گئی تو تم اس پر اتنی حکومت کر رہے ہو کہ تمہاری مرضی سے وہ بیٹھے، تمہاری مرضی سے وہ زندگی گذارے۔ اور جو تیرا خالق بھی ہے، رازق بھی ہے، رب بھی ہے، مالک بھی ہے، سب کچھ ہے۔ اس کے احکام پر تمہاری کوئی نظر نہیں! دوسرے پر رعب جماتے ہو! کچھ لوگ تو تعویذ کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ مولانا صاحب تعویذ دے دیجئے۔ کہا کیوں؟ میرا بیٹا میری بات نہیں مانتا، اس کے لیے۔ ارے! تیرا بیٹا تیری نہیں مانتا تو کیا تُو اپنے بیٹے کا مالک ہے؟ کیا تُو اپنے بیٹے کا رازق ہے؟ کیا تُو اپنے بیٹے کا خالق ہے؟ کیا تو اپنے بیٹے کا رب ہے؟ تُو کچھ نہیں ہے۔ کیوں چاہتا ہے کہ بیٹا تیری سنے، صرف ایک خونی رشتہ، وہ بھی فنا ہونے والا رشتہ۔ اور چاہتا ہے

کہ تیری بات مانتا چلا جائے۔ کبھی کوئی ایسا تعویذ مانگنے والا میرے پاس آیا ہی نہیں، مولانا ایسی تعویذ دیں کہ میں اپنے خدا کی نہیں مانتا ماننے لگوں۔ سب یہی کہتے ہیں میرا بیٹا میری نہیں مانتا۔ اور تیرا بیٹا تیری نہیں مانتا اور تُو کسی کی بھی نہیں مانتا، یہ اس کی سزا ہے۔ تیرا حق نہیں۔ پہلے تُو اپنے مالک کی مان پھر اس کے بعد تجھے حق ہے کہ تو اپنے نیچے والے سے کہے کہ میری بات مان۔

آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ جاڑے گرمی کا بہانا۔۔۔ ؎

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے   یعنی وہ صاحب اوصاف حجازی نہ رہے

مسجد تو بنا دی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

(ڈاکٹر اقبالؔ)

مسجد تو بنانے کا شوق تمہیں کتنا ہے تم سوچتے نہیں ہو۔ یہ مسجد تو بنانا آسان ہے مگر پھر اس کی ذمہ داریاں بہت مشکل ہو جاتی ہیں۔ یہ مصلّے تمہارا انتظار کرتے ہیں کہ اے میرے بنانے والو! آخر کعبہ تک تم بنا کے غافل ہو گئے! کس لیے تم نے بنایا تھا مصلّٰی؟ مسجد کی اینٹیں تمہیں پکارتی ہیں۔ مسجد کے مصلّے جب خالی ہوتے ہیں تو تمہیں آواز دیتے ہیں۔ اور پوچھو اُنہیں سے، خدا کی بارگاہ میں وہ کہتے ہیں، اے اللہ! جو تیرے گھر کو آباد رکھے تو اس کے گھر کو آباد رکھ اور جو تیرے گھر کو ویران کرے اس کے گھر کو تو ویران کر دے۔

﴿لطیفہ (۱)﴾

آپ خیال کریں۔ غفلت کا یہ عالَم! ایک عالِم یہ قصہ سنا رہے تھے، ایک صاحب کا، ان کا بیل مسجد میں آ گیا، کھل گیا۔ بیل ہی تو ہے مسجد میں چلا گیا۔ جا کے غلاظت کر دیا۔ سارے مصلّی جو ہیں بگڑ گئے۔ بلاؤ بیل والے کو، بلایا۔ یہ دیکھ! تو اپنے بیل کو باندھ کے نہیں رکھتا، مسجد میں آ کے غلاظت کر دیا۔ تجھے خیال نہیں؟ وہ کہتا کیا ہے، ارے بھائی! بیل جانور ہے، آ گیا۔ مجھے کبھی دیکھا ہے؟ جانور ہے، آ گیا، غلطی ہو گئی۔ مجھے کبھی تو نہیں دیکھا مسجد میں۔

﴿لطیفہ (۲)﴾

ذرا سا آپ خیال کریں۔ جاڑا اور گرمی کا بہانہ کرنے والے، ایک صاحب ایسے ہی تقریر سن رہے تھے۔ سنتے سنتے ان کو مولانا کی ایک بات بڑی پسند آ گئی۔ مولانا نماز کے فضائل بیان کر رہے تھے، روحانی فضائل، مادی کیا ہیں، روحانی کیا ہیں، آخرت کے کیا ہیں، دنیا کے کیا ہیں۔ بڑے فضائل بیان کرتے کرتے کہا: جو نماز پڑھنے کا عادی ہو جاتا ہے اس کا چہرہ نورانی ہو جاتا ہے۔ یہ بات اس کو پسند آ گئی۔

میری بیوی جو ہے مجھ سے بگڑتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میرا چہرہ کالا ہے۔ اب میں نورانی ہو جاؤں گا۔ آج تک کسی مولوی نے یہ مسئلہ نہیں بتایا۔ اور میں بھی نورانی ہو جاؤں۔ اب نورانی بننے کا شوق ہوا تو اپنی بیوی سے جا کر کہا، بیوی بڑی نیک تھی، نمازی تھی، پرہیزگار۔ کہا مجھے بھی اٹھا دینا فجر میں، مَیں بھی پڑھوں گا۔ بہت خوش ہوئی۔ کسی اللہ والے کی بات لگ گئی۔ مگر جناب صبح کو جب اس نے اٹھایا، اس نے غلاف ہٹایا تو ایک ٹھنڈا جھوکا آیا۔ فوراً اس نے اوڑھ لیا۔ بیوی نے کہا: ارے اندر رہ کر کیسے تو نماز پڑھے گا؟ کہا: مولانا نے مسئلہ سمجھا دیا ہے کہ نماز معاف نہیں ہے، کھڑے ہو کے نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کے پڑھنا ہو گا، بیٹھ کے نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کے پڑھنا ہو گا، آج تو میں لیٹے لیٹے ہی پڑھوں گا۔ ارے! لیٹے لیٹے تو کیسے پڑھے گا؟ وضو کیسے کرے گا؟ کہا: مولانا نے یہ بھی سمجھا دیا ہے۔ اگر وضو کرنے کی استطاعت نہ ہو، قدرت نہ ہو تو تیمم کر لے۔ اب میں تو تیمم ہی کروں گا۔ عورت سمجھ گئی یہ نماز پڑھے گا یا کیا کرے گا۔ مگر چلو کچھ تو اللہ اللہ کر لے گا۔ اب کیا اس سے لڑنا جھگڑنا۔ لا کر مٹی کا ڈھیلا اس نے سرہانے کو دیا۔ لے تیمم کر لے۔ اب

وہ جاڑے کے خوف سے، اس نے چہرہ نہیں نکالا، ہاتھ نکالا۔ اور ہاتھ نکال کر کے مٹی کے ڈھیلے کے اوپر مل کر کے تیمم کرنا چاہا۔ مگر اتفاق دیکھو، اسی ڈھیلے کے قریب روٹی پکانے والا 'توا' رکھا ہوا تھا۔ اور اس کا ہاتھ توے کے اوپر پڑ گیا۔ خوب اس نے گھسا اور خوب چہرہ کو مل کر کے نورانی بنالیا۔ پھر اندر اس نے کیا کیا! وہ تو وہی سمجھے۔ مگر صبح اٹھا تو سوچا کہ چلو آئینہ دیکھیں۔ کچھ نور بڑھا ہوگا، کچھ نور بڑھا ہوگا۔ جب آئینہ دیکھا تو بالکل بھوت۔۔

بولنے لگا، یہ مولوی لوگ بھی مسئلہ غلط بتاتے ہیں۔ ایک دن پڑھا تو یہ حال اگر دو چار دن پڑھ لیں گے تو کیا ہو جائے گا۔ غصے میں وہ مولوی کے پاس گیا۔ مگر وہ مولانا روشن ضمیر عالم، اس نے دور ہی سے دیکھا کہ یہ سیاہی بھرا کے آیا ہے۔ سمجھ گئے کہ نادان خدا کی بارگاہ میں گرمی جاڑے کا عذر کر رہا ہے۔ اس نے دنیا ہی میں تجھے رسوا کر دیا ہے، آخرت کی رسوائی سے پہلے۔ اب تو توفیق ملی سن لے، اب سے توبہ کر لے اور توبہ کر کے خدا کے سامنے سربسجود ہو جا۔ اچھی طرح سمجھ۔ ؎

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات
(ڈاکٹر اقبالؔ)

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ میں نے جن اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ کسی دوسرے مقصد کے لیے تمہاری تخلیق ہوئی ہی نہیں۔

﴿عبادت کے لیے ایمان ضروری﴾

یہاں پر ایک خاص بات اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ عبادت کیسے بنتی ہے؟ ہر عمل خدا کی عبادت نہیں ہے۔ ایک یہودی آیا تمہاری مسجد میں، کھڑا ہو گیا۔ جیسے تم نے وضو کیا اسی طرح اس نے بھی وضو کیا، جیسے تم قبلے کی طرف کھڑے ہوئے ویسے وہ بھی کھڑا ہوا، جیسے تم ارکان ادا کرتے ہو، وہ سارے اس نے ویسے ہی ادا کئے۔ عمل ہوا کہ نہیں اس کا؟ مگر اس عمل کو عبادت کہو گے؟ عمل خدا کی عبادت نہیں بنتا۔ وہی عمل، عمل ہے، وہی عمل عبادت ہے جس عمل سے پہلے ایمان ہو۔

صرف ایمان سے مطمئن ہو جانا یہ بھی دانش مندی نہیں ہے۔ ایمان چھوڑ کر عمل کے پیچھے لگ جانا، یہ تو سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ قرآن میں 'امنوا' ہے۔ اس کے بعد عملوا ہے۔ وَالْعَصْرِ (1) إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ (2) إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ۔۔۔ (سورۂ عصر)

قسم ہے زمانے کی، تمام انسان گھاٹے میں ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے، نیک عمل کیے۔ پہلے کیا ہے؟ 'امنوا'۔ اس کے بعد عملوا۔ کچھ احمق لوگ کیا کرتے ہیں، جانتے ہیں؟ پہلے عملوا، بعد میں عملوا۔ اندر عملوا، باہر عملوا اوپر عملوا، بھیتر عملوا۔ 'امنوا' نہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے۔ ایمان و عمل کے تعلق کو سمجھو! کہ پہلے ایمان پھر عمل۔ تو عبادت عبادت ہے ایمان سے۔ اور ایمان محفوظ رہتا ہے عبادت سے۔

﴿ایمان و عمل کی مثال﴾

اس کو میں مختصر سی مثال سے سمجھاتا ہوں۔ سب کے ذہن میں اتر جائے۔ ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے زمین۔ اور عمل کی مثال ایسی ہے جیسے عمارت۔ یہ ہو سکتا ہے زمین ہو عمارت نہ ہو۔ مگر یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ زمین ہی نہ ہو، عمارت ہو جائے! یہ ہو سکتا ہے، زمین تو ہو۔۔۔ آپ بیٹھے ہیں جس زمین پر، زمین ہے عمارت نہیں۔ مگر اتنا ضرور ہے کہ جس زمین پر عمارت نہ ہو اس کو آسمانی آفتوں سے کوئی بچا نہیں سکتا، سورج کی شعاع سے کوئی بچا نہیں سکتا، حشرات الارض سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ تو زمین ہر وقت خطرہ میں رہ سکتی ہے۔ لہٰذا زمین کی حفاظت کے لیے عمل کی عمارت ضروری۔ مگر یہ طے ہے بغیر زمین عمارت نہیں ہو سکتی۔ تو جس ایمان پر عمل کی عمارت نہ ہو وہ ایمان ہر وقت خطرے ہی میں رہتا ہے، نہ جانے کب نکل آئے۔ لہٰذا ایمان کی حفاظت کے لیے عمل کی عمارت ضروری۔ مگر یہ طے

ہے کہ بغیر زمین کے عمارت نہیں ہوسکتی۔ لوگ یہی سمجھ نہیں سکے۔ حدیث میں کیا ہے ''نماز دین کا ستون ہے۔'' (بحوالہ شعب الایمان، کشف الخفاء، جلد 2، صفحہ 40) اور یہ ستون ایمان کی زمین پہ کھڑا رہتا ہے۔ مگر کچھ بیوقوف، ایسے ہیں جو ستون کھاندے پہ لیے پھر رہے ہیں، زمین ہے ہی نہیں کہ گاڑ دیں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

﴿ایمان کسے کہتے ہیں؟﴾

آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ ایمان ہے ہی نہیں عمل کر رہے ہیں! وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ اے لوگو! ہم نے جنوں اور انسانوں کو کسی دوسرے کام کے لیے پیدا ہی نہیں کیا ہے، صرف اسلیے پیدا کیا ہے کہ وہ ایمان و ایقان کی سلامتی کے ساتھ میری اطاعت کرتے رہیں، میرے احکام کی پیروی کرتے رہیں، میرے نبی کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔ دوستو! یہ سب الفاظ میرے نبی کے نقش قدم پر چلتے رہیں۔ کسی کے ساتھ یہ میں تعظیمی لفظ استعمال نہیں کر رہا ہوں۔ قرآنی آیات کی روشنی میں مَیں یہ بات عرض کر رہا ہوں۔ اتنا وقت نہیں ہے کہ بہت زیادہ تفصیلات میں آپ کو لے جاؤں۔

مگر اتنا ضرور ہے کہ میں نے ایمان کا ذکر کر دیا ہے تو میں تمہیں ایمان بتاؤں کہ یہ ایمان ہے کیا؟ ایمان کو سمجھنے کے لیے صرف ایک حدیث کافی، **لایومن احدکم حتی اکون احب الیه من ولده و والده والناس اجمعین** (متفق علیہ) تم میں سے کوئی مومن ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ ساری کائنات میں مجھے زیادہ محبوب نہ بنالو۔

﴿ایمان ہے رسول کی محبت سے﴾

تو ایمان نام ہے رسول کی محبت کا۔ قرآن کریم کی ایک آیت اور ہے جس سے لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ (سورہ بقرہ آیت نمبر 165) ایمان

والے اللہ سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ حالانکہ دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ اس لیے کہ الفاظ تو بہت سیدھے۔ ۔وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ جو ایمان لا چکے وہ اللہ سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ تو ایمان کیسے لائیں؟ یہ تو ایمان لانے کے بعد کی چیز ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ وہ لوگ جو ایمان لا چکے وہ اللہ سے بڑی محبت رکھتے ہیں۔ ایمان ہے رسول کی محبت سے۔ نتیجہ میں خدا کی محبت مل گئی۔ تو رسول کی محبت ہے بنیاد اور خدا کی محبت ہے اس کا پھل۔ اور اس سے ہٹ کر کے میں میرے انداز سے بھی سمجھاؤں۔

﴿رسول کی محبت خدا کی محبت ہے﴾

خدا اور رسول کی محبت تو نے دو سمجھا کیسے؟ دو سمجھنے کی بیماری میں گڑبڑ پیدا ہو جاتی ہے۔ حالانکہ خدا کی جو محبت ہے رسول کی محبت ہے، جو رسول کی محبت ہے وہی خدا کی محبت ہے۔ جو خدا کا ذکر ہے وہ رسول کا ذکر ہے۔ جو رسول کا ذکر ہے وہی خدا کا ذکر ہے۔ جو خدا کی اطاعت ہے وہی رسول کی اطاعت۔ اور جو رسول کی اطاعت ہے وہی خدا کی اطاعت۔ جو خدا کی نافرمانی ہے وہی رسول کی نافرمانی ہے۔ وہی خدا کی نافرمانی ہے۔ تو نے دو سمجھا کیسے؟ کچھ لوگ جو ایک کو دو دیکھتے ہیں، ہوتا ہے کہ نہیں؟ آنکھ دبا کے، آنکھ دبی۔ اگر ایک دو نظر آیا اسے 'احور' کہتے ہیں۔ ایک کو دو سمجھتا ہے۔ ایک کو دو دیکھنے والا پہنچ گیا ڈاکٹر کے پاس، وہ ڈاکٹر ایک کو دو دیکھتا تھا۔ پہنچ گیا اور کہا: ڈاکٹر صاحب! ذرا میری آنکھ کا علاج کیجیے۔ کیا خامی ہے؟ کہا میں ایک کا دو دیکھتا ہوں۔ اس نے اپنا چشمہ اُتارا، آپ آٹھوں کو یہی شکایت ہے۔ وہ بھاگا اور کہا میں تو دو ہی دیکھتا ہوں اور یہ آٹھ دیکھتا ہے!

ایسے ہی ایک کو دو دیکھنے والے شاگرد کو استاد نے کہا: بیٹے جاؤ! فلاں الماری میں آئینہ رکھا ہوا ہے اٹھا لاؤ۔ وہ گیا تو ایک کے بجائے دو دیکھا اس نے۔ اور پھر آ کے کہتا ہے ماسٹر صاحب! وہاں تو دو ہیں کونسا لاؤں؟ وہ سمجھ گیا یہ ایک کو دو دیکھ رہا ہے۔ کہا: اچھا ایک

کام کر ایک پتھر مار کے توڑ دے جو دوسرا بچے اسے اٹھالا۔ یہ پتھر لے کر گیا اور جب مارا تو دونوں ٹوٹے۔ آ کر کہا: ہم نے تو پتھر ایک پر چلایا تھا یہ دوسرا کیسے ٹوٹا پتہ نہیں چلا۔ ارے نادان! وہ ایک تھا، تو نے ایک پر پتھر مارا دوسرا بھی ٹوٹ گیا۔ یہ حال ہے۔ دوستو! شیشۂ محبت الٰہی اور شیشۂ محبت رسالت دونوں ایک ہیں۔ مگر آج گنبد خضرا کو پتھراؤ ہو رہا ہے، آج شیشۂ محبتِ رسالت کو توڑا جا رہا ہے۔ اور قیامت میں پتہ چلے گا کہ ہم نے تو محبت رسول کے آئینہ کو توڑا تھا یہ محبت الٰہی کا آئینہ کیسے ٹوٹ گیا! قیامت میں پتہ چلے گا ہم نے تو گنبد خضرا پر پتھراؤ کیا تھا یہ کعبہ کا غلاف کیسے جل گیا! بات یہ ہے کہ یہ ایک ہے، تو نے دو سمجھا۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

محبتِ رسول شرطِ ایمان

تو ایمان نام ہے رسول کی محبت کا۔ سنو! ایک ہے رسول کا چاہنا اور ایک ہے رسول کا سب سے زیادہ چاہنا، یہ کمال ایمان ہے۔ ایک ہے محبت ایک ہے کمالِ ایمان۔ اور محبت جو ہے ایمان۔ تو حضور کی محبت کے بغیر کوئی ایمان والا ہو ہی نہیں سکتا۔ جب یہ بات آ گئی ایک ادنیٰ مثال بتاؤں۔ محبت کی ادنیٰ مثال۔ میں آپ سے کہوں رسول کو ایسا چاہو جیسا صدیق اکبر نے چاہا، ایسا چاہو جیسا علی مرتضی نے چاہا، ایسا چاہو جیسا بلال حبشی نے چاہا، ایسا چاہو جیسا صہیب رومی نے چاہا، ایسا چاہو جیسا اویس قرنی نے چاہا۔ ایسا میں کہوں تو میری بات سمجھ میں آئے گی؟ کچھ بھاگنے کے لیے راستہ بھی ملے گا؟ یہ تو بڑا مشکل ہو گیا۔ چاہیں۔ میں کہتا ہوں ایسا چاہو جس کے نیچے چاہنے کا کوئی درجہ ہی نہ ہو۔ اتنی معمولی بات میں کہہ رہا ہوں۔ یہ نہیں کہتا کہ چاہنے کے بلند درجے کو اختیار کر لو۔ یہ تو سعادت مند لوگ اختیار کریں گے۔ میں تو صرف اتنا کہوں گا۔ ارے چاہنے والو! ایسا چاہو کہ اس چاہنے کو چاہنا تو کہا جائے، اس چاہنے کو منافقت نہ کہا جائے۔ کم سے کم چاہنے کا درجہ تو یہ ہے کہ محبوب کے دوستوں کو دوست بناؤ اور محبوب کے دشمنوں کو دشمن بناؤ۔ یہ کم سے کم درجہ کی بات کر رہا ہوں۔ اب اگر محبوب کا دشمن تمہارا دوست ہوا تو تم چاہنے کے نام کو بدنام کر رہے ہو، یہ چاہنا نہیں ہے بلکہ تم منافقت کر رہے ہو۔ اس کم چاہنے کی بات آئی تو محبوب کے دوست بھی اسی دنیا میں ہیں اور محبوب کے دشمن بھی اسی دنیا میں ہیں۔ تو دوستوں کو بھی سمجھو اور دشمنوں کو بھی سمجھو۔ دوستوں کے محبوب ہو جاؤ، دشمنوں سے دور ہو جاؤ۔ اب اگر تم نے محبوب کے دشمنوں سے اپنا رشتہ قائم کیا، اپنا قائد قائم کیا، اپنا تعلق قائم کیا۔ تو تمہیں شرم آنی چاہیے۔ اگر تم کہتے ہو کہ تم ایمان والے ہو، ایمان والے تم ہو ہی نہیں سکتے۔ جب تک کہ محمد عربی کی محبت والے نہ ہو جاؤ۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ

دوستو! ایمان والوں کے واقعے تم نے نہیں سنے؟ وہ بھی تو ایمان والے تھے جنہیں ہم صدیق اکبر کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پوچھو! حضور بتائیں ایمان کیا چیز ہے؟ حضرت صدیق اکبر سے پوچھو! ایمان کیا ہے؟ صدیق اکبر بارگاہ رسالت میں ایک بات عرض کر رہے ہیں: اے اللہ کے رسول مجھے تین چیزوں سے محبت ہے۔ اگر میں آپ سے پوچھوں اس وقت بولو تم کو کن چیزوں سے محبت، مجھ ڈر لگتا ہے پتہ نہیں کون کیا بولے! کوئی یہی بول دے مجھے تھیٹر دیکھنے سے محبت ہے، کوئی یہی بول دے مجھے سٹے کا نمبر لگانے میں محبت ہے۔ بچارے مولانا کیا کر پائیں سوائے **لاحول** پڑھنے کے، سوائے **استغفار** کے۔ میں ان لوگوں سے پوچھوں گا ہی نہیں۔۔

سرکار صدیق اکبر کیا کہتے ہیں: تین چیزوں سے محبت ہے۔

۱۔ آپ کے پاس بیٹھے رہنے سے محبت ہے۔

۲۔ آپ کو دیکھتے رہنے میں محبت ہے۔

۳۔ اور آپ پر مال لٹانے سے محبت ہے۔ (ابن حجر، منبہات)

پہلی محبت کا مرکز بھی آپ ہی ہیں، دوسری محبت کا مرکز بھی آپ ہی ہیں، تیسری محبت کا مرکز بھی آپ ہی ہیں۔ اور خدا نے اتنا قریب کیا، کہ بیٹھنے سے محبت تھی، تو اتنا قریب کر دیا صدیق اکبر کو کہ آج رسول سے اتنا قریب کوئی نہیں ہے۔ اور دیکھنے سے محبت ہے تو ایسا قریب کر دیا کہ جب تک چاہیں جمال کو دیکھتے رہیں۔ اور سنو سب کچھ لٹا دیا تو خدا نے اتنا قریب کر دیا جو گنبد رسول ہے وہی گنبد صدیق اکبر بھی ہے، گنبد کی بھی جدائی نہیں ہے، مکان کی بھی جدائی نہیں ہے۔

ذرا سا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ ایک بات میں بتا دوں۔ ہر شخص وہیں دفن کیا جاتا ہے جہاں کی خمیر سے اس کا مجسمہ تیار ہوتا ہے۔ تو دیکھو! صدیق اکبر کا بھی مجسمہ، نبی کا مجسمہ اُس مٹی سے تیار کیا گیا تھا۔ وہیں قریب کی مٹی سے صدیق اکبر کا بھی مجسمہ تیار کیا گیا۔ کتنی مناسبت ہے صداقت کو نبوت سے، کتنی مناسبت ہے صدیقیت کو رسالت سے۔ ذرا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ صدیق اکبر نے اپنے طرز عمل سے یہ ہمیں بتا دیا، ایمان نام ہے رسول کی محبت کا۔

فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واقعہ

اب فاروق اعظم سے پوچھ لو۔ وہ بڑا مشہور واقعہ۔ وہ یہودی اور منافق۔ پہلے اس کو منافق کہتے تھے۔ منافق جانتے ہو؟ منافق چھُپا ہوا کافر اور یہودی چھپا ہوا کافر۔ کھلا ہوا کافر یہودی، چھُپا ہوا کافر منافق۔ تو پہلے حضور کے زمانے میں جو منافق تھے وہ چھُپے ہوئے تھے۔ آج کے دور میں چھپے ہیں، یہ چھُپے نہیں ہیں۔ ان کا معاملہ ہی کچھ عجیب! مگر وہ چھُپے ہوئے، وہ جو چھُپے ہوئے تھے ان کو بتایا، رسول نے بتایا۔ انکو ضرورت نہیں تھی کہ چھُپاتے۔ اس لیے کہ رسول ہی بتا دیتے تھے کہ کون ہیں۔ مگر بعد میں یہ چھُپتے نہ، تو ہم پتہ کیسے لگاتے! اُس وقت ضرورت تھی، یہ چھُپ جائیں۔ تو یہ منافق و یہودی رسول کی بارگاہ میں ہیں، دونوں کہتے ہیں۔ جھگڑا کیا تھا؟ آج میرے باغ کو پانی چلانے کی باری ہے۔ یہودی کہتا تھا میرے باغ کو پانی چلانے کی باری ہے، منافق کہتا تھا میرے باغ کو۔ منافق جو بظاہر مسلمان تھا، جا کے رسول کے پاس کہتا ہے۔ منافق کہتا ہے: اے اللہ کے رسول! میں مسلمان ہوں، یہ یہودی ہے۔ یہ مقدمہ میں بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ کہا میں مسلمان ہوں، یہ یہودی ہے۔ اپنے اسلام کا پروپیگنڈا (Propaganda) کر رہا ہے۔ میں مسلمان یہ یہودی ہے۔ سرکار نے بات سنی سن کر کے یہودی کے حق میں فیصلہ فرمایا۔ حق یہودی کا تھا۔ آخر میں یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا۔

منافق کو اطمینان نہ ہوا۔ منافق کو اس کا بہت رنج ہوا اور وہ یہودی کو لیکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچا کہنے لگا، سنا ہے آپ بڑے عدل والے ہیں اور اپنا تنازعہ بیان کیا۔ یہودی نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ اس سے قبل حضور میرے حق میں فیصلہ کر چکے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ غصے سے لال سرخ ہو گئے۔ فرمایا: میں ابھی فیصلہ کرتا ہوں، آپ اندر گئے اور اپنی تلوار لے آئے اور اُس منافق کا سر تن سے جدا کر دیا اور فرمایا ”جس کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ قبول نہیں، عمر کے پاس اس کا یہی فیصلہ ہے کہ اس کی گردن اڑا دی جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

تو دوستو! ایمان نام ہے رسول کی محبت کا۔

تخلیقِ انسان کا مقصد

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ اور عبادت عبادت اس وقت بنتی ہے جب وہ ایمان کی بنیاد پر ہو۔ اب یوں کہہ لو“ ہم نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا

ہے کہ میرے محبوب سے محبت کریں''۔ میرے محبوب کی اطاعت کریں۔ میرے محبوب کی فرمانبرداری کریں۔ ؎

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں
محمد ﷺ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے   اسی میں ہے اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد ﷺ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی   خدا کے دامن توحید میں آباد ہونے کی
(ڈاکٹر اقبالؔ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

* * * *

خطبہ نہم

عنوان: نفس و روح کی حقیقت

بمقام۔ دیادرہ۔ بھروچ، گجرات، انڈیا۔

بموقع: جشن چہلم۔ سن ۲۰۰۱ء

اَلْفَاتِحَہُ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
وَ اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنْ۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیْمْ ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیْمْ۔
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ ط
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوْبِ وَدَوَائِھَا
وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُوْرِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنْ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنْ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنْ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِیْنَ۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ۔
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔
اَمَّا بَعْدُ

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمُ
کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔ (سورۂ آل عمران، آیت نمبر 185)
مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ (حدیث) (تفسیر نعیمی، جلد 4، صفحہ نمبر 394)
صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمُ۔
وَنَفَعْنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیْمُ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمٌ۔

مَنَّ عَلَیْنَا رَبُّنَا اِذْبَعَثَ مُحَمَّدًا　　اَیَّدَہٗ بِاَیْدِہٖ اَیَّدَنَا بِاَحْمَدًا
اَرْسَلَہٗ مُبَشِّرًا وَّاَرْسَلَہٗ مُمَجَّدًا　　صَلُّوْا عَلَیْہِ دَائِمًا صَلُّوْا عَلَیْہِ سَرْمَدًا
(محدث اعظم ہند سید کچھوچھوی)

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و

مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

بڑے لطیف ہیں نازک سے گھر میں رہتے ہیں　　میرے حضور میری چشم تر میں رہتے ہیں
ہمارے دل میں ہمارے جگر میں رہتے ہیں　　انہیں کے گھر ہیں یہ وہ اپنے گھر میں رہتے ہیں

یہ واقعہ ہے لباس بشر بھی دھوکا ہے　　یہ معجزہ ہے لباس بشر میں رہتے ہیں
ملٰئکہ بھی عقیدت سے دیکھتے ہیں انہیں　　جو خوش نصیب نبی کے نگر میں رہتے ہیں
یقین والے کہاں سے چلے کہاں پہنچے　　جو اہل شک ہیں اگر میں مگر میں رہتے ہیں
خدا کے نور کو اپنی طرح سمجھتے ہیں!　　یہ کون لوگ ہیں کس کے اثر میں رہتے ہیں
رہیں وہ اپنوں سے غافل ارے معاذ اللہ!　　خوشا نصیب! ہم ان کی نظر میں رہتے ہیں
(حضرت شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی)

جو بات سچ ہے عیاں اس کو صاف صاف کرے　　میرے مقام کی رفعت کا اعتراف کرے
دل و نظر میں خدا کا حبیب رہتا ہے　　کہو زمانہ سے آ کر میرا طواف کرے
(حضرت شیخ الاسلام علامہ سید مدنی میاں اخترؔ کچھوچھوی)

اگر خموش رہوں تو تو ہی سب کچھ ہے　　جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود
(اصغر گونڈوی)

بارگاہِ رسالت اور آلِ رسالت میں درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و

مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

ایک بار اور ہدیۂ صلوۃ پیش فرمائیں

صلی اللّٰہ علی النبی الامی و آلہ صلی اللہ علیہ وسلم

صلوۃ و سلاما علیک یا رسول اللہ

ایک بار اور نذرانۂ درود پیش فرمائیں

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

نظم ونثر کی شکل میں آپ بہت کچھ سن چکے۔ اب وقت جو ہے بہت نازک موڑ پہ پہنچ چکا ہے۔ یہ ایسا وقت ہے کہ آدمی نہ بھی چاہے تو بھی گھڑی پہ نظر پڑ ہی جاتی ہے۔ اس لیے میں نے بھی کوئی لمبی چوڑی تقریر کا ارادہ نہیں کیا ہے، صرف چند باتیں سمجھا کر اپنے مضمون کو ختم کر دوں گا۔

﴿تلاوت کردہ آیت کا صحیح ترجمہ﴾

میں نے ایک آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ایک حدیثِ قدسی کو بیان کیا ہے۔ مشہور آیت کریمہ ہے اس کے بارے میں آپ سنتے ہی رہتے ہیں۔ مگر جتنی آیت ہے اس سے آگے بڑھ کر مت سوچنا، ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ یہی نا؟ ترجمہ کریں گے، بات تو یہیں تک ہے نا؟ مگر کچھ لوگ غلطی سے بات آگے بڑھا دیتے ہیں، اس میں یہی تو ہے کہ ہر ایک کو موت آنی ہے۔ مگر آپ نے آگے کیا بڑھایا؟ کہ مر کر مرا رہنا۔ قرآن نے تو صرف یہ کہا تھا کہ مرنا ہے، یہ مرا رہنا، یہ کہاں سے نکالا؟ یہ قرآن کے اوپر اضافہ ہوگا۔ قرآن نے تو کہا موت کا مزا چکھنا ہے۔ مگر چکھنے کے بعد بھی زندہ ہوسکتا ہے۔ جو موت کا مزا چکھے وہ زندہ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ ارے ہوگا، زندہ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟ ہوگا۔ یہ تو سبھی مانتے ہیں نا، کہ قبر سے سب اٹھیں گے، تو یہ سب چکھے ہوئے ہیں کہ نہیں؟ چکھنے کے بعد ہی تو زندہ ہوتے ہیں نا؟ تو جو موت دے کر زندگی دے سکتا ہے تو یہ کہنا کہ مرنا! تو اب ہم یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ مرنا تو ہے ہی۔

﴿موت جسم کو آتی ہے روح کو نہیں﴾

اب حدیث کو سامنے رکھو، ”موتوا قبل ان تموتوا“۔ مرنا تو ہے ہی۔ تو مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ۔ مرنا ہے نا؟ تو مرنے سے پہلے ہی مر جاؤ۔ اور یہ بڑی مشکل بات ہو گئی، یہ مرنے سے پہلے کیسے مر جائیں؟ میں بتاؤں، پہلے یہ تحقیق کرو کہ مرتی کیا چیز ہے؟ مرتی کیا چیز ہے؟ آپ کے پاس روح ہے اور جسم ہے، کچھ روح کی خواہشیں ہیں کچھ جسم کی خواہشیں ہیں، کچھ جسم کی آرزوئیں ہیں کچھ روح کی آرزوئیں ہیں، تو روح الگ، جسم الگ، جسم ایک الگ چیز۔۔۔ اب مجھے یہ بتاؤ روح مرتی ہے یا جسم؟ اور یہ بتانا تو آسان ہے کہ آپ غسل روح کو دیتے ہیں یا جسم کو؟ اور کاندھے پر روح لیکے جاتے ہیں یا جسم کو؟ اور قبر میں روح کو دفن کرتے ہیں کہ جسم کو؟ اور دعاءِ مغفرت روح کو سامنے رکھ کر کرتے ہیں یا جسم کو؟ کیا مطلب ہے؟ مرتا جسم ہے نا؟ روح تو نہیں مرتی، روح نہیں مرتی۔ اور سنو روح ہی تو سب کچھ ہے، جسم اس کا ذریعہ تھا۔ دیکھنے والی چیز روح، سننے والی چیز روح، بولنے والی چیز روح، سوچنے والی چیز روح، تصرف کرنے والی چیز روح، یہ اور بات ہے کہ جب ہمارے جسم میں تھی تو دیکھنے کا ذریعہ آنکھ، سننے کا ذریعہ کان، بولنے کا ذریعہ زبان اور دوسرے کام کا ذریعہ ہاتھ پاؤں، تو یہ اس کے ہتھیار تھے۔ مگر سننے دیکھنے والی چیز نکل گئی، سننے دیکھنے والی چیز نکل گئی، جب اندر تھی تو مجبور تھی کہ صرف کان سے سنے، جب اندر تھی تو مجبور تھی صرف آنکھ سے دیکھے، اب نکل گئی، جدھر چاہے دیکھے، جس کی چاہے سنے۔۔۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیه۔

﴿روح کی طاقت﴾

یہی لوگ سمجھ لیں تو بہت بات سمجھ میں آجائے ہم اگر بلاتے ہیں تو سننے والی چیز تو سن رہی ہے، جو سننے والی چیز ہے وہ سن رہی ہے۔ ارے وہ روح کہیں بھی ہو، سنتی ہے۔ ارے عالم برزخ میں کہیں ہوگی نا؟ عالم برزخ میں کہیں ہوگی، جہاں ہو، وہاں سنتی ہے۔ جہاں ہو، وہاں سنتی ہے۔ آپ قبر کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ عالم برزخ میں، جہاں بھی ہو، وہاں سے دیکھے گی، وہیں سے دیکھے گی۔ اور آپ یہاں جو بولیں گے وہ وہیں سے سنے گی۔ اس لیے کہ قُرب وبُعد کی پابندیاں اس وقت تھی جب وہ عالم خلق کے اندر قید تھی، اب وہ عالم امر کی چیز ہے، وہ عالم امر کی چیز ہے اب فضائیں اسے مجبور نہیں کرسکتیں۔

ذرا سا آپ دیکھیں، جب روح نکلتی ہے تو اس کی طاقت کم نہیں ہوتی، بڑھتی ہے۔ طاقت اس کی کم نہیں ہوتی، بڑھتی ہے۔ تعجب کی بات ہے! جس کی طاقت کم ہو، اس کا سننا مانو اور جس کی طاقت بڑھ جائے! جس کی طاقت بڑھ جائے! جس کی طاقت بڑھ جائے اس کے سننے میں شک وشبہ کرو! سوچنے کی بات ہے! تو بات یہ چل رہی تھی کہ روح کا کوئی مقام ہوگا۔

روحِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مقام

یہاں میں اکثر پوچھ لیا کرتا ہوں کہ ایک بات بتاؤ؟ روح رکھی کہاں جائے گی؟ تو آپ کہیں گے جس کا جیسا عمل ویسا مقام، عمل جس شان کے لائق ہو روح وہاں رکھی جائے گی۔ عالمِ برزخ کو چھوٹا مت سمجھنا، شکمِ مادر کے سامنے یہ دنیا کتنی بڑی ہے؟ تو عالمِ برزخ کے سامنے یہ دنیا شکمِ مادر ہے۔ اب کتنا بڑا عالم برزخ؟ اسفل السافلین اور اعلیٰ علّیین بھی وہیں ہے۔ جس کی جیسی شان اس کو وہاں رکھتا گیا۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں یہ بتاؤ جب کہ روح نکلی ہوگی تو عالم برزخ میں کہاں رکھا گیا ہوگا؟ اب کوئی نبی کی روح کے لائق مقام تلاش کرو؟ اگر آپ کہیں گے عرشِ اعظم، ہم کہیں گے وہاں تو نبی کے قدم پہنچے تھے، آپ کہو گے جنت، جنت میں تو نبی کے غلام رہیں گے، میں نبی کی روح کے لائق چیز تلاش کر رہا ہوں اور سنو نبی کی روح کو تو جانے دو نبی ابھی جس جگہ آرام فرما رہے ہیں اور زمین کا جو حصہ جسمِ رسول سے لگا ہوا ہے وہ کعبہ سے بھی افضل ہے۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ زمین کا وہ حصہ جو جسمِ رسول سے لگا ہے وہ جزوِ رسول نہیں ہے، وہ جزوِ رسول نہیں ہے، جسم رسول سے لگا ہوا ہے، وہ عرش سے بھی افضل اور کعبہ سے بھی افضل۔ تو اب بتاؤ خاک کے وہ ذرے جو بشریت مصطفٰی کے جزو سے لگ گئے ان کا کیا مقام! پھر روحِ مصطفٰی کا کیا مقام! اب اس روح کے لیے تلاش کرو؟ عالمِ برزخ میں کوئی جگہ ہے جہاں اس روح کو رکھا جائے! جب یہ بات کہو گے اور اگر فرشتے یہ سوال کر لیتے تو تعجب نہیں کہ وہاں ان کو جواب بھی مل جاتا کہ اے فرشتو! اس روح کے مناسب وہی جگہ ہے جہاں سے نکالی گئی ہے، جہاں سے نکالی گئی ہے، اس روح کے مناسب وہی جگہ ہے۔ روح محمدی کے لائق صرف جسم محمدی، روحِ محمدی کے لائق صرف جسم محمدی ہے۔ تو اس روح کو اُس جسم میں پلٹا دو، اس جسم میں پلٹا دو۔ جبھی تو نبی کی جسمانی زندگی ہے، جس میں تاویل وتوہم کا کوئی اندیشہ نہیں۔ تو نبی کے جسم میں روح پہنچ گئی، تو پہلے سنتی تھی، اب نہیں سنے گی!

اللّٰھم صل علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل سیدنا ومولانا محمد کما تحب وترضٰی بان تصلی علیه۔

سماعِ موتٰی کی دلیل

ایک بات اور بتاؤں، میں ایک دلیل دوں، مردے کو آواز نہیں دینا چاہئے، مردے کو نہیں پکارنا چاہیے، پتہ نہیں قرآن کیا پڑھتے ہیں؟ اور کیسے پڑھتے ہیں؟ اندھے ہو جاتے ہیں۔ وہ مشہور واقعہ آپ کو معلوم ہے کہ نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں معروضہ پیش کیا تھا کہ اے اللہ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ تو مردے کو کیسے زندہ کرتا ہے؟ مشہور چیز۔ تو حکم الٰہی ہوا کہ اچھا، کیا تمہیں اطمینان نہیں؟ ایمان نہیں؟ کہا ایمان تو ہے مگر اطمینان۔ ایمان کے اوپر ایک درجہ ہوتا ہے۔ ایک علم الیقین کے اوپر عین الیقین ہے، عین الیقین وہ علم الیقین کے اوپر۔ دلائل سے، آپ جوابات میں یقین کریں، دلائل کی روشنی میں وہ ''علم الیقین'' ہے۔ مشاہدے سے یقین کریں ''عین الیقین''۔ اور خود اسی میں گم ہو جائیں یہ ''حق الیقین'' ہے۔ دلائل کی روشنی میں آپ نے سمجھا آگ جلاتی ہے، یہ علم الیقین۔ دیکھ لیا جلا رہی ہے، یہ عین الیقین ہے۔ خود جا کر جل گئے یہ حق الیقین ہے۔ اور ہمارا مست قلندر کہا کرتا تھا کہ حضرت ایک چوتھا بھی ہے، کہا وہ کیا ہے؟ کہا ''ڈھل مل یقین''۔ وہ یقین کے کسی درجہ میں نہیں ہوتا۔

دیکھا آپ نے، اطمینان۔ کہا، اچھا تم چار پرندوں کو اپنے سے مانوس کر لو! کر لیا،

اب اسے ذبح کرڈالو! ٹکڑے ٹکڑے کرڈالو! اچھا سب ملا لو! ملا کر مختلف چٹانوں پہ رکھ دو! تو اب جس کو ذبح کیا ہے مردہ ہوا کہ نہیں؟ ارے ٹکڑے تو ہوئے صاحب، اس کے اور ہر ہر جز کو انھوں نے رکھ دیا اور حضرت ابراھیم سے خدا ارشاد فرماتا ہے ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا۔ (سورہ بقرہ۔آیت نمبر 260) اے ابراہیم ان کو بلاؤ! تو ’یا‘ کہہ کے ہی تو بلائیں گے۔ اے ابراہیم ان کو بلاؤ! یہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ اب یہ پوچھو مردے کو بُلاتے ہیں کہ زندے کو؟ مردے کو بلاتے ہیں کہ زندہ کو؟ مردے کو بلاتے ہیں، بتاؤ مردہ سنتا ہے کہ نہیں؟ سنتا ہے، مردہ سنتا ہے کہ نہیں؟ سنتا ہے۔ اگر نہیں سنتا تو بلانے کا حکم تو عبث ہے اور یہ خدا نے حکم دیا ہے، بلاؤ! یعنی خدا بھی کہہ رہا ہے مردہ سنتا ہے، مردہ سنتا ہے۔ بات یہ ہے کہ جسم کو نہیں سنانا ہے، روح کو سنانا ہے۔ جسم کو نہیں روح کو سنانا ہے، مردہ سنتا ہے۔ اور پھر حضرت ابراہیم بلاتے ہیں تو دوڑ کر پرندے آجاتے ہیں، میں اس مقام پہ یہ سوچتا ہوں کہ حضرت ابراھیم نے تو خدا سے پوچھا تھا کہ خدا تو بتادے تو مردہ کو کیسے زندہ کرتا ہے اور خدا نے حضرت ابراھیم سے کہا تُو بُلا، تُو بلا۔ کیا بتایا؟ کہ اے ابراہیم تُو یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ میں مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہوں، میں تمہاری آواز میں، تمہاری زبان میں وہ برکت نہ دے دوں کہ تُو بلائے، تُو بلائے تو مردہ زندہ ہو۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضیٰ بان تصلی علیه۔

﴿نفسانی خواھشات کو مارو!﴾

اب ایک بات بتاؤ! انصاف سے بتاؤ! بات وہی چل رہی تھی کہ مرتی کیا چیز ہے؟ مرنے والی چیز ہے کیا؟ جسم سے روح نکلتی ہے نا؟ تو مرنے والی چیز جو ہے وہ جسم ہے، جسم کی آرزوئیں مرتی ہیں، جسم کی خواہشات مرتی ہیں۔ پھر وہ جسم جو پڑا ہوا ہے، نہ بھوک کی شکایت کرپاتا ہے نہ پیاس کا واویلا کرتا ہے، نہ کچھ مانگ پاتا ہے نہ کسی خواہش کا اظہار کر سکتا ہے۔ دنیاوی خواہش میں ہم لگے ہوئے ہیں، یہ ہماری جسمانی خواہش جتنی بھی ہیں، اس میں ہم پھنسے ہوئے ہیں۔ ہمارا جسم چاہتا ہے، نفسانی خواہشات ہے اور یہ سب چیزیں مرنے والی ہیں۔ جب روح نکلے گی سب مرنے والی ہیں۔ تو کہتے ہیں ’موتوا قبل ان تموتوا‘ جو چیز مرنے والی ہے اسے پہلے ہی ماردو، اسے پہلے ہی ماردو۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضیٰ بان تصلی علیه۔

بزرگانِ دین نے یہی نسخہ استعمال کیا۔ یہی استعمال کیا کہ جسے آخر میں مرنا ہے اسے ہم کیوں نہ پہلے ہی ماردیں۔ نفس کو ماردیں، نفسانیت کو ماردیں، اس کی آرزؤں کو ماردیں، اس کی خواہشات کو ماردیں۔ اور جب سب کچھ مرجائے گا تو ہمارے جسم کے اندر روح ہوگی، روحانیت ہوگی، روح کا غلبہ ہوگا، روح کی سلطنت ہوگی، پورا جسم روحانی ہوگا۔ ہمارے جسم میں مرنے والی کوئی چیز نہ ہوگی۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضیٰ بان تصلی علیه۔

{کرامتِ خطابتِ حضرت شیخ الاسلام}

[نوٹ: اس کتاب ”خطباتِ شیخ الاسلام سیریز دوم“ کی تخریج ونظرِ ثانی کا کام انجام دینے والے جناب الحاج نعیم احمد برکاتی کپٹہال، جو ایک نیک صفت، متقی آدمی ہیں، علمی شغف رکھتے ہیں، برکاتیہ کتب خانہ کے نام سے قول پیٹھ ہبلی میں، جن کی پرانی دکان ہے۔ ان کو حضرت شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ العالی کی یہ تقریر، جس میں حیات و موت اور نفس و روح کے بارے میں ہے۔ وہ حضرت کی اس تقریر کو پڑھ رہے تھے اور تخریج و نظرِ ثانی کا کام کررہے تھے، اسی دوران، رات کو سونے کے بعد خواب میں سرکارِ دو عالم ﷺ کے دیدار سے مشرف ہوئے۔ الحمد للہ۔ یہ واقعہ ماہِ ذی القعدہ ۱۴۳ھ کا ہے۔ بطورِ تحدیثِ نعمت ان کی یہ تحریر کردہ مندرجہ ذیل اقتباس اس کتاب میں شامل کی گئی ہے۔ (مرتب: نعیم الدین اشرفی)]

☆☆☆☆☆

”سبحان اللہ! سبحان اللہ! آج شبِ دوشنبہ خطباتِ شیخ الاسلام سیریز 2 کی اس تقریر کی تصحیح یہاں تک مکمل کر کے جب میں (محمد نعیم احمد برکاتی) سو گیا تو میرا نصیبہ جاگ گیا اور خواب میں مَیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میں مدینہ منورہ پہنچ چکا ہوں۔ پھر میں مسجدِ نبوی میں داخل ہوا۔ اور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ اقدس پر جب میں حاضری دینے پہونچا تو وہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرِ مبارک کی جانب اور قدمِ ناز کی جانب دروازہ تھا۔ میں سرِ اقدس کی جانب دروازہ سے داخل ہونا چاہ رہا تھا تو فوراً مجھے خیال آیا کہ نہیں، اصل سنت طریقہ تو یہ ہے کہ قدمِ ناز کی جانب سے داخل ہوں۔ یہ سوچ کر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں کی جانب دروازہ سے اندر داخل ہوا۔ تو سبحان اللہ! کیا کہنے، سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی قبرِ انور کے باہر آرام فرما رہے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سرِ اقدس سے قدمِ ناز تک سفید کفن میں ملبوس ہیں اور صرف چہرۂ انور کھلا ہوا ہے۔ یہ منظر ملاحظہ فرماتے ہی میں فوراً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پائے ناز کی جانب ادب سے ہاتھ باندھے کھڑا ہو کر چہرۂ زیبا کی زیارت کرتا ہوا درود شریف پڑھنے لگا۔ تو کیا دیکھا کہ آپ میری جانب دیکھ رہے ہیں، نگاہِ کرم فرما رہے ہیں۔ اور ہر درود شریف پر میری آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔

تو میں دل ہی دل میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہابی لوگ تو کہتے ہیں کہ آپ مر گئے ہیں (معاذ اللہ) یہ کس قدر سفید جھوٹ ہے۔ یہاں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حقیقت میں زندہ ہیں۔ اور اس سے بڑھ کر زندہ وٹھوس ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے؟ کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نظروں کے سامنے ہیں اور اس عاصی پر نظرِ کرم فرما رہے ہیں۔ پھر اچانک سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو مرتبہ پلک جھپکی، جسے دیکھ کر میں مزید متاثر ہوا۔ اتنے میں میری آنکھ کھل گئی اور میں بیدار ہو گیا۔

جب بیدار ہوا تو اللہ جلّ شانہ‘ کا شکر ادا کیا اور خواب میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو مجھ فقیر پر نظرِ کرم فرما رہے تھے، اسے یاد کر کے یہ اشعار گنگنانے لگا؎

کیسی رونق فزا آج کی رات ہے　　شاہ جلوہ نما آج کی رات ہے
لُوٹ لو آج بحرِ سخا لُوٹ لو　　لُوٹنے کا مزہ آج کی رات ہے

اب بھی وہ جلوۂ زیبا میری نگاہوں میں ہے۔

صلی اللّٰہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم صلوۃ و سلاما علیک یارسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم“

☆☆☆☆☆

﴿موت کا ذائقہ﴾

تو جو چیز بعد میں مرنے ہی والی ہے پہلے ہی مار دو، اسے پہلے ہی مار دو۔ پھر کوئی چیز رہے گی ہی نہیں۔ اسی لیے بزرگانِ دین۔ یہ سب کچھ مار دیتے ہیں اور جو یہیں مار دیتے ہیں وہ یہاں بھی زندہ رہتے ہیں وہاں بھی زندہ رہتے ہیں۔ ان کو موت آتی ہی نہیں وہ صرف موت کا ذائقہ چکھتے ہیں۔ اور ایک بات اور بھی ہے۔ کیا ضروری ہے کہ کسی کو ذائقہ اچھا لگے! کسی کا مزاج خراب ہو تو میٹھا اچھا نہیں لگتا، معدہ خراب ہو تو کھچڑا اچھا نہیں لگتا۔ کوئی ضروری نہیں کہ سبھی کو ایک طرح کا ذائقہ ملے۔ کھانے کا ذائقہ سب کو ایک طرح ملے۔ اور انہوں نے موت کو خوش ذائقہ بنا دیا، موت میں بھی ایسا ذائقہ کہ جس کے تصور سے آپ کا موڈ خراب ہو جائے۔ ابھی میں کہوں کہ موت میں بڑا ذائقہ ہے۔ ہے کوئی چکھنے کو تیار۔ اس ذائقہ کا اثر میں بتاؤں۔ کیسا ذائقہ ملتا ہے؟ موت سے کیسا ذائقہ ملتا ہے۔

﴿واقعہ﴾

حضرت امام عالی مقام (امام حسین رضی اللہ عنہ) نے جب اپنے بھتیجے حضرت قاسم سے پوچھا، جب وہ آئے تھے، اجازت لینے کے لیے، اب ہم کو بھی میدان جہاد میں

جانے دیجئے۔ تو انہوں نے کہا بیٹے یہ بتاؤ تم موت کو سمجھتے کیا ہو؟ یہ حسن کے گھر کا بچہ، ظاہر ہے اسے یہ ذائقہ باپ دادا سے ملا ہوگا، حسین کہتے ہیں بیٹے یہ بتاؤ، تم موت کو سمجھتے کیا ہو؟ الفاظ سنو احلق العسل، شہد سے زیادہ میٹھا، شہد سے زیادہ میٹھا۔ یہ وہی کہہ سکتا ہے جو اپنے نفس کو مار چکا ہو، جسمانی خواہشات ختم ہو چکی ہو، وہی یہ کہہ سکتا ہے، اسے ذائقہ مل رہا ہے، اس کو ذائقہ مل رہا ہے۔

﴿شیطان کے فریب سے بچو!﴾

اور دوستو! نفس کو مارنا یہ آسان کام نہیں ہے، بہت مشکل کام ہے۔ اس لیے کہ نفس کی اعانت میں شیطان ہر وقت لگا رہتا ہے، شیطان ہمیشہ مدد پہنچاتا ہے، نفس نہ بھی بلائے تو بھی وہ آجاتا ہے، شیطان کے آنے کے لیے بلانے کی بھی ضرورت نہیں کہ نفس فریاد کرے 'المدد یا ابلیس۔' اس کے کہنے کی ضرورت نہیں، وہ فوراً ہی آجاتا ہے، فوراً ہی آجاتا ہے۔

ذرا سا دیکھئے۔ اچھا ابلیس بھی بڑا چالاک ہے۔ اس نے بھی یہ سوچا، نفس کی مدد کے لیے ہم تو جا رہے ہیں مگر عقل بھی اپنے مددگار کو بلائے تو نفس بھی ہے عقل بھی ہے نا، دونوں کمزور نہیں ہیں، عقل تنہا پڑ گئی، نفس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہو گیا، کہیں عقل نے بھی اپنے مددگار کو بلا لیا تو کیا ہوگا؟ اس لیے کہ ہمیشہ عقل کے جو مددگار رہیں شیطان ان سے گھبراتا ہے، عقل کے مددگاروں میں سے تو ایسے بھی ہیں کہ وہ آتے ہیں تو شیطان راستہ بدل دیتا ہے، عقل کے مددگار بڑے زوردار ہیں، وہ بھی کمزور نہیں ہیں۔ انہوں نے نفس کو ایسا مار دیا کہ وہ بھی عقل کل بن گئے۔ اب اس نے سوچا کہ کہیں عقل اپنے مددگاروں کو نہ بلائے تو شیطان آیا۔ تو ایک فتویٰ جھاڑتا ہوا آیا۔ کہ غیر خدا کو بلانا شرک ہے، غیر خدا کو بلانا شرک ہے۔ عقل کو دھوکا دے رہا ہے، خود مدد کے لیے آرہا ہے عقل کو دھوکا دے رہا ہے۔ خود مدد کے لیے آرہا ہے۔ ذرا سا دیکھو کہ کتنا بڑا فریب دے رہا ہے۔ مگر جس عقل پر خدا کی

رحمتیں ہوں وہ اس دھوکے میں نہیں آسکتی، نہیں آسکتی۔ تو نفس بھی بڑا مضبوط ہے۔ اس کے مارنے والے بھی بڑے اُونچے درجے کے لوگ ہیں۔

﴿جہاد بالنفس کے چند واقعات﴾

میں اس سلسلے میں سبق آموز کچھ واقعات پیش کروں۔ کہ نفس کا مارنا آسان نہیں۔ ایک تو ہمارے ہی علاقہ کا ایک واقعہ تھا۔ ٹانڈے (یوپی) ہی کا، ایک شاہ صاحب تھے، وہ شاہ صاحب گھوم رہے تھے، پھر رہے تھے۔ اور عجیب بولی بول رہے تھے۔ لوگ بہت حیران تھے کہ شاہ صاحب کیا بک رہے ہیں، کہتے کیا تھے: ''نہ تو میرا خدا نہ میں تیرا بندہ میں تیرا کہنا کیوں مانوں''۔ اب یہ بات بڑی خراب تھی نا۔ اتفاق سے مولانا قاضی شمس الدین علیہ الرحمۃ والرضوان وہاں منظر الحق میں شیخ الحدیث تھے۔ ان کے کانوں تک بات پہنچائی، ایک شاہ صاحب یہ کہہ رہے ہیں۔ تو علما جو ہوتے ہیں وہ جلدی سے فتویٰ نہیں دے دیتے، یہ تو جاہل لوگ ہیں، جاہل لوگ ہیں۔ سمجھا! جاہلوں کا عجیب عالم ہے، فتویٰ دینے میں جلدی کرتے ہیں اور غلطی کر دیا تو توبہ نہیں کرتے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ۔

تو انہوں نے کہا کہ بھئی شاہ صاحب! کبھی اِدھر سے گزرے تو میرے پاس لانا، جب کبھی گزرے تو میرے پاس لانا۔ جناب والا خیر لے آئے، اُدھر سے گزرے، تو کہا کہ مولانا آپ کو یاد کر رہے ہیں، شاہ صاحب مولانا کے پاس بڑے ادب کے ساتھ گئے اور بڑی دانائی کی باتیں، علیک سلیک، آرام سے بیٹھے۔ کہا کہ شاہ صاحب آپ کیا کہتے ہیں؟ کہا مولانا آپ عالم دین، نائب رسول ہیں، آپ نے پوچھا میں بتاؤں گا، یہ میرا اخلاص ہے آپ کو بتاؤں گا، تو بتایا، کہا کہ میرے نفس نے غلطی کی اس کو کھول کر مجھے شرمندہ نہ کریں۔ اب میں اپنے اس نفس کو سزا دے رہا ہوں، تین دن سے میں نے نہ

کچھ کھایا نہ پیا اور نفس چیخ رہا ہے، بھوک، بھوک، پیاس، پیاس، پیاس، ۔ نفس کھانا مانگ رہا ہے، نفس پانی مانگ رہا ہے۔ تو میں اپنے نفس سے کہتا ہوں: ''نہ تو میرا خدا نہ میں تیرا بندہ، میں تیرا کہنا کیوں مانوں''۔ جب میں یہ کہتا ہوں تو مجھے سکون ملتا ہے۔ تو شاہ صاحب کو جانے دیا۔ لوگوں سے کہا ان کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔

اس سلسلے میں ایک اور بہت ہی عبرت اور سبق آموز واقعہ۔ یہ رجال حدیث میں ایک بزرگ، راویانِ حدیث میں جن کا ذکر آتا ہے۔ ''علامہ ابنِ نجیم''۔ وہ اپنے شیخ عثمان حیری کی بارگاہ میں، ان کے پیر و مرشد تھے، ان کی بارگاہ میں سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے کسی دینی کام کے لیے، انہوں نے کچھ عطیات مانگے اپنے مریدین سے اس وقت ان کے پاس بہت کچھ تھا تھیلی میں لیکے پہنچ گئے۔ جیسے ہی تھیلی سامنے رکھی سب کے سب سبحان اللہ، سبحان اللہ، نعرہ لگایا، ماشاء اللہ۔ الحمد للہ۔ نعرہ لگنے لگا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ بیٹھے رہے اور پھر چپکے سے اٹھے۔ حضور مجھ سے غلطی ہوگئی، میں نہیں دیتا۔ مجھے واپس کیجیے، مجھے واپس کیجیے۔ حضرت نے واپس کردیا، لے جاؤ۔ واپس لینا تھا، لعنت شروع، ارے پیر کو دیکے لے لیا، پیر کو دیکے لے لیا۔ الراجع فی ھبتہ کالراجع فی قیئہ، (ابن ماجہ) پڑھنے لگے لوگ۔ یعنی دے کے لے لیا، تھوک کے چاٹ لیا۔ کیسا بخیل ہے۔ ارے پیر کا بھی اس نے لحاظ نہیں کیا، پیر کو دے کے لے لیا، اب لعنت شروع۔ مگر وہ اپنا لے کے چلے گئے۔ رات کی تاریکی میں آئے اور آ کر پیر سے کہتے ہیں: حضور میں نے تو خدا کے لیے دیا تھا مگر لوگوں نے میری تعریف کی تو میرا نفس خوش ہوگیا، میں بھی کچھ ہوں، میں بھی کچھ ہوں۔ یہ دل میں آیا، تو میں نے سوچا ابھی بہت کچھ ہوا ہے، اب میں زندگی بھر اس پر لعنت بھیجواؤں گا۔ یہ آپ لیں۔ خدا کے واسطے جہاں چاہیں خرچ کریں۔ مگر خدا کے لیے میری زندگی میں یہ راز نہ کھولیں، میری زندگی میں یہ راز نہ کھولیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک وہ زندہ رہے، جس راستہ سے وہ گزرتے تھے، کہ یہی وہ ہے کہ یہی وہ ہے جس نے دے کے لے لیا، دے کے لے لیا، یہی وہ ہے اور پھر یہ خاموشی سے گزر کر نفس سے کہتے تھے ایک ہی بار تو تُو خوش ہوا تھا نا؟ زندگی بھر لعنت بھیجواؤں گا، ایک ہی بار تو تو خوش ہوا تھا نا؟ زندگی بھر لعنت بھیجواؤں گا۔ بولو جب انہوں نے اپنے نفس کو مار دیا، اب ان کے پاس مرنے والی چیز ہی کیا ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضیٰ بان تصلی علیہ۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صلوٰۃ وسلامًا علیک یا رسول اللّٰہ

﴿روحانی زندگی کا راز﴾

یہ بڑی راز کی بات ہے کہ یہ ریاضت کرنے والے، بُرجِ اَوجی میں گیارہ گیارہ سال تک کی ریاضت۔ بزرگانِ دین نے اپنے چلہ گاہوں میں ریاضت کی، وہ نادانی نہیں کررہے تھے۔ بلکہ مرنے سے پہلے اپنے آپ کو مار رہے تھے، مرنے سے پہلے اپنے کو مار رہے تھے۔ اور پھر ایسا زندہ ہوئے، ایسا زندہ ہوئے، یہاں بھی زندہ وہاں بھی زندہ۔ دیکھو! آپ سمجھتے نہیں ہیں، زندگی کا راز کیا ہے، موت کسے کہتے ہیں؟ زندگی کسے کہتے ہیں؟ قرآن سے پوچھو، قرآن سے پوچھو۔ ایک انسان چل پھر رہا ہے، سن رہا ہے، بول رہا ہے، دیکھ رہا ہے، دھرتی کے اوپر چل رہا ہے اور قرآن کیا کہتا ہے۔ یہ گونگا ہے، یہ بہرا ہے۔ اندھا ہے۔ صُمٌّ ۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَھُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ (سورہ بقرہ۔ آیت نمبر 18) اور یہ دھرتی پر چلنے والے اِنَّکَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی۔ (سورہ نمل۔ آیت نمبر 80) اے محبوب تم ان مُردوں کو سنا نہیں سکتے۔ یہ مُردوں کو سنا نہیں سکتے، تو کیا قبرستان میں گئے تھے رسول! مُردوں سے کون مراد ہے؟ کفّار و مشرکین۔

ساری تفسیریں یہی کہتی ہیں۔ ''تفسیر ابن کثیر'' پر زیادہ اعتماد ہے، اس میں بھی یہی بات ہے، یہ مردہ ہیں۔ اب لطف کی بات دیکھو! جو چل رہا ہے وہ مردہ ہے، جو سن رہا ہے وہ

بہرا ہے، جو دیکھ رہا ہے وہ اندھا ہے، جو بول رہا ہے وہ گونگا ہے۔ اور ایک منظر میں نے اور بھی دیکھا۔ ایک شخص کی گردن کٹی ہوئی ہے، ہاتھ ادھر ہے، پیر اُدھر ہے، دھڑ اُدھر ہے، ٹکڑے ٹکڑے الگ ہیں۔ ہم دور سے دیکھتے ہیں، نہ اس کے سننے کا شعور ہو رہا ہے ہمیں، نہ اس کے دیکھنے کا شعور ہمیں ہو رہا ہے، نہ اس کی زندگی کا شعور ہمیں ہو رہا ہے۔ ایک شخص وہ، قرآن کہہ رہا ہے: وَلَا تَقُولُوا لِمَنۡ يُّقۡتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمۡوَاتٌّ بَل اَحۡيَاءٌ۔ (سورہ بقرہ۔ آیت نمبر 154) ارے یہ جو ٹکڑے ٹکڑے پڑے ہوئے ہیں، اللہ کی راہ میں قتل کیے گئے ہیں، ان کو مردہ مت کہو بلکہ یہ زندہ ہیں۔

آپ سوچیں گے، شاید ادب کا سبق سکھایا جا رہا ہے۔ مر تو گئے ہیں مگر مردہ مت کہو۔ ادباً۔ مر تو گئے ہیں مگر مردہ مت کہو۔ کہنے سے روکا گیا، یہ ادب ہے۔ مگر سوچ تو سکتے ہیں مردہ۔ قرآن نے کہا وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمۡوَاتًا ؕ (سورہ آل عمران۔ آیت نمبر 169) نہیں نہیں صرف کہنے پر رکاوٹ نہیں، گمان بھی مت کرو، گمان بھی مت کرو۔ کیوں کہ وہ زندہ ہیں۔ ارے وہ جس کو ہم نے زندہ سمجھا، قرآن نے کہا یہ مردہ ہیں ادر جن کو ہم نے مردہ سمجھا، قرآن نے کہا یہ زندہ ہیں۔ اور ان کی زندگی اتنی مضبوط کہ ہماری بھی زندگی اُتنی نہیں۔

شہید کو مردہ کہنا کفر ہے

آؤ میں بتاؤ۔ دیکھئے یہاں پر ماشاء اللہ سب زندہ ہی لوگ ہیں نا؟ زندہ ہی ہیں۔ اچھا تو اب میں یہ کہوں، اے لوگو! یہاں پر جو بیٹھے ہیں سب مردہ ہیں، سب مردہ ہیں۔ اب بول دیا میں، دوسرے دن، کچھ لوگ فتویٰ کا سوال کرنے کے عادی ہوتے ہیں، موقع مل جائے، سوال کے عادی ہوتے ہیں، موقع مل جائے سوال کرنے کا۔ فتویٰ کا مضمون تیار ہو گیا۔

کیا فرماتے ہیں علما دین ومفتیانِ شرع متن، زید کے بارے میں جس نے اعلانیہ اتنے کثیر مجمع میں، سب آنکھ رکھنے والے، جان رکھنے والوں کو مردہ کہہ دیا۔ مردہ کہہ دیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں ہوگی؟ نماز کی بڑی فکر ہے۔ اس کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں ہوگی۔ سمجھا۔ اب اس کے بعد مفتی صاحب نے جواب دیا۔ الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب۔ صورت مسئولہ میں زید علانیہ جھوٹ بولا، زندوں کو مردہ کہا۔ وہ بڑا کُھلا ہوا فاسق معلن ہے۔ اس نے علانیہ جھوٹ بات کہی۔ اب اس کے پیچھے اگر کوئی نماز پڑھے گا تو اس کو لوٹانا ہوگا، نماز مکروہ تحریمی ہوگی۔ اس کے پیچھے جب تک کہ وہ اعلانیہ توبہ نہ کرلے۔ ھذا ما عندی۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جلّ مجدہٗ واتم واحکم۔

فتویٰ تیار۔ تیار۔ مگر مفتی صاحب سے یہ پوچھو کہ زید کے پیچھے تو تیری نماز نہیں ہوگی۔ مگر تیرے پیچھے زید کی تو ہوگی! کیا مطلب؟ مطلب کیا کہ تم کو ہم مردہ کہیں تو صرف فاسق بنتے ہیں اور یہ ایسے زندہ ہیں کہ انہیں مردہ کہو تو کافر ہو جاؤ۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و

مولانا محمد کما تحب و ترضیٰ بان تصلی علیہ۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ صلوٰۃ وسلامًا علیک یا رسول اللہ۔

تمہاری زندگی، ہوئی نہ کمزور! کہ۔۔ انکار کرتا ہوں تو صرف فاسق بنتا ہوں اور ان کی زندگی ایسی مضبوط کہ انکار کرو تو منکرِ قرآن ہو جاؤ۔ قرآن کہتا ہے بَل اَحۡيَاءٌ، قرآن کہتا ہے زندہ ہے۔ ہم کہتے ہیں مردہ!

نبی کی وفاداری زندگی ہے اور غداری موت ہے

ذرا سا آپ دیکھیں۔ اتنی زوردار۔۔ اس کے برخلاف وہ جو چل پھر رہے تھے وہ مردہ، جو کٹ گیا وہ زندہ، معلوم ہوا جناب زندگی اور موت کا تعلق روح کے آنے جانے سے نہیں، روح کے بدن میں رہنے نہ رہنے سے نہیں ہے، زندگی و موت کا تعلق وہ جو ہے

نبی کی وفاداری اور غداری سے ہے۔ نبی کی وفاداری اور غداری سے ہے۔ جو نبی کا وفادار ہے وہ یہاں بھی زندہ ہے وہاں بھی زندہ ہے، جو غدار ہے وہ یہاں بھی مردہ ہے، وہاں بھی مردہ ہے۔ وہ وہاں بھی مردہ ہے۔ غداری سے انسان مردہ ہوتا ہے۔ نبی کی وفاداری سے ایسی زندگی ملتی ہے جو یہاں بھی رہتی ہے وہاں بھی رہتی ہے اور غداری سے ایسی موت ملتی ہے۔ اسی لیے دوستو! نبی کے غداروں کا حال تم نے نہیں دیکھا! جو مردوں کا کام ہے، وہی ان کا کام۔ اور ہم زندہ ہیں تو جو زندوں کا کام، وہی ہمارا بھی۔

﴿نیاز و فاتحہ کا فائدہ﴾

دیکھئے! زندہ ہی لوگ آپس میں لین دین کرتے ہیں، آپ کے کچھ بیٹے انگلینڈ میں رہتے ہیں۔ وہاں سے بھیجتے ہیں، یہاں سے آپ کچھ بھیجتے ہیں۔ تحفہ یہ ہوتا ہے نا۔ کچھ تحفے آپ کے جاتے ہیں کچھ اُدھر سے آتے ہیں۔ خط و کتابت ہوتی ہے، سب کچھ ہوتا ہے، بات چیت بھی ہوتی ہے، رابطے رہتے ہیں۔ یہ تو آپ دیکھتے ہیں نا۔ تو یہ زندوں میں ہوتا ہے، مردوں میں نہیں ہوتا۔ مردہ کسی مردے کو کچھ نہیں دیتا، مردہ کسی مردے کو کچھ نہیں دیتا۔ اور ہم زندہ اور ہمارے جانے والے بھی زندہ۔ اسی لیے ہم تحفۂ نیاز و فاتحہ کے بھیجتے ہیں۔ اُدھر سے فیضان آتا ہے، ان کی مدد آتی ہے، ان کا کرم آتا ہے۔ تو ایک زندہ دوسرے زندہ کو دے رہا ہے۔ ایک زندہ دوسرے زندہ کو دے رہا ہے۔ مگر یہ مردے جو ہیں اپنے مردوں کو نہ کچھ دیتے ہیں نہ مردوں سے کچھ پاتے ہیں۔ اصل میں وہ سمجھتے نہیں نا!

ابھی دو آدمی چلے۔ آپ کے یہاں دیا درہ سے، دو چلے کمانے کے لیے۔ کہاں گئے؟ بمبئی۔ ایک نے قاعدے سے کوئی بزنیس شروع کر دیا اور ایک نے پاکٹ ماری شروع کر دی، پاکٹ مار پکڑا گیا۔ پکڑا کر جیل میں چلا گیا۔ بزنیس والا ابھی تک کام کر رہا ہے، کام کر رہا ہے، وہاں سے بھیج رہا ہے تو یہاں والا سوچ رہا ہے، یہ تو میرا پڑوسی بھیج رہا ہے۔ میرا جانے والا ابھی تک کچھ نہیں بھیجا۔ ابھی تک نہیں بھیجا۔ ابھی تک نہیں بھیجا۔ وہ نہیں جانتے کہ وہ وہاں گرفتار، وہ گرفتار ہے، گرفتار ہے۔ وہ کیا بھیجے گا! تو ارے اگر تمہیں اپنے گرفتاروں سے کچھ نہیں ملتا تو جو ہمارے آزاد ہیں اُن پر کیوں اعتراض کرتے ہو!

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و مولانا محمد کما تحب و ترضیٰ بان تصلی علیہ۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوت۔

﴿روح کا سفر﴾

بس ایک بات اور سمجھ لیں۔ یہ تو خیر کہنے کی بات ہے۔ حالانکہ ہم کھوئے کیا ہیں؟ ایک مکان سے دوسرے مکان کی طرف منتقل ہوتے ہیں۔ اور یہ منتقل ہونے کا نام موت رکھ دیا جائے۔ ہم کئی بار منتقل ہو چکے ہیں۔ ایک مرتبہ ہماری روح، عالم ارواح میں تھی وہاں سے جب حکمِ الٰہی ہوا تو ہم شکم مادر میں آئے، وہاں سے جب حکمِ الٰہی ہوا تو ہم یہاں آگئے، یہاں سے جب حکم الٰہی ہوگا تب ہم عالم برزخ میں چلے جائیں گے، وہاں سے جب حکم الٰہی ہوگا، تو میدانِ آخرت میں ہوں گے، وہاں سے جب حکم الٰہی ہوگا، تو جو جدھر کا ہوگا وہاں چلا جائے گا۔ تو اب یہ بتائیے یہ تو ہم ہی کر رہے ہیں نا؟ تو مرے کب؟ ہم کسی سفر کو ہم موت کہیں۔ جناب! روح کے نکلنے کا نام ضرور موت رکھ دیا گیا ہے۔ وہ صحیح ہے۔ مگر آپ اپنے جسم کو عین روح بنا لیں اور جسم کی تمام کثافتیں ختم کر دیں۔ تو پھر آپ یہاں بھی زندہ ہیں وہاں بھی زندہ ہیں۔ اور ایک آن کا جھٹکا ہے۔ ایک معمولی ذائقہ ہے جس کو چکھنے کے بعد آپ کو ابدی زندگی مل جاتی ہے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوتَ۔

وآخر دعوانا ان الحمد لِلّٰہ رب العلمین۔

☪ ☪ ☪ ☪

خطبہ دہم

عنوان: فلسفۂ موت و حیات

بمقام ناتھن پور، دھرہ دون، اترا کھنڈ

اَلْفَاتِحَہُ

اِلٰی حَضْرَتِ رُوحِ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمْ
وَاٰلِہ وَاَصْحَابِہ اَجْمَعِینْ۔
اَلْحَمْدُلِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ الَّذِیْ قَالَ فِیْ شَانِ حَبِیْبِہِ الْکَرِیمْ۔
عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالتَّسْلِیمْ۔
اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہُ یُصَلُّونَ عَلَی النَّبِیّ ط
یٰٓاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیمًا۔
لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ وَ بَارِکْ عَلٰی
سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ طِبِّ الْقُلُوبِ وَدَوَائِھَا
وَعَافِیَۃِ الْاَبْدَانِ وَشِفَائِھَا وَنُورِ الْاَبْصَارِ وَضِیَائِھَا
وَعَلٰی اٰلِہِ وَصَحْبِہِ دَائِمًا اَبَدًا۔
سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُونْ۔
وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِینْ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینْ۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَبْدَعَ الْاَفْلَاکَ وَالْاَرْضِینْ۔
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ کَانَ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنْ۔

وَعَلٰی اٰلِہِ وَاَصْحَابِہِ اَجْمَعِیْنْ۔ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرّٰحِمِینْ۔
اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیمْ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیمْ
کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔ (سورۂ آل عمران، آیت نمبر 185)
صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیمْ وَصَدَقَ رَسُولُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیمْ
وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ
وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِینْ۔
بَارَکَ اللّٰہُ لَنَا وَلَکُمْ بِالْقُرْآنِ الْعَظِیمْ۔
وَنَفَعْنَا وَاِیَّاکُمْ بِالْاٰیٰتِ وَالذِّکْرِ الْحَکِیمْ۔
اِنَّہٗ تَعَالٰی مَلِکٌ کَرِیْمٌ جَوَّادٌ بَرٌّ رَّؤُفٌ رَّحِیْمْ۔

سلسلہ روز و شب نقش گر حادثات   سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب تار حریر دو رنگ   جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات
اوّل و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا   نقش کہن ہو کہ نو، منزل آخر فنا

کی محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح وقلم تیرے ہیں
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی محبت دین حق کی شرط اول ہے   اسی میں ہے اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے
محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی   خدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

(ڈاکٹر اقبال)

بارگاہِ رسالت اور آل رسالت میں درود شریف کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیں

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا و
مولانا محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

ایک بار اور ہدیۂ صلوۃ پیش فرمائیں

صلی اللّٰہ علی النبی الامی وآلہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم

صلوۃ وسلاما علیک یارسول اللّٰہ

ایک بار اور نذرانۂ درود پیش فرمائیں

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿مختلف المزاج انسان﴾

جب رب تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے یہ بات رکھی إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَه (سورۂ بقرہ، آیت نمبر 30) میں زمین پر اپنا خلیفہ بنانے والا ہوں۔ تو انہوں نے خدا کی بارگاہ میں معروضہ پیش کیا۔ اے رب تو ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو جا کر زمین پر خون ریزیاں کریں گے، خون بہائیں گے، فساد برپا کریں گے، ایسے کو تُو خلیفہ بنانا چاہتا ہے! آپ یہ سوچیں گے کہ فرشتوں کو یہ کیسے پتہ چلا کہ یہ جا کر فساد برپا کریں گے؟ یہ جا کر خون ریزی کریں گے؟

اصل میں فرشتے اُس منظر کو دیکھ رہے تھے نا، کہ مجسمہ اُنہیں کے ذریعہ تیار کرایا جا رہا تھا۔ حضرت آدم کا مجسمہ اُنہیں فرشتوں سے کہا گیا تھا۔ مٹی لاؤ، مٹی، ہوا، آگ، پانی یہ چار عناصر ہیں۔ اِن کا مجموعہ تیار کراؤ۔ اور جیسے جیسے حکمِ الٰہی ملتا گیا انہوں نے ایک مجسمہ تیار کر کے رکھا۔ اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ ہم چار ایسے عناصر کو ملا دیتے ہیں جس میں دوستی نہیں۔ آگ کو پانی سے ٹکراؤ، پانی کو آگ سے ٹکراؤ، ہوا کو مٹی سے ٹکراؤ، مٹی کو ہوا سے ٹکراؤ، یہ لڑنے والے عناصر ہیں۔ جب یہ انسان تیار ہو رہا ہے ایک دوسرے کا ایک دوسرے سے ٹکراؤ رکھتے ہیں۔ تو جب یہ دھرتی پر جائے گا تو ٹکرانے کے سوا اسے کچھ سمجھ میں نہیں آئے گا۔

اس لیے انہوں نے یہ سوچا، کچھ ایسے ہوں گے جن کا خاکی مادہ زیادہ ہوگا تو بڑے خاکسار ہوں گے، کچھ ایسے ہوں گے جس میں آگ کا مادہ زیادہ ہو جائے گا تو بڑے آتشور ہوں گے، آتشی ہوں گے، کوئی گرم ہوگا کوئی نرم ہوگا۔ تو جس پر جو مادہ غالب ہوگا تو وہ ویسے ہی مزاج لیکر پیدا ہوگا۔ تو جو گرم مزاج والے ہیں اُن کا مزاج نرم والوں کے ساتھ کیسے ہوگا! جو ٹھنڈے مزاج والے ہیں، وہ گرم والوں کے ساتھ کیسے تعلق پیدا کر سکیں گے! تو اس منظر کو دیکھ کر اُنہوں نے فرض کیا تھا کہ تو اِنہیں کو خلیفہ بنائے گا! یہ جا کر آپس میں لڑیں گے۔ واقعی دوستو! اُنہوں نے اپنا ایک خیال پیش کیا تھا۔ مگر ہم تو دیکھ رہے ہیں، اتنا لڑ رہا ہے یہ انسان، کسی ایک بات پر متفق ہونے کے لیے تیار ہی نہیں۔ کوئی ایک مسئلہ بتا دو جس میں سارے انسان متفق ہوں، کوئی ایسا عمل بتاؤ جس سے سارے انسان متفق ہوں، کوئی ایسا نظریہ بتاؤ کہ جس میں سارے انسان متفق ہوں۔ انسان کے اختلاف نظریات کی بات تو الگ ہے، عقائد و خیالات کی بات تو الگ ہے، میں تو اس کو نمک کی کنکری پر بھی متفق نہیں پاتا۔

﴿کھانے پینے میں اختلاف﴾

کھانے پینے کے انداز کو بھی متفق نہیں پاتا۔ ہر ایک کی پسند الگ الگ ہے، ہر ایک کا مزاج الگ الگ ہے۔ یہاں جو کھایا جاتا ہے آپ تو جانتے ہی ہیں۔ ہمارے یوپی کے اندر روٹی و چاول کا ااستعمال برابر ہوتا ہے، دونوں چیزوں کو برابر استعمال کرتے ہیں۔ مگر ہمارے اودھ کا علاقہ آپ اس سے پورب چلے جائیں گے تو چاول بڑھتا جائے گا روٹی کم ہوتی جائے گی۔ اور بنگال پہنچتے پہنچتے روٹی غائب ہو جائے گی۔ اور اگر آپ ہمارے یوپی پچھّم چلے جائیں، روٹی بڑھتی جاتی ہے اور چاول غائب ہو جاتا ہے۔ اور پنجاب پہنچتے پہنچتے چاول غائب ہو جاتا ہے۔ دیکھیے کھانے پینے کا بھی کیا مزاج ہے کہ اُس میں بھی اتفاق نہیں۔ اور اس میں بھی مرچ نمک کا جو ذائقہ ہے۔ اِس میں بھی اتفاق نہیں، آپ مدراس (چنّئی) کے خطے میں چلے جائیں۔ جب آپ کے سامنے سالن رکھا جائے گا تو آپ

کی سمجھ ہی میں نہیں آئے گا کہ ہم سالن کھا رہے ہیں یا اچار کھا رہے ہیں۔ اس قدر، اس میں کھٹائی ملا دیتے ہیں بالکل اچار ہی لگتا ہے۔ اور حیدر آباد میں جائیں گے تو سالن ایسا تیز آپ کو کھلائیں گے کہ آپ کھاتے بھی جائیں گے اور روتے بھی جائیں گے، دونوں کام ہوگا، گناہ بھی دھل رہا ہے غذا بھی مل رہی ہے۔

ذرا سا آپ خیال کریں، نمک کی کنکری اور کھانے پینے میں بھی انسان متفق نہیں۔ اور بھی مزاج کی بات بتاؤں۔ کہ عجیب ہے یہ انسان! آپ دنیا کے کسی بھی جانور کو دیکھیں اُسے خُدا نے جو خوراک دی ہے بس اُسی پر آج تک وہ قائم ہے۔ یعنی جس جانور کے مقدر میں گھاس ہے وہ ہڈی نہیں کھاتا اور جس کے مقدر میں ہڈی ہے وہ گھاس نہیں چھوتا۔ خُدا نے جس کو جو دے دیا اُسی پر وہ شکر کر رہا ہے، قناعت کیے ہوئے ہیں، کیسا صابر و شاکر ہے، کیسا متوکل ہے، کوئی اُس کو تکلیف نہیں۔ مگر یہ حضرت انسان نہ گھاس چھوڑنے کو تیار نہ ہڈی، VEG اور NON-VEG دونوں، اِدھر بھی ہاتھ بڑھا رہے ہیں اُدھر بھی ہاتھ بڑھا رہے ہیں۔ ذرا سا آپ خیال کرتے چلے جایئے۔ انسان کا عجیب مزاج ہے، عجیب طبیعت ہے۔ خُدا نے جو کھانے کی اِجازت دی ہے تو کھالے۔ مگر یہ کھانے والا بڑا غضب کا کھانے والا ہے۔ کبھی یہ حلال کھاتا ہے کبھی یہ حرام کھاتا ہے، کبھی یہ محنت کر کے کھاتا ہے کبھی دوسرے کا حق دبا کے کھاتا ہے، یہ کھانے والا بھی عجیب ہے کبھی سود لیکر کھاتا ہے کبھی رشوت لیکر کھاتا ہے، چوری کر کے کھاتا ہے۔ ایسے کھانے والوں کو جب جانور دیکھتے ہیں تو وہ بھی دل میں خوش ہوں گے کہ ہم ایسے نہیں ہوئے، اچھا ہے کوئی ہمیں حرام خور تو نہیں کہتا!

﴿بولی میں اختلاف﴾

آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ انسان کا حال آپ دیکھتے جایئے۔ اچھا آپ بولی ہی میں دیکھ لیجیے۔ کیا سارے دنیا کے انسان کی ایک بولی ہے؟ یعنی بولی میں بھی متفق نہیں۔ کوئی گجراتی بولتا ہے، کوئی بنگلہ بولتا ہے، کوئی تمل، کوئی ملیالم، کوئی کنڑی، کوئی مراٹھی، کوئی اُردو، کوئی سندھی، کوئی فارسی، کوئی عربی، کوئی انگلش، کوئی فرنچ۔ اور دوسرے دنیا کے جانوروں کو دیکھو! خُدا نے جس جانور کو جو بھی زبان دے دی، جو آواز دی وہ بولتا ہے، اس کا پورا خاندان وہی بولتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ناتھن پور کا کوا کائیں کائیں بولے اور مکہ شریف کا کوا سورۂ اخلاص پڑھے، ایسا نہیں ہے۔ وہ بھی کائیں کائیں بولتا ہے، امریکہ کا کوا بھی کائیں کائیں بولتا ہے، برطانیہ کا کوا بھی کائیں کائیں بولتا ہے۔ ذرا سا آپ خیال کریں۔ یہاں پچاس ساٹھ میل کا فاصلہ ہوتا ہے لہجے بدل جاتے ہیں۔ گجرات کی بولی کچھ اور، ہر طرف کا عجیب انداز ہے۔ اور اِن گجراتیوں کے اندر میمن طبقہ ہے، اُس کی بولی کچھ اور، یعنی نہ لکھی جاتی ہے نہ پڑھی جاتی ہے مگر بولی جاتی ہے۔ آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ کس قدر انسان اختلاف واقع پسند ہوا ہے کہ بولی میں بھی متفق نہیں۔ مگر خدا نے تجھے بولنے کی زبان دی ہے تو بولو، میں کب کہتا ہوں مت بولو، کوئی بھی زبان بولو۔ مگر یہ انسان کتنے غضب کا ہے کہ کبھی ایمان کی بولتا ہے کبھی کفر کی بولتا ہے، کبھی ملانے کی بولتا ہے کبھی لڑانے کی بولتا ہے، کبھی کاٹنے کی بولتا ہے۔ ذرا سا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ یہی انسان کبھی اخلاص کی بولتا ہے کبھی نفاق کی بولتا ہے۔ کبھی توحید کی بولتا ہے کبھی شرک کی بولتا ہے۔ ایسی ایسی خطرناک بولی بولتا ہے کہ اس بولی کو سن کر یہ سارے جانور دیکھ کر خوش ہیں، اچھا ہوا مجھے ایسی بولی نہیں آئی۔ کوئی ہمیں کافر تو نہیں کہہ رہا ہے، کوئی ہمیں منافق تو نہیں کہے گا۔

اللھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضی بان تصلی علیه

﴿لباس میں اختلاف﴾

ذرا آپ خیال کرتے چلے جاؤ۔ اِس میں بھی اختلاف۔ چلیے سامنے کی بات آپ دیکھیں، پہنا ہوا کپڑا، لباس میں بھی اختلاف جتنے یہاں لوگ آئے ہیں اُن کی ٹوپی آپ دیکھ لیں۔ ایک طرح کی ٹوپی نہیں ہے۔ پگڑی دیکھیں تو ایک طرح کی نہیں، کیسے کیسے لباس

لوگ پہن رہے ہیں۔ حالانکہ خدا نے دوسرے جانوروں کو جو لباس دیا، کوے کو کالا بنایا تو کبھی یہ نہیں کہا اے خدا! میرا لباس مور جیسا بنا دے۔ آج تک کسی کوّے نے دعا نہیں کی اپنے لباس کو بدلنے کی۔ کسی جانور کے ذہن میں آیا ہی نہیں۔ اور ایسی بات بھی نہیں کہ اپنے کالے لباس پہ احساس کم تری کا شکار ہو جائے، اُس کی پرواز میں کوئی کمی نہیں، اچھے اچھے جانوروں کو دیکھتا ہے اُسے شرمندگی نہیں ہوتی۔ مگر تیرا حال یہ ہے کہ تو ایسا نقل کرنے کا عادی ہو گیا ہے کہ بازار میں نئی تراش خراش آئی تو اس کے پیچھے دوڑ پڑا۔

بہر حال ٹھیک ہے اگر تم کپڑا پہنو تو اِس میں کوئی بُرائی نہیں، ایسا کپڑا تو پہننا ہی ہے جو ستر پوشی کر سکے، جائز طریقے سے تم کچھ بھی کر سکتے ہو۔ مگر میں نے تو کبھی ایسے بھی پہننے والوں کو دیکھا ہے، اتنا ٹائیٹ (Tight) پہنتے ہیں، اتنا ٹائیٹ پہنتے ہیں کہ آج تک میری سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ انھوں نے سلا کے پہنا ہے یا پہن کے سلایا ہے!!! بتائیے یہ بھی کوئی پہننا ہے کہ پہنے ہوئے آدمی ننگا نظر آئے!

رہن سہن میں اختلاف

ذرا سا آپ خیال کرتے چلے جاؤ، سوچتے چلے جاؤ۔ انسان لباس میں بھی متفق نہیں، کھانے پینے میں بھی متفق نہیں، بولی اور آواز میں متفق نہیں، رہنے سہنے میں بھی متفق نہیں، کوئی محل میں رہتا ہے، کوئی سنگ مرمر کی کوٹھی میں رہتا ہے، کوئی شیش محل میں رہتا ہے، کوئی اچھی اچھی بلڈنگوں میں رہتا ہے، کوئی جھونپڑی میں رہتا ہے، کوئی فٹ پاتھ پر رہتا ہے۔ یہ بھی دیکھو انہیں رہنے میں بھی ایک طرح نظر نہیں آ رہا ہے، رہنے کا انداز بھی سب کا الگ الگ ہے۔ حالانکہ دنیا کے کسی بھی جانور کو آپ دیکھو خدا نے رہنے کا جو طریقہ اسے سمجھا دیا ہے ساری قوم ویسے ہی رہتی ہے۔ یعنی جو درختوں میں لٹکے ہوئے ہیں، وہ لٹکے ہوئے ہیں، جو دریا میں ہیں بس اسی کے اندر ہیں، جو غاروں میں ہیں وہ وہیں ہیں، جو جنگلوں میں ہیں وہ وہیں ہیں۔ درخت والا درخت پر وہیں ہے، زمین والا زمین کے اندر ہی ہے، غار والا غار کے اندر ہی ہے۔ ذرا سا دیکھتے چلے جایئے۔ کوئی نئے انداز کے مکان میں نظر نہیں آئے گا۔ مگر یہی انسان جو قوت و مروّت کا پرچم لے کر بڑھ رہا ہے، یہی انسان جو انسانیت کا پیغام سناتا پھرتا ہے، جو انسانیت کے درد کی باتیں کرتا ہے وہ تو آرام سے کوٹھیوں میں رہتا ہے اور غریب بھائی فٹ پات پر پڑا ہوا ہے۔ اُدھر دھیان بھی نہیں دیتا۔ اِسی لیے دوسرے جانور بھی بہت خوش ہیں کہ ایسے مروّت والے ہم نہیں ہوئے۔ اچھا ہے سارے قبیلے ایک طرح تو دِکھ رہے ہیں۔

نظریاتی اختلاف

آپ خیال کرتے چلے جایئے۔ اتنا اختلاف پسند واقع ہوا انسان۔ اپنے کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے میں بلکہ یہ تو عملی بات تھی، آپ نظریاتی طور پر دیکھیں۔ اس زمین کے بارے میں بھی اختلاف۔ کچھ لوگ کہتے ہیں، زمین ٹھہری ہوئی ہے اور چاند و سورج اس کے اِردگرد گردش کر رہے ہیں۔ اسی دھرتی پر رہنے والے کچھ کہتے ہیں سورج ٹھہرا ہوا ہے زمین گھوم رہی ہے۔ دیکھا آپ نے! ایک رائے آسمان کے بارے میں، کچھ لوگ کہتے ہیں ہاں یہ حقیقت ضابطہ۔ اور کچھ لوگ بولتے ہیں، نہیں، بس یہ حد نگاہ ہے، بس جہاں نظر ٹھہر گئی آپ نے اُسے آسمان سمجھ لیا، آسمان نام کی کوئی چیز ہی نہیں۔

عقل و صلاحیت میں اختلاف

اپنی روح کے بارے میں بھی لوگوں کا اختلاف۔ کچھ لوگ کہتے ہیں روح جسم کے اندر ہے اور کچھ کہتے ہیں جسم کے باہر ہے، اب اندر والے سے پوچھو اُس نے اندر کہاں دیکھا؟ اور باہر والے سے پوچھو اُس نے باہر کیسے دیکھا؟ اندر باہر کا بھی جھگڑا۔ ارے، خود اُس کی حقیقت کے بارے میں پوچھو، اے انسان! تیری حقیقت کیا ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں یہ ''حیوانِ ناطق'' ہے، کچھ کہتے ہیں یہ ''حیوان مُتَمَدِّن'' ہے، کچھ کہتے ہیں یہ ''حیوان ناقد'' ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت میں بھی اختلاف۔ آج تک کوئی نہیں بتا سکا انسان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ سوچتے چلے جائیں۔ اور ذہنی حیثیت سے بھی آپ

دیکھیں۔ کوئی بہت اعلیٰ ذہن کے ہوتے ہیں کچھ ادنیٰ ذہن کے ہوتے ہیں۔ تو صلاحیتوں میں بھی اختلاف، عقلوں میں بھی اختلاف، اِس قدر اختلاف ہی اختلاف۔

ذاتِ خداوندی میں اختلاف

اور یہی بات نہیں ہے دوستو۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں خدا کی ذات میں بھی اختلاف! کچھ انسان خدا کے وجود ہی کو نہیں مانتے، کچھ مانتے ہیں تو ایک نہیں مانتے، بے شمار مانتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے خدا کو اتنا آسان سمجھ لیا ہے کہ خود بنا لیتے ہیں اپنے معبود کو، جب جی میں آیا خود ہی بنا لیتے ہیں۔ اتنی کثرت، کہ سمجھ میں نہیں آتا خدا زیادہ ہیں یا بندے زیادہ! ارے! کچھ تو ایسے بنانے والے شوقین ہیں کہ آٹے کا بنا لیا کرتے ہیں۔ جب اُن کو عبادت کا شوق ہوتا تھا تو آٹے کا معبود بنا لیا اور جب تک جی چاہا پوجتے رہے، جب بھوک لگی تو اُسے کھا بھی لیا۔ عبادت بھی ہوگئی اور پیٹ بھی بھر گیا! ایک عجیب! انسان کا ذہن دیکھو! ہر پہلو سے کسی ایک بات پر انسان متفق نہیں ملے گا۔ بتاؤ خدا کی ذات پر متفق نہ ہو سکا، جو خدا کے صفات پر متفق نہ ہو سکا، وہ اگر رسول کی ذات پر اعتراض کرے تو کیا تعجب ہے! وہ رسول کی ذات وصفات پر بحث کرے تو کیا تعجب ہے! یہ تو انسان کا مزاج ہی لڑنا۔

وہ کونسی چیز ہے جس میں اختلاف نہیں؟

مگر دوستو! بس ایک مختصر سی تمہید اور مختصر سا اشارہ میں نے صرف اس لیے کیا تھا کہ اتنا لڑنے والا انسان، نظریاتی طور پر، عملی طور پر، خیالات کے طور پر، عقیدے کے طور پر، اتنا لڑنے والا انسان، ایک بات میں متفق، اس میں اختلاف نہیں۔ اب آپ سوچیں گے! چاہے دہریہ ہو، چاہے خدا کو ماننے والا ہو چاہے نہ ماننے والا ہو، چاہے مومن ہو چاہے کافر ہو، چاہے موحد ہو چاہے مشرک ہو، ایک چیز ایسی ہے جس میں سب کا اتفاق ہے۔ کوئی لڑنے کے لیے تیار ہی نہیں، سب مانتے ہیں کہ یہ ٹھیک ہے، کوئی نہیں کہتا یہ غلط ہے۔ جانتے ہو وہ کونسی چیز ہے؟ ''ہمیں مرنا ہے''۔ یہی ایک ایسی چیز ہے کہ کسی کو اختلاف نہیں ہے۔

ہمیں مرنا ہے۔ جس بات میں آدمی جھگڑ رہا ہے بہت غور کرتا ہے اور جس پہ اتفاق ہے اُس پہ غور نہیں کرتا! کوئی کچھ کہہ رہا ہے، کوئی کچھ کہہ رہا ہے اور پھر اختلاف۔۔۔ مگر مرنا ہے۔۔

دوستو! اگر مرنا ہے تو مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ یہ سمجھنا ضروری۔ اور مرنے کے بعد کی زندگی کیا ہوتی ہے؟ اس کی معرفت ضروری۔ کہیں ایسا نہ ہو دھوکہ۔۔ ہاں اگر کسی کو مرنا نہ ہو وہ غور نہ کرے! چلو مرنا ہی ہے۔۔ اچھا، اور مرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ دوسرا کام آپ ارادے سے کرتے ہیں، مرنے کے لیے ارادے کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر کہیں اور جانا ہو تو پاسپورٹ چاہیے، ویزا چاہیے۔ مگر مرنا ایک ایسی حقیقت ہے۔۔ اس کے لیے نہ پاسپورٹ کی ضرورت نہ ویزا کی ضرورت۔ جب وقت آتا ہے آدمی کو مرنا ہی ہے۔ مگر آپ نے کبھی غور کیا کہ موت ہے کیا؟ ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ مگر انداز بیان بھی کیا قرآن کریم نے اختیار کیا۔ ''ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے''۔ کسی کی تشخیص نہیں کی۔ جب یہ آیتِ کریمہ اتری تھی كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَان (سورۂ رحمٰن، آیت نمبر 26) زمین پر جو ہیں سب فنا ہوں گے۔ تو فرشتوں کے ذہن میں خیال آیا کہ ہم بچیں گے۔ اور جب كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ، ہر نفس کو موت کا مزا چکھنا ہے۔ جب یہ آیت اتری۔ تو انہوں نے کہا کہ اب ہم بھی گئے۔ کسی کو نہیں بچنا ہے۔ اور اس کے بعد مرنا جب سب کو ہے، اب یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ موت کیا ہے؟

موت کہتے کسے ہیں؟

ایک بات میں آپ کو بتا دوں۔ آپ حیران رہ جائیں گے! موت کہتے ہیں کس کو؟ اور موت ایسی چیز ہے کہ رب تبارک تعالیٰ جسے چاہے اُسے مار دے گا۔ مگر حدیث میں کہا گیا۔ **موتوا قبل ان تموتوا**۔ (تفسیر نعیمی، جلد4، صفحہ نمبر 394) مرجاؤ مرنے سے پہلے۔ خود ہی مر جائیں۔ اور وہ مرنے سے پہلے کتنی پیچیدگی بڑھ جاتی ہے، مرجاؤ مرنے سے پہلے۔ مگر اِس کی وضاحت میں آگے چل کر کرونگا کہ مرنے سے پہلے کیسے مرا جاتا ہے۔ وہ بڑے خوش نصیب لوگ ہیں جو مرنے سے پہلے مرجائیں۔ ہاں تو موت آپ کس کو کہیں؟ یہ آپ ہی بتائیں۔

تفصیلات آپ کے سامنے ہیں۔

یہاں آنے سے پہلے ہم کہاں تھے؟ عالمِ ارواح میں، ہماری روحیں کہاں تھیں؟ عالم ارواح میں۔ جب تک رب نے چاہا ہم وہاں رہے۔ پھر خدا کا حکم ہوا اُس دنیا سے نکلے، شکم مادر میں پہنچے۔ پھر وہاں جب تک خدا نے چاہا، وہاں رہے۔ پھر وہاں سے حکم ہوا، اب اس دنیا کو چھوڑو! تو ہم یہاں چلے آئے۔ جب تک خدا چاہے گا، ہم یہاں رہیں گے، پھر حکم ہوگا، اِس دنیا کو چھوڑو ہم عالم برزخ پہنچ جائیں گے۔ جب تک خدا چاہے گا، ہم عالم برزخ میں رہیں گے۔ پھر حکم ہوگا، اِس دنیا کو چھوڑو! تب ہم آخرت میں پہنچ جائیں گے۔ جب تک خدا چاہے گا، ہم آخرت میں رہیں گے۔ پھر حکم ہوگا، اس دنیا کو چھوڑو! جو جنتی ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے، جو جہنمی ہوں گے وہ جہنم میں ہوں گے۔

﴿موت اور انتقال میں فرق﴾

ہم تو دنیا ہی چھوڑ رہے ہیں، مرے کب؟ آخر موت کیا چیز ہے؟ عالم ارواح سے شکم مادر میں آئے، کسی نے نہیں کہا موت، شکم مادر سے نکلے اس دنیا میں آئے اس کو بھی موت نہیں کہا۔ آخر مرے کب؟ اور مرنا کیا چیز ہے؟ ہم تو صرف دنیا چھوڑ رہے ہیں۔ اچھا، جس دنیا کو چھوڑ رہے ہیں، دوسری دنیا میں دوسری دنیا کے تقاضے اپنا رہے ہیں۔ دوسری دنیا کو چھوڑ رہے ہیں، تیسری دنیا میں وہاں کے تقاضے اپنا رہے ہیں۔ تو اب مرنا کس کو کہیں؟ یہ تو صرف دنیا چھوڑنا ہی ہے۔ کوئی ہندوستان چھوڑ کے کسی دوسرے ملک کو چلا جائے تو آپ کہیں گے کہ منتقل ہوگیا، تو منتقل ہوا کہو گے یا یہ کہو گے کہ مرگیا! جب کہ موت ایک پل ہے۔ الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔ (قال حبان بن الاسود) ''موت ایک پُل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملا دیتی ہے''۔ جب منتقل ہو رہے ہیں تو آپ مرے کیسے! آخر تجھے موت ہے کہاں؟ موت کا اتنا معنی ہے، اس معنی کو لے کے ہم چل رہے ہیں۔ یہاں ''منتقل ہونے کو'' موت قرار دیا گیا ہے۔ ایسی منتقلی جس میں واپسی ہی نہ ہو سکے وہ موت ہوگی۔

﴿فلسفۂ موت و حیات﴾

مگر موت کا حقیقی فلسفہ کیا ہے؟ اس کی طرف آپ کے ذہن کو میں لے جاؤں۔ اب جس کو موت نہیں آئی اُس کو کیا کہیں گے؟ زندہ۔ اور مرنے والے کو کہا جاتا ہے مردہ۔ یہ منتقلی موت ہے۔ تو منتقل ہونے والا کیا ہوا؟ مردہ۔ مگر کچھ ایسے بھی جانے والے ہیں کہ قرآن کہتا ہے:

وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُّقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ۔ (سورہ بقرہ، آیت نمبر 154) جو اللہ کی راہ میں قتل کر دیے گئے ان کو مردہ نہ کہو! وہ زندہ ہیں۔ موت کا مزا چکھنے کے بعد زندہ، منتقل ہونے کے بعد بھی زندہ، اور حکم ہے مردہ مت کہو! اچھا! اب کہیں گے نہیں سوچیں گے۔ اب کہنے سے روک دیا ہے نا۔ تو قرآن نے کہا، سوچنا بھی نہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ (سورہ آل عمران، آیت نمبر 169) گمان بھی نہ کرنا! نہ کہہ سکتے ہو، نہ سوچ سکتے ہو۔ حالانکہ ہمارے حواس اور سمجھنے کے حالات بتا رہے ہیں کہ یہ مردہ ہیں۔ لیکن قرآن کہتا ہے نہیں۔ یہ گردن کٹی ہوئی ہے، یہ ہاتھ الگ ہے، جسم کے ٹکڑے ہیں مگر یہ زندہ۔ زندہ ہے، یہ مردہ نہیں ہے۔ مردہ گمان مت کرنا اسے۔ اور وہی قرآن ایک بات دوسری بھی کر رہا ہے: إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى (سورہ نمل، آیت نمبر 80) اے محبوب تم مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ اب یہاں مردہ کسے کہا؟ تم مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ تو کیا حضور مردوں کو سنانے گئے تھے؟ کسی قبرستان میں؟ اے مردو! میرا کلمہ پڑھو! اے مردو! أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ، نماز پڑھو! اے مردو! اٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ زکاۃ دو! حضور گئے تھے مردوں کو سمجھانے؟ سنانے گئے تھے؟ تو یہ آیت کیوں اتری؟ إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى۔ اے محبوب تم ان مردوں کو سنا نہیں سکتے۔ یہ قبرستان والے مردوں کا ذکر نہیں ہے، یہاں مردوں سے مراد ہیں کفار و مشرکین۔ قرآن نے ان کو مردہ کہا ہے۔ کافروں اور مشرکوں کو۔ کیا کہا گیا ہے؟ مردہ۔ یعنی یہ سارے

مشرکین مردہ ہیں، تم ان کو سنا نہیں سکتے۔ سنا نہیں سکتے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ بہرے ہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ منوا نہیں سکتے۔ اچھا! آپ کہتے ہیں: دیکھئے ہم مولانا کی سنیں گے آپ کی نہیں سنتے۔ تو مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم بہرے ہیں، آپ کی آواز نہیں سن رہے ہیں۔ مطلب، یہ محاورے کی بولی ہوتی ہے۔ یعنی ہم ان کی مانیں گے، آپ کی نہیں مانیں گے۔ اس کو قبولیت کا سننا کہتے ہیں۔ تو اس طرح منا نہیں سکتے۔ روح جس کے اندر ہے اُس کو کہا مردہ۔ اور صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ۔ (سورہ بقرہ۔ آیت نمبر 171) یہ گونگے ہیں، یہ بہرے ہیں، یہ اندھے ہیں۔ آنکھ والے کو اندھا، بولنے والے کو گونگا، سننے والے کو بہرا۔ اور روح رکھنے والے کو مردہ! آخر بات کیا ہے! اور جس کا سر الگ ہے، ہاتھ پیرا لگ ہے، وہ زندہ۔ اب ہم کو سمجھنا پڑے گا موت کیا ہے اور زندگی کیا ہے؟ تو حضرت ملک الموت کسی کو مردہ بنانے نہیں آتے، ان کا کام صرف منتقل کرنا۔ مگر آدمی مردہ کیسے ہوتا ہے اور زندہ کیسے؟ اُن کا کام صرف ایک گھر سے دوسرے گھر پہنچانا ہوتا ہے۔ مگر آدمی مردہ کیسے ہوتا ہے اور زندہ کیسے ہوتا ہے؟ اے محبوب یہ آنکھ رکھ کر بھی حق نہیں دیکھتے، یہ اندھے ہیں۔ یہ کان بنایا گیا ہے حق سننے کے لیے، یہ حق نہیں سنتے، یہ بہرے ہیں۔ زبان بنائی گئی ہے حق بولنے کے لیے یہ حق نہیں بولتے، یہ گونگے ہیں۔ یہ سر تمہارے قدموں پر قربان کرنے کے لیے ہے، یہ نہیں کرتے، یہ مردہ ہیں۔ تو اب اس سے پتہ چلا کہ یہ مردہ ہیں۔ اب موت کسے کہتے ہیں اور زندگی کسے کہتے ہیں؟ تو ”**زندگی نام ہے رسول کی وفاداری کا اور موت نام ہے رسول سے غداری کا**“۔ جو اللہ کے رسول کا وفادار ہے وہ یہاں بھی زندہ ہے وہاں بھی زندہ ہے۔ جو رسول کا غدار ہے وہ یہاں بھی مردہ ہے وہاں بھی مردہ ہے۔ جب اس چیز کو آپ نے سمجھ لیا تو اب اصل زندگی کیا اور اصل موت کیا؟ ”نبی کا غدار ہونا یہ اصلی موت ہے“۔ انسان چلتا پھرتا مردہ ہے۔

﴿ایصال ثواب کافائدہ﴾

اچھا ہم نے دیکھا بھی ہے۔ الحمدللہ ہم بھی زندہ ہیں اور ہمارے جانے والے بھی زندہ۔ اور زندوں میں ہم نے ایک تعلق کو دیکھا، زندوں کے تعلقات کبھی ٹوٹتے نہیں۔ زندوں کے تعلقات نہیں ٹوٹتے۔ آپ یہاں ہیں آپ کا بھائی احمد آباد میں ہے، ایک بھائی بمبئی میں، خط و کتابت جاری، وہ کماتا ہے نا، وہاں سے منی آڈر بھیج رہا ہے، یہاں سے دعائیں جا رہی ہیں۔ شب برات میں یہاں سے حلوا جا رہا ہے اُدھر سے کچھ اور آ رہا ہے۔ دونوں میں لین دین جاری۔ وہاں کی دنیا کی چیز وہ بھیجتا ہے یہاں کی دنیا کی چیز یہ بھیجتا ہے۔ جس کو جو میسر آتا ہے۔۔۔۔ ایک دوسرے کا رابطہ۔۔۔ مگر کبھی مردہ مردے کو نہیں دیتا۔ وہ تو اپنے چکر میں رہتا ہے، اُسے پڑی ہی کیا ہے! نہ مردہ کسی مردے کو دے سکے گا نہ لے سکے گا۔ مگر جو زندہ ہوتے ہیں دینا بھی جانتے ہیں لینا بھی جانتے ہیں۔ اور ان کو ملتا بھی ہے۔ اور ہم یہی دیکھ رہے ہیں۔ الحمدللہ! ہم بھی زندہ ہیں اور جو ہمارے جانے والے وہ بھی زندہ، ہم یہاں سے ایصالِ ثواب کے تحفے بھیجتے ہیں۔ کبھی خواجہ کی بارگاہ میں بھیجتے ہیں، کبھی غوث کی بارگاہ میں بھیجتے ہیں، کبھی مخدوم کی بارگاہ میں بھیجتے ہیں۔ تو اولیاءِ کرام کے بارگاہ میں اِدھر سے تحفے جا رہے ہیں جو اُن کے پاس ہے وہ اِدھر بھیج رہے ہیں۔ وہ ان کا اپنا فیضان، ان کی رحمتیں، ان کی نوازشیں، ان کی دعائیں، وہ اپنی طرف سے بھیج رہے ہیں۔ اِدھر کا زندہ اُدھر کو بھیج رہا ہے، اُدھر کا زندہ اِدھر کو بھیج رہا ہے۔ مگر اتفاق دیکھو اِدھر بھی مردہ اُدھر بھی مردہ، نہ اِدھر سے اُدھر جائے گا نہ اُدھر سے اِدھر آئے گا!

وہ ایک الگ بات ہے۔ اب اگر مردہ اپنے مردوں کو کچھ دے نہیں پاتا تو ہم زندوں سے کیوں شکایت کرتا ہے! ہمیں تو اپنے زندوں کو کچھ بھیجنا ہی ہے۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا

محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

﴿موت کامزہ﴾

تو دوستو! اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ مر کے بھی نہیں مرتے۔ ہاں یہ

ضرور ہے موت کا مزا سب چکھیں گے، یہ صحیح ہے۔ لیکن کیا کہا قرآن نے کہ ''موت کا مزا چکھنا'' ہے۔ یہ تھوڑی کہا ''مر کے مرا رہنا''۔ قرآن میں نہیں ہے ''مر کے مرا رہنا''۔ جس خدا نے آدم کو عدم سے وجود میں پہنچایا وہ موت کا مزا چکھا کے ہمیشہ کی زندگی نہیں دے سکتا!

مزا چکھنے کی بات ہے نا، تو چکھنے کا مفہوم آپ سمجھے کہ نہیں؟ جب آدمی چکھتا ہے تو کتنا کھاتا ہے؟ پوری ڈول گوشت لے کے چکھنا! ایک پوری ڈول اور دو درجن روٹی اور اس کے بعد پورا کھا جائے! اس سے پوچھا جائے کہ تو کیا کر رہا تھا؟ کہا سمجھنا نمک چکھ رہا تھا۔ ارے صاحب! جب ایک ڈول کھا کر آپ چکھتے ہیں تو جب کھانے بیٹھے تو پوری دیگ صاف کر دیں گے! کیا اتنا چکھا جائے گا؟ چکھنے والا، ایک قطرہ لیا، زبان پر ڈالا اور سمجھ گیا۔ ذائقہ چکھنا ہے نا؟

یہ تھوڑی ہے کہ پورا کھا ہی جائے! مگر دوستو! چکھ کر کے بچتے وہی ہیں جو کہ پورا کھا کے آتے ہیں۔۔۔ان کے بچنے کا سوال ہی نہیں ہوتا۔۔اب میں اس حدیث پاک کی طرف آپ کی توجہ لے جاؤں۔ پھر زندگی کا مزا اور بھی کھلتا چلا جائے گا۔ **موتوا قبل ان تموتوا**۔ (تفسیر نعیمی، جلد 4 صفحہ 394)

''مرجاؤ مرنے سے پہلے''۔

مردے سنتے ہیں

ایک بات بتاؤ! مرتی کیا چیز ہے؟ مرنے والی چیز کیا ہے؟ روح تو نہیں مرتی۔ اور سننا دیکھنا کس کا کام ہے؟ یہ روح کا کام ہے، جسم کا کام نہیں۔ اِسی لیے وہ لوگ بڑے دھوکے میں ہیں جو کہتے ہیں کہ ''مردے سنتے نہیں''۔ اور اس سلسلہ میں وہی آیت پڑھ لیتے ہیں **اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی**۔

حالانکہ وہ سمجھے نہیں، موت سے مراد وہ قبر والے مردے نہیں بلکہ وہ تو چلتے پھرتے مردے ہیں۔ اور جو زمین کے مردے ہیں اور کہتے ہیں نہیں سنتے۔ وہ تو بات صحیح ہوگی کہ وہ مانتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے، جو مردے ہیں وہ نہیں سنتے۔ جو خود مردے ہیں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ یہ تو مانتے ہیں جو مردے ہیں وہ نہیں سنتے۔ خود مردے ہیں۔ اِس بات پر زور دے رہے ہیں کہ مردے نہیں سنتے ہیں۔ حالانکہ وہاں بات کچھ اور تھی۔ وہاں یہ ہے کہ یہ کفار و مشرکین ماننے والے نہیں۔ ورنہ یاد رکھو'' کافر کی روح بھی سنتی ہے''۔ وہ بھی تکلیف کو محسوس کرتی ہے۔ اگر جانے والا ایسا مر جائے کہ نہ آرام محسوس کرے نہ تکلیف محسوس کرے، تو قبر میں عذاب کیا! یہ ثواب کیا! تو معلوم ہوا کہ روح زندہ رہتی ہے۔ بلکہ جو جہنم میں جاتے ہیں وہ بھی اُس میں زندہ ہی رہتے ہیں۔ اگر زندہ ہی نہ رہے بالکل فنا ہو جائیں تو عذاب کی سختی کا احساس کیسے!

موتو اقبل ان تموتوا کامفہوم

تو بات یہی چل رہی تھی کہ جسم مرتا ہے۔ اور جسم کے مرنے کا مطلب کیا! اُس کے تقاضے مرتے ہیں۔ نفسانیت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں نا جس کو نفس کہتے ہیں۔ نفس کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ تو نفس مرتا ہے۔ نفس کے لیے کہا گیا ہے **كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ**۔ ہر ''نفس'' کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ تو موت نفس کو ہے۔ نفس کو موت آتی ہے۔ کہا گیا **موتوا قبل ان تموتوا**۔ مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ یعنی جو پہلے مرنے والی چیزیں ہیں اُسے تم پہلے ہی مار دو۔ وہ جو پہلے ہی مر گئی تو اب ہمارے لیے زندگی ہی زندگی۔

آپ خیال کرتے چلے جائیں۔ **موتوا قبل ان تموتوا**۔ بری خواہشات کو تم پہلے ہی مار دو، بری لذتوں کو تم پہلے ہی مار دو۔ یہ بزرگان دین جو ریاضت و مجاہدہ کر رہے ہیں یہ مرنے سے پہلے مرنا چاہتے ہیں، اُن چیزوں کو مار دینا چاہتے ہیں جو مرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں، جو فنا کرنے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں، اُن کو یہ پہلے ہی فنا کر دینا چاہتے ہیں۔ پھر ایسا پاک و صاف ہو کر کے یہاں سے جاتے ہیں کہ اُن کی زندگی اور بھی توانا زندگی ہو جاتی ہے۔

﴿حیاتِ شہداء کی دلیل﴾

میں آپ کو بتاؤں شہیدوں کی زندگی کے بارے میں۔ نص قرآنی ہے۔ ''ان کو مردہ مت کہو'' اور ''ان کو مردہ گمان نہ کرو''۔ ہم اپنی زندگی اور شہیدوں کی زندگی کا ایک چھوٹا سا موازنہ کریں۔ ہم لوگ یہاں بیٹھیں ہیں نا۔ اگر ہم بیٹھنے والوں سے یہ کہہ دیں یہ لوگ سب مردہ۔ اب اس کا اثر کیا پڑے گا؟ جانتے ہو کیا پڑے گا؟ ایک صاحب کھڑے ہو جائیں گے۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ فلاں شخص نے اسٹیج کے اوپر اتنے لوگوں کو جو سب زندہ تھے اُن کو مردہ کہا۔ کیا اس کے پیچھے نماز ہوگی کہ نہیں؟ اب مفتی صاحب کے پاس جب وہ سوال گیا۔ تو انہوں نے کہا:

الجواب۔ اللّٰھم ھدایۃ الحق و الصواب۔

صورتِ مسئولہ میں جس شخص نے زندوں کو مردہ کہا وہ کھلے عام جھوٹ بولا اور جھوٹ بول کر وہ فاسق ہو گیا۔ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہوتی ہے۔ جس کا لوٹانا واجب ہوتا ہے۔ لہٰذا جب تک وہ اعلانیہ توبہ نہ کرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔

فقط۔۔۔۔۔۔ مفتی دارالعلوم فلاں۔۔۔۔

ہو گیا۔ مفتی صاحب نے کہہ دیا۔ ہو گیا جواب۔ مگر مفتی صاحب سے پوچھو کہ اس کے پیچھے تو نماز نہیں ہوگی مگر خود اس کی تو نماز ہوگی کہ نہیں؟ ارے بھئی! اُسکے پیچھے تو نماز نہیں ہوگی اُس کی تو ہوگی نا؟ ہاں اُس کی تو ہوگی۔ ہاں اس کی تو ہو جائے گی۔ کیا سمجھے؟ تمہاری زندگی کچھ ایسی ہے اگر ہم اعلانیہ اس کا انکار کریں تو زیادہ سے زیادہ فاسق بنتے ہیں۔ تمہاری زندگی ایسی ہے کہ ہم اُس کی زندگی کا انکار کر دیں تو زیادہ سے زیادہ فاسق بنتے ہیں۔ اور ''شہیدوں کی زندگی ایسی ہے کہ ان کی زندگی کا انکار کر دو تو کافر''۔ اس لیے کہ اُن کی زندگی کا انکار یہ قرآن کا انکار۔ اور منکرِ قرآن کافر۔ تو ایسی زندگی سے وہی زندگی بہتر ہے جس زندگی کی شہادت رب تبارک تعالیٰ دے رہا ہے۔

﴿سبیل اللّٰہ (اللہ کا راستہ) محمد رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں﴾

ذرا سا آپ خیال کریں۔ اور وہ زندگی ملتی ہے اللہ کی راہ میں اپنے کو قربان کرنے سے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَن يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ۔ اللہ کی راہ میں جو قتل ہو گئے۔۔۔ حالانکہ لوگوں نے یہی سمجھ رکھا ہے کہ تلوار ہی سے لوگ قتل ہوتے ہیں۔ نہیں جناب۔ اللہ کی راہ میں جو قتل ہو جائے، تلواروں ہی سے نہیں ہے جو گلا اڑا دے، ایک تلوار اور بھی ہے۔ ایک تو لوہے کی تلوار ہے اور ایک عشق و محبت کی تلوار۔ اور لوہے کی تلوار سے وہی قتل ہوتا ہے جو پہلے عشق کی تلوار سے قتل ہو چکا ہو۔۔۔۔ فِي سَبِيلِ اللهِ، اللہ کی راہ میں۔ اللہ کی راہ ہے کیا؟ وہ اللہ کی راہ ہے کیا؟ اس میں قتل ہونے والا مردہ نہیں ہوتا۔ ''تو اس سبیل اللہ کا نام ہے محمد رسول اللہ''۔ ہم اس لیے کہہ رہے ہیں کہ محمد رسول اللہ ہی سبیل اللہ ہیں۔ کیونکہ قرآن کہتا ہے إِنْ كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي۔ (سورہ آل عمران۔ آیت نمبر 31) خدا سے محبت کرنا ہو تو میرے پیچھے آؤ۔ میں وہاں تک پہنچنے کا راستہ ہوں۔

اللّٰھم صل علی سیدنا و مولانا محمد و علی آل سیدنا
محمد کما تحب و ترضٰی بان تصلی علیہ

تو اللہ کی راہ ہے جناب محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)۔ تو ''جناب محمد رسول اللہ کے عشق و محبت کی تلوار سے جو بھی قتل ہو جائے وہ زندہ ہے''۔

﴿موت بھی خدا کی نعمت ہے﴾

واقعی دوستو! یہ مت سمجھو۔ یہاں پر بھی ہم دیکھتے ہیں۔ یہ منتقل ہونے والے منتقل ہوتے ہیں تو کچھ لوگوں کو چھوڑتے ہیں تو کچھ لوگوں کو پاتے ہیں نا؟ احمد آباد سے کچھ لوگ آئے تو کتنوں کو چھوڑ کر آئے اور یہاں کتنوں کو پائے۔ تو کچھ پہنچانے آتے ہیں اور کچھ لینے آتے ہیں۔

یہی حال ہوگا ایمان والے کا، جب ایمان والا یہاں سے جاتا ہے تو کچھ کو چھوڑتا

ہے اور وہاں کچھ کو پاتا ہے۔ اگر بیٹے کو چھوڑا تو باپ دادا کو پایا، اگر پیرزادے کو چھوڑا تو اپنے پیر کو پاتا ہے۔ ۔ ۔ کچھ کو چھوڑتا ہے کچھ کو پاتا ہے۔ دوسری دنیا میں جائے گا تو دوسری دنیا کے لوگ اس کا استقبال کرتے ہیں، فرقِ مراتب کے ساتھ، جس ڈھنگ کا وہ ہوتا ہے۔ ایک دنیا کو چھوڑ کر دوسری دنیا! یہ بھی خدا کی بہت بڑی نعمت ہے اسی لیے بڑے بڑے اس راستے سے گزار دیے گئے جس کے لیے کائنات بنائی گئی اسے بھی ہمیشہ رکھا نہیں گیا۔ تاکہ اس چیز کو لوگ عیب نہ سمجھیں، اس چیز کو زوال نہ سمجھیں۔ بلکہ یہ بھی خدا کی رحمت ہے۔ دیکھئے ''سورۂ رحمن'' آپ پڑھتے ہیں نا۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ ارے! تم دونوں جنوں اور انسانوں، تم خدا کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ نعمتوں کا شمار ہو رہا ہے۔ اب انہیں نعمتوں میں سے کہا: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ یعنی دھرتی پر جتنے رہنے والے ہیں سب کو فنا ہونا ہے اور صرف رب کی ذات ہی باقی رہنے والی ہے۔ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ۔ تم خدا کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ یعنی یہ فنا ہونا۔ ہمارا فنا ہونا نعمت ہے اور خدا کا باقی رہنا نعمت۔ آپ کہیں گے یہ فنا ہونا کہاں سے نعمت بن گیا؟ اچھا! ایک بات بتاؤ! سب فنا نہ ہوتے تو کیا ہوتا؟ حضرت آدم سے لے کر جتنے پیدا ہوئے سب ہوتے تو کیا ہوتا؟ چلنے کا راستہ ملتا؟ رہنے کو گھر ملتا؟ تو کچھ کا جانا، کچھ کا آنا یہ خدا کی نعمت ہے۔

میں آپ کو ایک ہی نسل کی بات بتاؤں۔ اگر اُس کی نسل کے موجود ہوتے، میں تو سمجھتا ہوں اگر بھیک مانگتے تو بھیک نہ ملتی۔ جس طرح آپ بیٹھے ہیں نا، اگر سارے انسان دھرتی پر پیدا ہو چکے، وہ سب ہوں، اور جتنے جانور دھرتی پر پیدا ہو چکے ہوں وہ سب ہوں، اور جتنی چیزیں دھرتی پر ہو چکی ہوں، وہ سب ہوں۔ ۔ ۔

(نوٹ: کیسٹ خراب ہونے کی وجہ سے یہ تقریر یہیں تک نقل ہوی۔)